مدیر: ذوالکفل اصغر بھٹی

سہ ماہی

قندیل حق

لندن



QINDEEL-E-HAQ

A.R. Khan: +44-7886304637 E-Mail : ranarazzaq52@gmail.com

شمارہ: 24

اکتوبر، نومبر، دسمبر 2023



جلسہ سالانہ یو کے منعقدہ بتاریخ 28 تا 30 جولائی 2023ء کا ایک دلکش منظر

مجلس ادارت

نگران اعلیٰ : رانا عبدالرزاق خان۔لندن

مدیر : ذوالکفل اصغر بھٹی

ایڈیٹوریل بورڈ : رند ملک، جمیل احمد بٹ، ڈاکٹر سرافتخار احمد ایاز، ڈاکٹر فضل الرحمن بشیر، انجینئر محمود مجیب اصغر، محمد کولمبس خان، خواجہ محمد افضل بٹ، نجم الثاقب کاشغری، شہزادہ قمرالدین مبشر

فہرست

فہرست





اداریہ۔الحمدللہ قندیل کو چھ سال مکمل ہو چکے ہیں

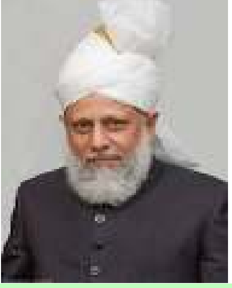
رانا عبدالرزاق خان۔لندن



الحمدللہ قندیل حق انٹرنیشنل کو جاری کئے ہوئے چھٹا سال مکمل ہو چکا ہے۔یہ رسالہ احمدی لکھاری حضرات کے اصرار پر جاری کیا گیا تھا۔ جسے ان سب اہل علم کی اشیرباد حاصل ہے۔اس کی مقبولیت کی اس کی دوصد صفحات کی ضخامت نشاندہی کر رہی ہے۔اس میگزین کا طرہ امتیاز یہی ہے کہ اسلام اور احمدیت کی تصویر کو صاف وشفاف پیش کی جاتی ہے۔جماعتی اصول واخلاق کو مقدم رکھا جاتا ہے۔خلافت کی زیر نگرانی اور اس کی اطاعت کو مقدم رکھا جاتا ہے۔معاونین کی کمی کی وجہ سے پروف ریڈنگ میں کہیں نہ کہیں کوئی غلطی رہ جاتی ہے۔امید ہے آئندہ بھی پہلے کی طرح احباب ہماری رہنمائی فرماتے رہیں گے۔یہ سہ ماہی رسالہ ہے۔اب تک اس کے چوبیس شمارے شائع ہو چکے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے چاہا تو جب تک دم ہے یہ جہاد جاری رہے گا۔جیسا کہ احباب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افضال کی بارش مسلسل ہماری جماعت پر ہو رہی ہے۔اور باطل ناکام ہو رہا ہے۔آج ساری دنیا میں اسلام کی خدمتِ صحیحہ جماعت احمدیہ سے وابستہ نظر آرہی ہے۔دیگر فرقے تنزل وانتشار کا شکار ہیں۔شکست وریخت سے پارہ پارہ ہیں۔57 اسلامی ملک ہونے کے باوجود اسلام کو کوئی ترجیح نہیں دی جارہی۔سب دجال کی جھولی میں خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہیں۔پاکستان کا تو بیڑہ ہی غرق ہو چکا ہے۔تو ایک شتر بے مہار فوج ہے۔جس نے پاکستان کا کچومر نکال دیا ہے۔ملائیت نے قوم لوط کا لباس اوڑھ کر اسلام کو خوب بدنام کیا ہے۔ بلکہ پاکستان تو اسرائیل کا پالتو بن چکا ہے۔پاکستان کے انتہا پسند دہشت گردوں نے احمدیہ مساجد کو شہید کرنا اور قبروں کے کتبات توڑنا جہاد سمجھ رکھا ہے۔اسلام پر عمل کرنا مکروہ سمجھ لیا ہے۔بنی اسرائیل کی ہر برائی ان میں در آئی ہے۔قوم سؤر اور سود خور بن چکی ہے۔حکومت اور اسٹیبلشمنٹ اس بدکار قوم کو مہنگائی کے عذاب سے اس کا حشر نشر کر رہی ہے۔مقتدر لوگوں کے گھروں سے اربوں کھربوں کے حساب سے نقدی، ڈالرز اور سونا برآمد ہو رہا ہے۔فوج کا بھی کچا چٹھا باہر آرہا ہے۔عدلیہ کا امیج بھی تباہ ہو چکا۔انتظامیہ بچہ سقہ کی طرح راج کر رہی ہے۔یہ قوم عاد وثمود کی طرح عذاب الٰہی کا شکار ہے۔وقت کے امام کو نہ مان کر جو اس قوم کا انجام ہو رہا ہے وہ ساری دنیا دیکھ رہی ہے۔اس کے برابر جماعت احمدیہ کی ترقیات اس قوم کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ ہے۔جماعت احمدیہ حصارِ خلافت میں دنیا کے کناروں تک فتح کے بیس کیمپ بنا کر ساری دنیا میں اسلام کا تعارف کروا رہی ہے۔اللہ تعالیٰ کا سلوک اور اس کے پے در پے افضال بتا رہے ہیں کہ یہی وہ پاک جماعت ہے جس کی میرے محبوب حضرت محمد ﷺ نے پیشگوئی فرمائی تھی۔اے اللہ اس قوم کو سمجھ اور ہدایت دے۔آمین۔

صدق سے میرے طرف آؤ اسی میں خیر ہے

ہیں درندے ہر طرف میں ہوں عافیت کا حصار



بیرونی شیطان کو شکست دینے کے لئے اندرونی شیطان کو بھی زیر کرنا ہوگا

ارشاد حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز (ادارہ)

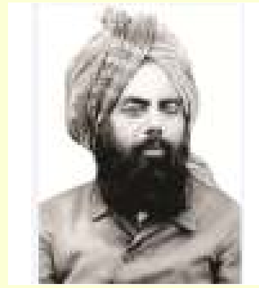
اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ اس نے ہمیں اس سلسلہ میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ ہم میں سے بعض کو ان کے بزرگوں کی نیکیوں کی وجہ سے اس سلسلہ کو شناخت کرنے کی توفیق عطا ہوئی اور ہم احمدی خاندانوں میں پیدا ہوئے اور بعض کو خود اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی کہ وہ بیعت کر کے سلسلے میں داخل ہوئے اور یہ سلسلہ آج تک جاری و ساری ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ جاری رہے گا تا کہ ہم اس گروہ خاص میں شامل ہو جائیں جس نے شیطان کے خلاف اسلام کی آخری جنگ لڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے والا بننا ہے۔ اس وجہ سے ہم میں سے بعض کو بعض ممالک میں سختیوں اور ابتلاؤں سے بھی گزرنا پڑ رہا ہے کہ ہم نے اس زمانہ کے امام کو مانا ہے۔ لیکن ایک عظیم مقصد اور غرض کے حصول کے لئے ہماری قربانیاں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تو بے شمار تحریرات میں ہمیں ہمیشہ ان امتحانوں اور ابتلاؤں سے آگاہ فرماتے رہے جو آج بھی موجود ہیں کہ ابتلاء آئیں گے، تمہیں آزمایا جائے گا اور پھر اس کے نتیجہ میں خوشخبریاں بھی دیں۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ: ”اس وقت میرے قبول کرنے والے کو بظاہر ایک عظیم الشان جنگ اپنے نفس سے کرنی پڑتی ہے۔ وہ دیکھے گا کہ بعض اوقات اس کو برادری سے الگ ہونا پڑے گا۔ اس کے دنیاوی کاروبار میں روک ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس کو گالیاں سننی پڑیں گی۔ لعنتیں سنے گا۔ مگر ان ساری باتوں کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گا۔“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 16 جدید ایڈیشن)

آج اس زمانہ میں بھی ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان الفاظ کو جو آپؑ نے فرمائے بعض ملکوں میں بعینہٖ اسی طرح پورا ہوتے دیکھ رہے ہیں اور آج بھی جو احمدی قربانیاں کر رہے ہیں وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا اجر پانے والے ہیں۔ ان دنوں میں پاکستان میں اور پاکستان کے بعد ہندوستان میں بھی خاص طور پر غیر احمدیوں نے نومبائعین کے ساتھ انتہائی ظلم کا سلوک روا رکھا ہوا ہے۔ پاکستان میں بھی نئی حکومت کے بعد احمدیوں پر ہر قسم کی ظلم و زیادتی کو کار ثواب سمجھا جاتا ہے۔ مولویوں کو حکومت نے کھلی چھٹی دے رکھی ہے اور ان لوگوں کے عزائم اور منصوبے انتہائی خوفناک اور خطرناک ہیں۔ ایک تو ملک میں ویسے بھی قانون نہیں ہے۔ آج کل لاقانونیت کا دَور دَورہ ہے اور پھر احمدیوں کے لئے تو رہا سہا قانون بھی کسی قسم کی مدد کرنے کے قابل نہیں ہے۔

پس جہاں جہاں بھی احمدی ظلم کا نشانہ بن رہے ہیں وہ یاد رکھیں کہ یہ شیطان کے ساتھ آخری جنگ ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر آپ اس فوج میں داخل ہوئے ہیں جو اس زمانے کے امام نے بنائی۔ اس لئے اپنے ایمانوں کو مضبوط کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ سے ثبات قدم اور استقامت مانگتے ہوئے ہمیشہ اور ہر وقت صبر اور حوصلے کا مظاہرہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے آگے مزید جھکیں۔ آخری فتح ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کی ہی ہے۔ جیسا کہ آپؑ فرمایا ہے کہ ان شیطانی اور طاغوتی قوتوں کو شکست دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم فرمایا ہے۔ لیکن ایک بات ہمیں ہمیشہ یاد رکھنی چاہئے کہ بیرونی شیطان کو شکست دینے کے لئے جو اندرونی شیطان ہے اس کو بھی زیر کرنا ہوگا۔ کیونکہ ہماری فتح مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جڑنے کی وجہ سے ظاہری اسباب سے نہیں ہونی بلکہ دعاؤں سے ہونی ہے اور دعاؤں کی قبولیت کے لئے اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی رضا کے مطابق چلنے والا بنانے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے نفس کا جہاد بھی بہت ضروری ہے۔

(خطبہ جمعہ 6 مئی 2009ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)



الہامی مصرعے

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام

ہے سر راہ پر تمہارے وہ جو ہے مولیٰ کریم

(اخبار بدر 20 / اپریل 1905ء)

پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی

(اخبار بدر 11 / مئی 1905ء)

کشتیاں چلتی ہیں تا ہوں کُشتیاں (اخبار بدر 17 / مئی 1906ء)

پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن

(اخبار بدر 10 / مئی 1906ء)

پاک محمد مصطفٰے نبیوں کا سردار (براہین احمدیہ چہار حصص صفحہ 522)

جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

(اخبار بدر 25 / اپریل 1908ء)

عشق الٰہی وَسّے منہ پر ولیاں ایہہ نشانی

(اخبار بدر 08 / مئی 1903ء)

جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے (اخبار بدر 16 / اپریل 1904ء)

پر خدا کا رحم ہے کوئی بھی اس سے ڈر نہیں

(اخبار بدر 11 / مئی 1905ء)

اگر یہ جڑ رہی سب کچھ رہا ہے (اخبار الحکم 31 / اگست 1901ء)

بڑھیں گے جیسے باغوں میں ہوں شمشاد

(مطبوعہ 1901ء منقول از بشیر احمد، شریف احمد اور مبارکہ کی آمین)

چمک دکھلاوں گا تم کو اس نشاں کی پنج بار

(تجلیات الٰہیہ صفحہ 1 حقیقۃ الوحی صفحہ 93 حاشیہ)

زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی با حال زار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ 120ء)

(درثمین صفحہ 163_164)





سب جان و مال اپنا خدا پر فدا کیا

(حضرت مرزا شریف احمدؓ)

اے قوم احمدی تُو ذرا غور سے تو دیکھ
دینِ خدا کے واسطے تُو نے ہے کیا کیا

ہے دعوٰیٔ وراثت اصحابِ مصطفٰےؐ
ان کی طرح بتا تو سہی تُو نے کیا کیا

کن کن مصیبتوں میں وہ ثابت قدم رہے
کچھ یاد ہے تمہیں جو صحابہ نے تھا کیا

چُھوٹا وطن عزیز چُھٹے ہمنشیں چُھٹے
کفار نے ہر عیش کو ان کے فنا کیا

لُوٹے گئے ، شہید ہوئے ، راہِ دیں میں
سب جان و مال اپنا خدا پر فِدا کیا

پروانہ تھے وہ شمع صداقت کے واسطے
فرحاں تھی روح گو تنِ خاکی جلا کیا

ہر امتحاں کے وقت وہ ثابت قدم رہے
بڑھ بڑھ کے اپنی جاں کو قرباں سدا کیا

راضی خدا تھا ان سے وہ اس کی رضا پہ خوش
ان عاشقوں نے نفس کو ایسا فنا کیا

اسلام کی اشاعتِ کامل کے فرض کو
تمہی کہو کہ تم نے کہاں تک ادا کیا

کتنوں نے دین کے لئے دنیا نثار کی
کتنوں نے جان و مال کو وقفِ خدا کیا

جو مال دے گئے تھے مسیحِ محمدیؐ
کس کس کو تم نے وہ زرِ خالص عطا کیا

حصہ لیا ہے تم نے جو تبلیغ دین میں
اعلان حق جو تم نے بہانگ درا کیا

(بحوالہ روزنامہ الفضل آن لائن لندن)



نماز کے سات درجات

ادارہ



حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ عنہ سورۃ المومنون کی ابتدائی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر کبیر جلد ششم میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے صحیح معنوں میں کامیاب ہونے والے مومنوں کی جو صفات بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک صفت جو سورۃ المومنون کی آیت نمبر 10 میں بیان ہوئی ہے اس کے الفاظ ہیں:

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ (10:23)

نمازوں کی حفاظت سے کیا مراد ہے اور کس طرح کرنی چاہیے۔اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ روحانی ترقی کرنے کے مختلف درجات ہیں۔ پھر آپؓ فرماتے ہیں:

''چھٹا درجہ یہ بتایا کہ وہ لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہاں نماز کا لفظ جمع کی صورت میں آیا ہے۔ پس اس سے ایک تو اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہر قسم کی نمازیں یعنی فرائض اور نوافل اچھی طرح ادا کرتے ہیں اور دوسرے اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی قوم میں سے ہر ایک کی جسمانی عبادت کی حفاظت کرتے ہیں یعنی یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ ان کی اولاد، ان کی بیویاں، ان کے رشتہ دار اور ان کے ہمسایہ اور ان کی سب قوم نماز کی پابند ہے یا نہیں۔ کیونکہ جب تک سارے خاندان بلکہ ساری قوم کے اعمال درست نہ ہوں۔اس وقت تک انسان کا اپنا عمل بھی خطرہ سے باہر نہیں رہ سکتا۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جب ایک شخص صبح اپنے بچے کو نماز کے لیے جگانے لگتا ہے تو اس وقت فوراً جذباتِ محبت اس کے سامنے آجاتے ہیں اور دل میں کہتا ہے، سخت سردی ہے، میں اسے کیوں جگاؤں، اگر نماز کے لیے جگایا تو اسے سردی لگ جائے گی۔ پھر وہ بیوی کو نماز کے لیے جگانے لگتا ہے تو اس وقت بھی محبت کے جذبات اس کے سامنے آجاتے ہیں اور وہ کہتا ہے، ساری رات یہ بچے کو اٹھا کر پھرتی رہی ہے۔ اب میں اسے جگاؤں گا تو اس کی نیند خراب ہوجائے گی بہتر ہے کہ یہ سوئی رہے۔نماز پھر پڑھ لے گی۔

غرض کبھی سخت سردی اور کبھی سخت گرمی کا عذر اس کے سامنے آجاتا ہے۔ چھ مہینے اس کے سامنے یہ سوال رہتا ہے کہ سخت سردی ہے ان ایام میں بچے کو نماز کے لیے کیوں جگاؤں اسے سردی لگ جائے گی اور چھ مہینے اس کے سامنے یہ سوال رہتا ہے کہ نازک اور پھول سا بچہ ہے نماز پڑھنے گیا تو اسے گرمی لگ جائے گی۔ پھر کبھی بیوی کو جگاتے وقت یہ خیال آجاتا ہے یہ ساری رات تو بچے کو اٹھائے پھرتی رہتی ہے۔اس لیے بہتر ہے سوئی رہے۔نماز پھر پڑھ لے گی۔ غرض قدم قدم پر جذبات اور احساسات اس کے سامنے آجاتے ہیں۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ ان کی اصلاح ہوتی ہے اور نہ اس کی اپنی اصلاح مکمل ہوتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ۔یعنی اے میرے بندو۔ نہ صرف اپنے آپ کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ بلکہ اپنے اہل وعیال کو بھی آگ سے بچاؤ۔تمہارا صرف اپنے آپ کو آگ سے بچالینا کافی نہیں بلکہ دوسروں کو بچانا بھی ضروری ہے کیونکہ اگر دوسرا نہیں بچے گا تو وہ تمہیں بھی لے ڈوبے گا۔

مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ نماز کی پابندی کئی رنگ کی ہوتی ہے۔ سب سے پہلا درجہ جس سے اتر کر اور کوئی درجہ نہیں یہ ہے کہ انسان بالالتزام پانچوں وقت کی نمازیں پڑھے۔ جو مسلمان پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے اور اس میں کبھی ناغہ نہیں کرتا وہ ایمان کا سب سے چھوٹا درجہ حاصل کرتا ہے۔

دوسرا درجہ نماز کا یہ ہے کہ پانچوں نمازیں وقت پر ادا کی جائیں جب کوئی مسلمان پانچوں نمازیں وقت پر ادا کرتا ہے تو وہ ایمان کی دوسری سیڑھی پر قدم رکھ لیتا ہے۔

پھر تیسرا درجہ یہ ہے کہ نماز باجماعت ادا کی جائے۔ باجماعت نماز کی ادائیگی سے انسان ایمان کی تیسری سیڑھی پر چڑھ جاتا ہے۔

پھر چوتھا درجہ یہ ہے کہ انسان نماز کے مطالب کو سمجھ کر ادا کرے۔ جو شخص ترجمہ نہیں جانتا وہ ترجمہ سیکھ کر نماز پڑھے اور جو ترجمہ جانتا ہو وہ ٹھہر ٹھہر کر نماز کو ادا کرے۔ یہاں تک کہ وہ سمجھ لے کہ میں نے نماز کو کماحقہٗ ادا کیا ہے۔

پھر پانچواں درجہ نماز کا یہ ہے کہ انسان نماز میں پوری محویّت حاصل کرے۔ اور جس طرح غوطہ زن سمندر میں غوطہ لگاتے ہیں۔ اسی طرح وہ بھی نماز کے اندر غوطہ مارے۔ یہاں تک کہ وہ دو میں سے ایک مقام حاصل کرلے۔ یا تو یہ کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہو اور یا یہ کہ وہ اس یقین کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو کہ خدا تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ اس مؤخر الذکر حالت کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے کوئی اندھا بچہ اپنی ماں کی گود میں بیٹھا ہو۔ اپنی ماں کی گود میں بیٹھے ہوئے اس بیٹے کو بھی تسلی ہوتی ہے جو بینا ہو اور اپنی ماں کو دیکھ رہا ہو مگر ماں کی گود میں بیٹھے ہوئے اس بیٹے کو بھی تسلی ہوتی ہے جو نابینا ہو۔ اس خیال سے کہ گو وہ اپنی نابینائی کی وجہ سے ماں کو نہیں دیکھ رہا مگر اس کی ماں اسے دیکھ رہی ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھتے وقت بندے کو ان دو میں سے ایک مقام ضرور حاصل ہونا چاہیے۔ یا تو یہ کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہو۔ اور یا یہ کہ اس کا دل اس یقین سے لبریز ہو کہ خدا تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ یہ ایمان کا پانچواں مقام ہے اور اس مقام پر بندے کے فرائض پورے ہو جاتے ہیں۔ مگر جس بامِ رفعت پر اسے پہنچنا چاہیے اس پر ابھی نہیں پہنچتا۔

اس کے بعد چھٹا درجہ ایمان کا یہ ہے کہ نوافل پڑھے جائیں۔ یہ نوافل پڑھنے والا گویا خدا تعالیٰ کے حضور یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں نے فرائض کو تو ادا کر دیا ہے مگر ان فرائض سے میری تسلی نہیں ہوئی اور وہ کہتا ہے۔ اے خدا میں یہ چاہتا ہوں کہ میں ان فرائض کے اوقات کے علاوہ بھی تیرے دربار میں حاضر ہوا کروں۔ جیسے کئی لوگ جب کسی بزرگ کی ملاقات کے لیے جاتے ہیں تو وہ مقررہ وقت گزر جانے پر کہتے ہیں کہ دو منٹ اور دیجیے۔ اور وہ ان مزید دو منٹ میں لذت محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک مومن جب فرض کی ادائیگی کے بعد نوافل پڑھتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ سے کہتا ہے کہ اب میں اپنی طرف سے کچھ مزید وقت حاضر ہونا چاہتا ہوں۔

ساتواں درجہ ایمان کا یہ ہے کہ انسان نہ صرف پانچوں نمازیں اور نوافل ادا کرے بلکہ رات کو بھی تہجد کی نماز پڑھے۔ یہ وہ سات درجات ہیں جن سے نماز مکمل ہوتی ہے۔ اور ان درجات کو حاصل کرنے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ خدا تعالیٰ رات کے وقت عرش سے اترتا ہے۔ اور اس کے فرشتے پکارتے ہیں کہ اے میرے بندو خدا تعالیٰ تمہیں ملنے کے لیے آیا ہے۔ اٹھو اور اس سے مل لو۔

پس ان سات درجوں کو پورا کرنا ہر شخص کے لیے ضروری ہے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ نماز کا پابند ہو۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ نمازوں کو وقت پر ادا کیا کرے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ نماز با جماعت ادا کیا کرے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ نماز کو سوچ سمجھ کر اور ترجمہ سیکھ کر ادا کرے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ علاوہ فرض نمازوں کے رات اور دن کے اوقات میں نوافل بھی پڑھا کرے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ نماز کے اندر محویت پیدا کرے اور اتنی محویت پیدا کرے کہ رسول کریم ﷺ کے قول کے مطابق یا تو وہ خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو۔ یا وہ اپنے دل میں یہ یقین رکھتا ہو کہ خدا تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ پھر ہر شخص کو چاہئے کہ وہ فرائض اور نوافل اس التزام اور باقاعدگی سے ادا کرے کہ اس کی راتیں بھی دن بن جائیں۔ اسی طرح تہجد کی مناجات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔ جب تک کوئی شخص اپنی نمازوں کی اس رنگ میں حفاظت نہیں کرتا اس وقت تک اس کا یہ امید کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرے گا ایک وہم سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔

پھر فرماتا ہے انسان کی روحانی ترقی کا ساتواں درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسی جنت کا وارث کر دیتا ہے جو سب جنتوں کا مجموعہ ہے یعنی فردوس۔ فردوس کے معنی عربی زبان میں ایسے باغ کے ہوتے ہیں جو ہر قسم کے باغوں کا مجموعہ ہو۔ پس فردوس کا لفظ استعمال کرکے اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح یہ لوگ سب اعلیٰ درجہ کے روحانی خواص اپنے اندر جمع رکھتے ہیں اسی طرح ان کو مقام بھی وہ ملے گا جو تمام خوبیوں کا جامع ہوگا اور هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ کہہ کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ جس طرح یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی حفاظت کیا کرتے تھے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اس بات کی نگرانی رکھے گا کہ وہ انعامات کے ہمیشہ وارث رہیں اور کبھی ان پر تنزل کی گھڑی نہ آئے۔"

(تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ 135 تا 137)



زندہ خدا۔زندہ رسول۔زندہ کتاب

(انجینئر محمود مجیب اصغر)



نافلہ موعود حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دور خلافت میں ایک خطبہ جمعہ میں فرمایا

"...یہ تین طاقتیں ہیں جن سے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے ہمیں متعارف کیا۔ اور جن کے متعلق ہمارے دل میں پختہ یقین پیدا کیا۔ وہ یہ کہ قرآن کریم ایک زندہ کتاب ہے۔ وہ یہ کہ محمد رسول ﷺ ایک زندہ رسول ہیں۔ وہ یہ کہ ہمارا خدا جس نے قرآن کریم نازل کیا اور محمد رسول ﷺ وسلم کو مبعوث فرمایا وہ زندہ خدا زندہ طاقتوں والا اور زندہ قدرتوں والا خدا ہے۔

ان تین زندگیوں سے وابستہ ہو جانے کے بعد کسی احمدی میں کسی قسم کی مردنی نظر نہیں آنی چاہیے۔ زندہ خدا پر ایمان لانے والے زندہ کتاب کو پڑھنے والے زندہ رسول سے پیار کرنے والے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غلامی میں آنے والے کسی فرد میں پژمردگی نہیں پائی جانی چاہیۓ۔ نہ دینی لحاظ سے نہ دنیوی لحاظ سے۔'' (خطبات ناصر جلد اول صفحہ 476)

آپ فرماتے تھے'' دنیا تیوریاں چڑھا کے اور سرخ آنکھیں کر کے تمہاری طرف دیکھ رہی ہے ۔تم مسکراتے چہروں سے دنیا کو دیکھو۔ سارے غصے دل سے نکالو اور ساری تلخیاں بھول جاؤ۔ صرف اپنا مقصد سامنے رکھو کہ ہم نے محبت اور پیار سے دنیا کے دل جیتنے ہیں ۔ ہمیشہ یاد رکھو کہ ایک احمدی کسی سے دشمنی نہیں کرتا اور نہ کرسکتا ہے کیونکہ اس کے خدا نے اسے پیار کرنے کے لئے اور خدمت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ کسی سے دشمنی نہ کرو خواہ وہ ساری عمر تم سے دشمنی کرتا رہا ہو۔" (حیات ناصر جلد اوّل صفحہ 653)

زندہ خدا

لوگو سنو! کہ زندہ خدا وہ خدا نہیں جس میں ہمیشہ عادت قدرت نما نہیں

اللہ لآ الہ الا ھو الحی القیوم (البقرہ آیت 256) یعنی اللہ! اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا (اور) قائم بالذات ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

''ایک قادر اور قیوم اور خالق الکل خدا ہے جو اپنی صفات میں ازلی ابدی اور غیر متغیر ہے۔ نہ وہ کسی کا بیٹا نہ اس کا کوئی بیٹا۔ وہ دکھ اٹھانے اور صلیب پر چڑھنے اور مرنے سے پاک ہے وہ ایسا ہے کہ باوجود دور ہونے کے نزدیک ہے اور باوجود نزدیک ہونے کے وہ دور ہے۔ اور باوجود ایک ہونے کے اس کی تجلیات الگ الگ ہیں۔ انسان کی طرف سے جب ایک نئے رنگ کی تبدیلی ظہور میں آوے تو اس کے لئے وہ ایک نیا خدا بن جاتا ہے اور ایک نئی تجلی کے ساتھ اس سے معاملہ کرتا ہے اور انسان بقدر اپنی تبدیلی کے خدا میں تبدیلی دیکھتا ہے مگر یہ نہیں کہ خدا میں کوئی تغیر آجاتا ہے بلکہ وہ ازل سے غیر متغیر اور کمال تام رکھتا ہے لیکن انسانی تغیرات کے وقت جب نیکی کی طرف انسان کے تغیر ہوتے ہیں تو خدا بھی ایک نئی تجلی سے اس پر ظاہر ہوتا ہے اور ہر ایک ترقی یافتہ حالت کے وقت جو انسان سے ظہور میں آتی ہے خدا تعالیٰ کی قادرانہ تجلی بھی ایک ترقی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ وہ خارق عادت قدرت اسی جگہ دکھلاتا ہے جہاں خارق عادت تبدیلی ظاہر ہوتی ہے۔ خوارق اور معجزات کی یہی جڑ ہے یہ خدا ہے جو ہمارے سلسلہ کی شرط ہے اس پر ایمان لاؤ اور اپنے نفس پر اور اپنے آراموں پر اور اس کے کل تعلقات پر اس کو مقدم رکھو اور عملی طور پر بہادری کے ساتھ اس کی راہ میں صدق و وفا دکھلاؤ دنیا اپنے اسباب اور اپنے عزیزوں پر اس کو مقدم نہیں رکھتی مگر تم اس کو مقدم رکھو تا تم آسمان پر اس کی جماعت لکھے جاؤ" (کشتی نوح)

*سورۃ فاتحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خدا جس کے نام سے قرآن مین اپنے تیئں ظاہر کیا وہ رب العالمین ہو کر مبدا ہے تمام فیضوں کا اور رحمان ہو کر معطی ہے تمام انعاموں کا اور رحیم ہو کر قبول کرنے والا ہے تمام سودمند دعاؤں اور کوششوں کا اور مالک یوم الدین ہو کر بخشنے والا ہے کوششوں کے تمام آخری

مرات کا ۔

جوشخص عام مسلمانوں میں سے ہماری جماعت میں داخل ہو جائے اس کا پہلا فرض یہی ہے کہ جیسا کہ وہ قرآن شریف کے سورۃ فاتحہ میں پنج وقت اپنی نماز میں یہی اقرار کرتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔یہی چار صفتیں اپنے اندر بھی قائم کرے۔"(تفسیر سورۃ فاتحہ بیان فرمودہ حضرت مسیح موعود)

زندہ رسول

یاَیہا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعا کم لما یحییکم واعلموا ان اللہ یحول بین المرء و قلبہ و انہ الیہ تحشرون (الانفال آیت 25)

یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ اور رسول کی آواز پر لبیک کہا کرو جب وہ تمہیں بلائے تا کہ وہ تمہیں زندہ کرے اور جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے اور یہ بھی (جان لو) کہ تم اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے

زندگی بخش جامِ احمد ہے ۔ کیا ہی پیارا یہ نام احمد ہے

لاکھ ہوں انبیاء مگر بخدا۔ سب سے بڑھ کر مقام احمد ہے

باغ احمد سے ہم نے پھل کھایا۔ میرا بستاں کلام احمد ہے

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو۔ اس سے بہتر غلام احمد ہے

(درثمین۔منظوم پاکیزہ کلام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

بل مات عیسی مثل عبد فان و نبینا حی و انی شاھد

و رایت فی ریعان عمری وجھہ ثم النبی بیقظی لاقان

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

" اور تمھارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول پر قرآن کو مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن ۔ اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ ﷺ ۔سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ وجلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے جو خدا سچ ہے اور محمد ﷺ اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانہ شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے۔ اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے مگر یہ برگزیدہ نبی ہمیشہ کے لئے زندہ ہے اور اس کے ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے خدا نے یہ بنیاد ڈالی ہے کہ اس کے افاضہ تشریعی اور روحانی کو قیامت تک جاری رکھا اور آخر کار اس کی روحانی فیض رسانی سے اس مسیح موعود کو دنیا میں بھیجا جس کا آنا اسلامی عمارت کی تکمیل کے لئے ضروری تھا کیونکہ ضرور تھا کہ یہ دنیا ختم نہ ہو جب تک محمدی سلسلہ کے لئے ایک مسیح روحانی رنگ کا نہ دیا جاتا جیسا کہ موسوی سلسلہ کے لئے دیا گیا تھا اسی کی طرف یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم موسیٰ نے وہ متاع پائی جس کو قرون اولیٰ کھو چکے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ متاع پائی جس کو موسیٰ کا سلسلہ کھو چکا تھا ۔ اب محمدی سلسلہ موسوی سلسلہ کے قائم مقام ہے مگر شان میں ہزار ہا درجہ بڑھ کر۔ مثیل موسیٰ موسیٰ سے بڑھ کر اور مثیل ابن مریم ابن مریم سے بڑھ کر۔اور وہ مسیح موعود نہ صرف مدت کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چودھویں صدی میں ظاہر ہوا جیسا کہ مسیح ابن مریم موسیٰ کے بعد چودھویں صدی میں ظاہر ہوا تھا ۔ بلکہ وہ ایسے وقت میں آیا جب کہ مسلمانوں کا وہی حال تھا جیسا کہ مسیح ابن مریم کے ظہور کے وقت یہودیوں کا حال تھا سو وہ میں ہی ہوں" (کشتی نوح)

اتی فوج الملآئکۃ الکرام　　بکف المصطفی اضحی الزمام

(میں ملائکہ کرام کے لشکر دیکھتا ہوں (جن کی) باگ ڈور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دی گئی ہے)

زندہ کتاب

بل ھو قرآن مجید۔ فی لوح محفوظ (البروج آیت 23.22)

بلکہ وہ تو ایک صاحب مجد قرآن ہے ایک لوح محفوظ میں۔

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون (الحجر آیت 10)

یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔رسول من اللہ یتلوا صحفا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ (البینۃ آیت 4,3) خدا کا رسول پاک صحیفے پڑھتا ہے جن میں تمام کامل صداقتیں اور علوم اولین درج ہیں

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں

"چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبدل تام اور سید المبدلین اور امام المطہرین تھے اس لئے تمام سراپا وجود ان کا حقیقت میں معجزہ ہی تھا اور ضرور تھا کہ ایسے عالیشان نبی پر جو کلام نازل ہوا تھا وہ بباعث تبدل تام اس کے غایت درجہ کا خارق عادت ہوتا جس سے تمام اولین و آخرین کی نظریں خیرہ رہ جاتیں ۔" (سرمہ چشم آریہ)

ایک اور جگہ فرمایا "۔۔حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ الخیر کلہ فی القرآن کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں یہی بات سچ ہے افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلا واسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ کتاب جو تم پر پڑھی گئی اگر عیسائیوں پر پڑھی جاتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے اور یہ نعمت اور ہدایت جو تمہیں دی گئی اگر بجائے توریت کے یہودیوں کو دی جاتی تو بعض فرقے ان کے قیامت کے منکر نہ ہوتے پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی ۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے، یہ بڑی دولت ہے، اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں۔

قرآن ایک ہفتہ میں انسان کو پاک کرسکتا ہے اگر صوری یا معنوی اعراض نہ

غزل

فوزیہ ظہیر فضا

فیضانِ ہستی نظام دل ہے
غلام احمد غلام دل ہے

انعام چار ہیں فاتحہ میں
احمدی بھی انعام دِل ہے

مرشدی سے وہ ہاتھ پیارے
مے خانہ کوئی جام دِل ہے

کہہ رہے ہیں بادشاہ سارے
محترم اک سلام دِل ہے

اک بدن کے تمام حصے
پیوستہ رُوح درو بام دِل ہے

خاص دل ہے خاص رشتہ
عام عشق عام دِل ہے

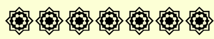
قادیاں سے جو مدینے جاتی
گلی یہی انجامِ دِل ہے

وار دوں میں پاؤں تیرے
تمام رشتے تمام دِل ہے

گم ہیں یوں دن میرے
صبح محبت شام دِل ہے

آتی ہے یوں شہہ سواری
شہزادہ کوئی گلفام دِل ہے

مسرور اے میرے عشق والے
تمام دِل غلام دِل ہے



ہو قرآن تم کو نبیوں کی طرح کر سکتا ہے اگر تم خود اس سے نہ بھاگو۔بجز قرآن کس کتاب نے اپنی ابتدا میں ہی اپنے پڑھنے والوں کو یہ دعا سکھلائی اور یہ امید دی کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم یعنی ہمیں اپنی ان نعمتوں کی راہ دکھلا جو پہلوں کو دکھلائی گئی ۔ جو نبی اور رسول اور صدیق اور شہید اور صالح

تھے پس اپنی ہمتیں بلند کرلو اور قرآن کی دعوت کو رد مت کرو کہ وہ تمہیں وہ نعمتیں دینا چاہتا ہے جو پہلوں کو دی تھیں ۔۔۔ بلکہ خدا کا تمہاری نسبت ان سے زیادہ فیض رسانی کا ارادہ ہے خدا نے ان کے روحانی جسمانی متاع و مال کا تمہیں وارث بنایا مگر تمہارا وارث کوئی دوسرا نہ ہوگا جب تک کہ قیامت آجاوے خدا تمہیں نعمت وحی اور الہام اور مکالمات اور مخاطبات الٰہیہ سے ہرگز محروم نہیں رکھے گا وہ تم پر وہ سب نعمتیں پوری کرے گا جو پہلوں کو دی گئیں" (کشتی نوح)

ایک اور جگہ فرمایا "وحی الٰہی ایک ایسا آئینہ ہے جس میں خدائے تعالیٰ کی صفات کمالیہ کا چہرہ حسب صفائی باطن نبی منزل علیہ کے نظر آتا ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پاک باطنی و انشراح صدری و عصمت و حیا و صدق و صفا و توکل و وفا اور عشق الٰہی کے تمام لوازم میں سب انبیا سے بڑھ کر اور سب سے افضل و اعلیٰ و اکمل و ارفع و اجلیٰ و اصفا تھے اس لئے خدائے جل شانہ نے ان کو عطر کمالات خاصہ سے سب سے زیادہ معطر کیا اور وہ سینہ و دل جو تمام اولین و آخرین کے سینہ و دل سے فراخ تر و پاک تر و معصوم تر و روشن تر تھا وہ اسی لائق ٹھہرا کہ اس پر ایسی وحی نازل ہو کہ جو تمام اولین و آخرین کی وحیوں سے اقویٰ و اکمل و ارفع و اُتم ہو کر صفات الٰہیہ کے دکھلانے کے لئے ایک نہایت صاف اور کشادہ اور وسیع آئینہ ہو۔

سو یہی وجہ ہے کہ قرآن شریف ایسے کمالات عالیہ رکھتا ہے جو اس کی تیز شعاعوں اور شوخ کرنوں کے آگے تمام صحف سابقہ کی چمک کالعدم ہو رہی ہے کوئی ذہن ایسی صداقت نکال نہیں سکتا جو پہلے ہی اس میں درج نہ ہو کوئی فکر ایسے برہان عقلی پیش نہین کر سکتا جو پہلے ہی سے اسے پیش نہ کی ہو۔ کوئی تقریر ایسا قوی اثر کسی دل پر ڈال نہیں سکتی جیسے قوی اور پرشوکت اثر لاکھوں دلوں پر وہ ڈالتا آیا ہے وہ بلاشبہ صفات کمالیہ حق تعالیٰ کا ایک نہایت مصفا آئینہ ہے جس میں وہ سب کچھ ملتا ہے جو ایک سالک کو مدارج عالیہ معرفت تک پہنچنے کے لئے درکار ہے۔" (سرمہ چشم آریہ)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے جب تعلیم القرآن کا منصوبہ جاری فرمایا تو آپ نے قرآن کریم کو زندہ کتاب ثابت کرنے کے لئے کئی خطبات ارشاد فرمائے۔ ایک جگہ فرمایا "چونکہ قرآن کریم کے علوم ختم ہونے والے نہیں قرآن کریم غیر محدود حقائق اور غیر متناہی علوم و حقائق اپنے اندر رکھتا ہے۔ اس لئے ہر زمانہ کی حاجت کے مطابق وہ کھلتے جاتے ہیں اور ہر زمانہ کے خاص فاسد خیالات کا مقابلہ کرنے کے لئے وہ علوم ایک مسلح فوج کی طرح کھڑے رہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ اس کتاب میں ہر وہ سامان موجود ہے جو کسی زمانہ کے لئے درکار ہے اور ہر زمانہ کی ضرورت حقہ کے پورا کرنے کا کامل اور مکمل طور پر متکفل ہے جیسے کہ ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس زمانہ میں خود مشاہدہ کیا ہے"

(خطبہ جمعہ 24 جون 1966ء خطبات ناصر جلد اول صفحہ 292)





حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

''اِس تاریکی کے زمانے کا نور میں ہوں۔ جو شخص میری پیروی کرتا ہے وہ اُن گڑھوں اور خندقوں سے بچایا جائے گا جو شیطان نے تاریکی میں چلنے والوں کیلئے تیار کئے ہیں۔''

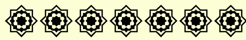
(مسیح ہندوستان میں، روحانی خزائن جلد 15 مطبوعہ 2009 صفحہ 13)

''مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق اور معارف کے سمجھنے میں ہر ایک روح پر غلبہ دیا گیا ہے۔''

(سراج منیر، روحانی خزائن جلد 12 مطبوعہ 2009 صفحہ 41)

''مَیں حضرتِ قُدس کا باغ ہوں۔ جو مجھے کاٹنے کا ارادہ کرے گا وہ خود کاٹا جائے گا۔ مخالف روسیاہ ہوگا اور منکر شرمسار۔''

(نشانِ آسمانی، روحانی خزائن جلد 4 مطبوعہ 2009 صفحہ 397)

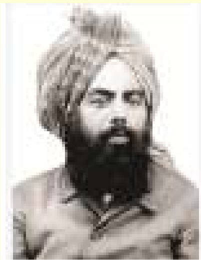




ہر ایک آفت سے حفاظت کا آسان نسخہ......اسم اعظم

(محمود احمد ملک)

آج کی دنیا میں امن و امان کے مخدوش حالات، معاشی بے چینی و بدحالی، بڑھتے ہوئے معاشرتی مسائل ومصائب، خوفناک وبائی امراض اور پیچیدہ نفسیاتی وجسمانی تکالیف سے ہم سب آگاہ ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ کا خاص فضل اور احسان نہ ہو تو کسی انسان کے بس میں نہیں کہ روزمرّہ درپیش خطرات کا مقابلہ کر سکے۔ زندگی کے ہر قدم پر نت نئے مصائب اور اَن دیکھی مشکلات ہمہ وقت تعاقب میں رہتی ہیں جن سے کسی انسان کو مفر نہیں۔ خدا تعالیٰ کا ہم پر یہ احسانِ عظیم ہے کہ اُس نے اپنے فضل اور رحم کے ساتھ ہمیں مامورِ زمانہ کی آواز پر لبّیک کہنے کی سعادت بخشی اور پھر خلافت علیٰ منہاج نبوت کی بے پایاں برکات سے استفادہ کرنے کے مواقع بھی میسر فرمائے۔ احمدیت کی عظیم الشان برکات میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی اپنے پروردگار کے حضور وہ عاجزانہ دعائیں بھی شامل ہیں جو آپؑ نے اپنے پیروکاروں کے لئے کیں اور جن سے ہم آج بھی فیض یاب ہو رہے ہیں۔ ارحم الراحمین خدا کی طرف سے حضور علیہ السلام کو بعض الہامی دعاؤں کی قبولیت کی خوشخبری بھی دے دی گئی تھی۔



چنانچہ سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام 7؍دسمبر 1902ء کو نماز ظہر کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو اپنی ایک خواب بیان فرمائی جس میں تین خوفناک بھینسوں کے خطرناک حملے سے آپؑ کو نجات بخشی گئی تھی۔ اور یہ فضل الٰہی جس دعا کی برکت سے ہوا تھا، حضورؑ نے فرمایا کہ وہ دعا یہ ہے:

رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ وَانْصُرْنِیْ وَارْحَمْنِیْ۔

حضرت اقدس علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ یہ وہ کلمات ہیں کہ جو اسے پڑھے گا ہر ایک آفت سے اُسے نجات ہوگی۔

پھر اُسی روز نماز مغرب کے بعد حضور علیہ السلام نے اسی دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ ان (کلمات) کو نماز میں دعا کے طور پر پڑھا جائے اور میں نے خود تو پڑھنے شروع کر دیئے ہیں۔

اسی طرح ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے جسمانی عوارض کے حوالہ سے مذکورہ دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہیضہ (کی وبا سے بچاؤ) کے لئے ہم تو نہ کوئی دوا بتلاتے ہیں نہ نسخہ۔ صرف یہ بتلاتے ہیں کہ راتوں کو اٹھ کر دعا کریں اور اسم اعظم (مذکورہ دعا) کی تکرار نماز کے رکوع وسجود وغیرہ میں اور دوسرے وقتوں میں کریں۔

گویا حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی اس الہامی دعا کو ''اسم اعظم'' قرار دیا ہے جو ہر قسم کے درپیش خطرات سے محفوظ رکھنے کا کارگر ترین نسخہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفائے عظام نے بھی مختلف ادوار میں ہر قسم کے خطرات اور خصوصاً مخالفین کے شر سے بچنے کے لئے احمدیوں کو جن دعاؤں کا ورد کرنے کی تلقین فرمائی، یہ ''اسم اعظم'' ہمیشہ ان دعاؤں میں شامل رہا۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے 4؍اکتوبر 1968ء کو یہ دعا پڑھنے کی تحریک کرتے ہوئے اس کے مطالب اور مفاہیم پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ حضورؒ نے فرمایا کہ:



''اس دعا میں اللہ تعالیٰ نے سچی توحید اور ربوبیت تامہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ دعا کیا کرو کہ اے وہ کہ جو ربوبیت کرنے کی طاقت رکھتا ہے، اس کے سامان بھی پیدا کرتا ہے اور وہی ہے کہ اس کے ارادوں میں کوئی غیر روک نہیں بن سکتا اور ہر چیز کو اس نے مسخر کیا ہوا ہے...... اس نے یہ حکم بھی جاری کیا ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر کسی شخص

کی ترقی (روحانی وجسمانی) میں اس کی پیدا کردہ کوئی چیز روک نہ بنے لیکن بہت سے ایسے بدقسمت انسان بھی ہوتے ہیں جو اپنے ہی کیے کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کو ناراض کر لیتے ہیں اور ہر وہ چیز جسے اللہ تعالیٰ نے اس کی خدمت پر لگایا ہوتا ہے وہی اس کی ایذاء کے درپے ہوجاتی ہے وہ اسے دکھ پہنچانے لگتی ہے۔ اسے زندگی اور حیات سے دُور کر دیتی ہے اور اسے نور سے کھینچ کر اندھیروں میں لے جاتی ہے، اسے خدا تعالیٰ کی رضا کی جنتوں میں داخل نہیں ہونے دیتی بلکہ شیطان کے پیچھے لگا دیتی ہے اور جہنم کی طرف اس کا منہ کر دیتی ہے۔ جسمانی دکھ اور تکالیف ہوں یا روحانی طور پر ناکامیاں اور نامرادیاں ہوں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور منشاء اور اس کے بنائے ہوئے قانون کے مطابق ہی ہوتے ہیں......(غرض) تمام اشیاء مضرت اسی وقت پہنچاتی ہیں جب اللہ تعالیٰ کا اذن مضرت پہنچانے کا ہو اور تمام نفع مند چیزوں سے انسان صرف اس وقت نفع حاصل کر سکتا ہے جب اللہ تعالیٰ کا بھی منشاء ہو کہ وہ ان سے نفع حاصل کرے۔ اس لئے خدا سے یہ دعا کرو کہ اے ہمارے ربّ! مضرتوں سے ہماری حفاظت کر، نفع ہمیں پہنچا، ہماری نصرت اور مدد کو آ اور ہمیں اپنی رحمتوں سے نواز۔ یہ دعا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہاماً سکھائی گئی ہے......



آپؑ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس دعا کو پڑھتا رہے گا وہ ہر ایک آفت سے محفوظ رہے گا۔"

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی 30 مئی 1986ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا:

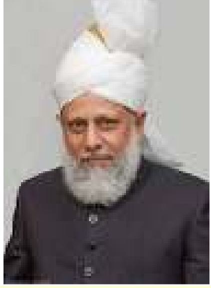
"اللہ تعالیٰ نے ایک رات مجھے بار بار مسلسل اس دعا کی طرف متوجہ فرمایا:

رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِي وَانْصُرْنِي وَارْحَمْنِي۔

......اور یہ نظارہ بار بار میں دیکھتا رہا کہ ابھی کچھ آفات جماعت کے سامنے باقی ہیں۔ ان آفات کو ٹالنے کے لئے میں مختلف دعائیں کرتا ہوں اور کچھ اثر پڑتا ہے اور پھر بھی وہ باقی رہتی ہیں۔ پھر میری توجہ اس طرف مبذول ہوتی ہے کہ

رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ

کی دعا کرنی چاہیے اور جب میں یہ دعا کرتا ہوں تو جس طرح تیزاب سے زنگ ڈھل جاتا ہے یا صبح صادق سے اندھیرے ڈُھل جاتے ہیں اسی طرح وہ آفات بالکل زائل ہوجاتی ہیں اور ان کا کوئی نشان باقی نہیں رہتا۔"



سیّدنا امیرالمومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی ایک سے زیادہ بار اس الہامی دعا کو پڑھنے کے حوالہ سے احباب جماعت کو یاددہانی کروائی ہے۔ چنانچہ 3؍اکتوبر 2008ء کے خطبہ جمعہ میں حضورِ انور ایدہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

"چند دن پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ دشمن کا کوئی منصوبہ ہے، تو مَیں اس کو حملے سے پہلے ہی بھانپ لیتا ہوں اور اس وقت میں یہ دعا پڑھ رہا ہوں کہ

رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِي وَانْصُرْنِي وَارْحَمْنِي۔

اور پڑھتے پڑھتے مجھے خیال آتا ہے کہ اپنے سے زیادہ مجھے جماعت کے لئے دعا پڑھنی چاہیے تو اس میں جماعت کو بھی شامل کروں۔ تو اس حوالے سے میں آپ کو بھی تحریک کرنا چاہتا ہوں کہ احباب جماعت بھی اپنی دعاؤں میں اس دعا کو بھی ضرور شامل کریں، اللہ تعالیٰ ہر شر سے ہر ایک کو بچائے اور جماعت کی حفاظت فرمائے۔"

پس ہمیں چاہیے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور آپؑ کے خلفائے کرام کے ارشادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے (دنیا بھر میں بسنے والے احمدیوں کو شامل کرتے ہوئے) اپنی نمازوں میں اس دعا کا پڑھنا اور دیگر اوقات میں اس کا وِرد کرنا اپنے اوپر لازم کرلیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُس 'کشتیٔ نوح' میں بیٹھنے کی توفیق عطا فرمائے جو آج مامورِ زمانہ کی برکت سے عاجز انسانوں کو عطا فرمائی گئی ہے۔

(اداریہ رسالہ "انصارالدین" یوکے مارچ و اپریل 2020ء)



علمِ تاریخ کی افادیّت اسلامی لٹریچر کی روشنی میں

مولانا دوست محمد صاحب۔شاہد مؤرخ احمدیت



(۱) قرآن مجید اور علم تاریخ

قرآنِ عظیم نے جو ہر قسم کے حقائق و معارف سے لبریز اور تمام سچے علوم کا منبع اور سرچشمہ ہے، اُمتِ مسلمہ کو علمِ تاریخ کی طرف خاص توجہ دلائی ہے چنانچہ فرماتا ہے ۔ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيۡكَ مِنۡهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيۡدٌ۔ (ہود۔ع۹) یعنی ہم نے اس کتاب میں تیرے پاس پچھلی قوموں کے جو حالات بیان کئے ہیں ان میں سے بعض کے آثارِ قدیمہ اب تک موجود ہیں مگر بعض کے نشانات معدوم ہو چکے ہیں۔مورخین کے نزدیک تاریخیں بلحاظ زمانہ دو قسم کی ہیں۔ ایک تاریخ ہسٹارک (HISTORIC) کہلاتی ہے اور ایک پری ہسٹارک ۔ (PRE.HISTORIC) یعنی زمانہ تاریخ سے پہلے کی تاریخ یہی حقیقت قرآن کریم کی اس آیت میں بیان ہوئی ہے۔

علم تاریخ کی ایک شاخ زمانہ تاریخ سے بھی پہلے اور قدیم ترین دور سے تعلق رکھتی ہے جو علم بد، عالم سے موسوم ہوتی ہے اور اصطلاحاً علم الانسان (ETHNOLOGY) کہلاتی ہے۔قرآن حکیم نے اس شاخ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور کھلے الفاظ میں ہدایت فرمائی ہے کہ قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا كَيۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ (عنکبوت ع۲) فرماتا ہے۔ اگر تم کو تخلیق عالم کا کھوج لگانا ہے تو تمہیں دنیا بھر کے تمام ممالک میں پھرنا پڑے گا۔

انسان فطرتاً چاہتا ہے کہ اس کا ذکر رہتی دُنیا تک قائم رہے اور آنے والی نسلیں اس کا نام عزت اور احترام کے ساتھ یاد رکھیں حتٰی کہ ابوالانبیاء سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رب جلیل کے حضور التجائے خاص کی ۔وَاجۡعَلۡ لِّىۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ۔(الشعراء ع۵) الٰہی! مجھے بعد میں آنے والے لوگوں میں ہمیشہ قائم رہنے والی تعریف بخش دے۔اسی طرح حضرت سیدنا نوح،حضرت سیّدنا ابراہیم،حضرت سیّدنا موسیٰ،حضرت سیّدنا ہارون اور حضرت سیّدنا الیاس علیہم السلام کا نام لے کر آتا ہے کہ ہم نے ان کا ذکر خیر بعد میں آنے والی قوموں میں جاری کر دیا(سورہ صافات)خود سرورِ دوعالم نورِ دوعالم خاتم الانبیاء محمد مصطفی ﷺ کو قبل از وقت جناب الٰہی سے یہ بشارت عطا ہوئی کہ وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ(الانشراح)یعنی ہم نے (یارسول اللہ) تیرا ذکر ارض وسما میں بلند کر دیا ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ پیشوایان مذاہب میں سے آپ ہی وہ برگزیدہ اور خدا نما ہستی ہیں جن کی سیرت وسوانح اور شمائل پر وقائع نگاروں نے سب سے زیادہ توجہ دی ہے۔

نٓ وَالۡقَلَمِ وَمَا يَسۡطُرُوۡنَ ۔مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ بِمَجۡنُوۡنٍ۔ وَاِنَّ لَكَ لَاَجۡرًا غَيۡرَ مَمۡنُوۡنٍ(القلم ع۱)

مندرجہ بالا آیات سے جن کا ذکر بطور نمونہ کیا گیا ہے۔ضمنی اور التزامی رنگ میں علم تاریخ کی ضرورت اور افادیت پر بھی تیز روشنی پڑتی ہے۔

(۲)احادیث اور علم تاریخ

قرآن ناطق حضرت محمد مصطفی ﷺ سے مروی ہے کہ جس نے کسی مومن کا تذکرہ لکھا گویا اس نے زندہ کر دیا۔اور جس نے کسی کا تذکرہ پڑھا گویا اس کی زیارت کی۔اور جس نے تذکروں کو زندہ کیا۔گویا اس نے تمام انسانوں کو زندگی بخشی۔ایک اور روایت میں ہے کہ جس نے ایک گروہ کی تاریخ لکھی توقع یہ ہے کہ اس گروہ میں سے جو نیک ہوں گے وہ بدوں کے حق میں شفاعت کریں گے ۔حدیث نبویؐ اذکروا محاسن موتاکم و کفوعن مساویھم (کنوز الحقائق) سے بھی بالواسطہ طور پر تاریخ اور فلسفہ تاریخ کا یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ اسلافِ کی نیکیوں کا ذکر کیا جائے اور

ان کے معائب کے بیان سے حتی المقدور اجتناب کیا جائے کیونکہ بالفاظِ مصلح موعودؓ تاریخی طور پر جب تک آئندہ نسلوں پر یہ اثر نہ ڈالا جائے کہ تمہارے اسلاف کے یہ کارنامے ہیں اور ان کی یہ روایات ہیں۔ اور تمہیں ان روایات کو محفوظ رکھنا ہے۔ اس وقت تک تاریخ کا فائدہ نہیں مرتب ہو سکتا۔‘‘(الفضل ۱۷؍جولائی ۱۹۲۲ء صفحہ ۵)

(۳) بزرگانِ سلف اور علم تاریخ

قرآن اوّل کے فقہاء مجتہدین میں سے حضرت امام شافعی بہت اونچا مرتبہ رکھتے ہیں۔ آپ کا بیان ہے جو تاریخ حفظ کرے گا اس کی عقل ترقی کرے گی۔ اور صلاحیت بڑھے گی۔ مشہور محدث حضرت ابن جوزیؒ نے شذور العقود فی تاریخ العہود‘‘ میں فرمایا ہے کہ تاریخ اور سیرت کے تذکرے قلب کو سکون بخشتے، غم کو دُور کرتے اور عقل کو بیدار کرتے ہیں۔ حضرت ابوالحسن علی ظافرین حسن الازدیؒ اخبار الدول الاسلامیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ تاریخ کے فوائد بے شمار ہیں اس کی خوبیوں کی کوئی حد نہیں، اس کا مطالعہ کرنے والے کے حصے میں ۱۹ گر ایک طرف آنسو ہوتے ہیں جو عبرت سے بہتے ہیں، تو دوسری طرف فرحت، جو نیک انجام کا ثمرہ ہے۔

حضرت ابواسحٰق ابرہیم بن عبداللہؒ جیسے نامؤفقیہ اور قاضی یہ نظریہ رکھتے تھے کہ تاریخ کا علم ان تمام علوم شرعیہ کا گویا سرپوش ہے جن پر ہمارا مدار ہے۔

ایک بزرگ حضرت ابوالعباس احمد بن علی المیورقیؒ اعمال الاحتمال میں یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو شخص للّٰہی محبت کے ساتھ کسی ولی اللہ کا ذکر تاریخ میں کرتا ہے وہ محشر میں اس بزرگ کا ہم درجہ ہوگا۔ اور جو کسی ولی اللہ کے حالات محبت کی نظر سے مطالعہ کرتا ہے۔ تو گویا اس نے اس مردِ خدا کی زیارت کرلی۔

مندرجہ بالا احادیث و اقوال حضرت علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن السخاویؒ ولادت ۸۳۱ھ وفات ۹۰۲ھ) نے اپنی کتاب اَلِاعْلَان بالتوبیخ‘‘ میں درج کی ہیں۔

(۴) قدیم و جدید مورخین اسلام

اسلام کی برکت سے علم تاریخ کو ایک مستقل اور جداگانہ فن کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اور حضرت عبدالملک بن ہشامؒ (متوفی ۲۱۳ھ) حضرت محمد بن سعدؒ (متوفی ۲۳۰ھ) حضرت ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ (متوفی ۳۱۰ھ) حضرت عبداللہ بن مسلم بن قتیبہؒ (متوفی ۲۷۶ھ) حضرت ابوجعفر احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذریؒ (متوفی ۲۷۹ھ) حضرت ابوالولید محمد حسن بن احمد بن یعقوب الیمانی المعروف بابن حائکؒ (متوفی ۳۳۴ھ) جیسے بلند پایہ، ثقہ وسیع المعلومات اور محتاط مؤرخین نے علمی دُنیا میں اپنی تحقیق و تفحص سے دھوم مچا دی۔ مورخین اسلام میں سے حضرت علامہ محمد بن خلدون (ولادت ۷۳۲ھ وفات ۸۰۸ھ) بین الاقوامی شہرت کے حامل انسان ہیں۔ آپ ہی اسلام کے وہ مایہ ناز فرزند ہیں۔ جنہوں نے مقدمہ تاریخ لکھ کر فلسفہ تاریخ کی بنیاد رکھی۔ اور علمی دُنیا میں انقلاب عظیم برپا کر ڈالا۔ آ نے جزوی واقعات سے نتائج کلیہ نکالے، قوموں کے اسباب عروج و زوال پر محققانہ بحث کی اور مستقبل کے وقائع نگاروں کو تاریخ کے صحیح استعمال کا طریق بتایا۔ یورپ کی تاریخ نویسی کا جدید طرز تحریر دراصل حضرت علامہ ابنِ خلدون کے پیش کردہ فلسفۂ تاریخ ہی کا رہین منّت ہے۔ (بحوالہ یورپ پر اسلام کے احسان‘‘ از ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق)

قوموں کے سیاسی، علمی، مذہبی، قومی اور جنگی واقعات کو آئندہ نسلوں کی راہنمائی اور عبرت و بصیرت کے لئے محفوظ کرنا علم تاریخ کا اصل موضوع ہے اور مسلمان مؤرخین نے اس موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ شمس الدین محمد ابن قیم جوزیہؒ کی زاد المعاد‘‘ حضرت غیاث الدین محمد بن حمید الدین خوندہ میرؒ کی روضۃ الصفا کامل‘‘ حضرت شمس الدین ابن خلکان کی ’’دفیات الاعیان‘‘ حضرت محمد قاسم فرشتہؒ کی تاریخ فرشتہ‘‘ حضرت علی بن برہان الدین حلبیؒ کی انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون‘‘ حضرت شیخ نورالدین علی بن احمد سمہودیؒ کی ’’خلاصۃ الوفافی اخبار دارالمصطفیٰ‘‘ حضرت قاضی حسین بن محمد دیار بکریؒ کی تاریخ الخمیس‘‘ حضرت ابوعبداللہ یاقوت حمویؒ کی ’معجم البلدان‘‘ وغیرہ بیسیوں تواریخ اس حقیقت پر شاہد ناطق ہیں۔ مشہور فرانسیسی محقق ڈاکٹر گستاؤلی بان (Bon.G.LE) نے اپنی کتاب ’’تمدن

عرب (Civilization Desaarabes) میں مورخین اسلام میں سے سعودیؒ ابوالفرجؒ، مقریزیؒ اور ابولفداؒ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور ان کے تحقیقی اور علمی کارہائے نمایاں کو سراہا ہے۔ نیز اعتراف کیا ہے کہ اگر تاریخ میں سے عربوں کا نام نکال دیا جاتا تو یورپ کی علمی نشاۃ ثانیہ کئی سو سال پیچھے ہٹ جاتی۔ ایک اور مغربی مفکر بریفالٹ لکھتے ہیں کہ جس روشنی سے چراغ تہذیب پھر روشن ہوا اور وہ رومی و یونانی ثقافت کے ان شراروں سے نہیں نکلی تھی جو یورپ کے کھنڈروں میں سلگ رہے تھے بلکہ اسے عرب اپنے ساتھ لائے تھے۔

متاخرین میں سے الشیخ محمد خضری پروفیسر تاریخ اسلامی جامعہ مصری از ہر کی کتاب محاضرات (تاریخ الامم الاسلامیہ) ایک اہم کتاب ہے۔ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ”خضری تاریخ میں بہت الاعلیٰ درجہ کا انسان ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا ہے کہ میں اور مسیح ایک جوہر کے دو ٹکڑے ہیں اسی طرح ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا اور خضری کا دماغ دونوں ایک ہیں ۔“ (الفضل ۱۷؍جولائی ۱۹۲۲ء صفحہ ۵)

آنحضرت ﷺ کے مبارک دور کی تاریخ لکھنے والوں میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کا مقام بہت بلند ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے آپ کی تصنیف ”سیرت خاتم النبیین“ پر یہ بیش قیمت رائے دی کہ:۔

”میں سمجھتا ہوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی سیرتیں شائع ہو چکی ہیں ان میں سے یہ بہترین کتاب ہے۔ اس تصنیف میں ان علوم کا بھی پرتو ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ حاصل ہوئے اس کے ذریعے انشاء اللہ اسلام کی تبلیغ میں بہت آسانی پیدا ہو جائے گی۔“

غیر از جماعت علمی شخصیتوں میں سے مولانا سید سلیمان ندوی، شاعرِ مشرق ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال، سر محمد شفیع یا سر سٹرایٹ لارا۔ نواب اکبر جنگ بہادر ہائی کورٹ حیدرآباد دکن نے اور رسائل و اخبارات میں سے ”المعارف (اعظم گڑھ یو پی۔) آگرہ اخبار آگرہ) اور میونسپل گزٹ لاہور) نے اس تالیف پر شاندار تبصرے کئے۔



(۵) حضرت بانی جماعت احمدیہ علیہ السلام اور علم تاریخ

قرآن و حدیث اور اکابر امت کے ارشادات اور قدیم و جدید مسلم مؤرخین کا بطور مثال تذکرہ کرنے کے بعد اب میں مختصراً بتاتا ہوں کہ بانی جماعت احمدیہ علیہ السلام اور آپ کے مقدس خلفاء نے بھی علم تاریخ کی ضرورت و افادیت پر کتنی واضح روشنی ڈالی ہے۔ اس تعلق میں سب سے پہلے میں حضرت بانی جماعت احمدیہ کی مقدس تحریرات پیش کرتا ہوں۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:۔

”بسا اوقات علم تاریخ سے دینی مباحث کو بہت کچھ مدد ملتی ہے۔ مثلاً ہمارے سید و مولا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی ایسی پیشگوئیاں ہیں جن کا ذکر بخاری و مسلم وغیرہ کتب حدیث میں آچکا ہے اور پھر وہ ان کتابوں کے شائع ہونے سے صدہا برس بعد وقوع میں آگئی ہیں۔ اور اس زمانے کے تاریخ نویسوں نے اپنی کتابوں میں ان پیشگوئیوں کا پورا ہونا بیان کر دیا ہے۔ پس جو شخص اس تاریخی سلسلہ سے بے خبر ہوگا وہ کیونکر ایسی پیشگوئیاں جن کا خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہو چکا ہے اپنی کتاب میں بیان کر سکتا ہے۔“

(البلاغ صفحہ ۵)

۲۔ صحیح بخاری ایک عمدہ معلم ہے اس سے پتہ لگتا ہے کہ ہر نبی کے معجزات اس رنگ کے ہوتے ہیں جس کا چرچا اور زور اس کے وقت میں ہو۔“ (الحکم ۲۴؍اپریل ۱۹۰۲ء صفحہ ۷)

۳۔ ”اگر قوی تاریخ اور تواتر بھی رد کرنے کے قابل ہے۔ تو پھر بڑے بڑے عظیم الشان بادشاہوں کے وجود پر کیا دلیل ہوگی؟ یقیناً کوئی نہیں اس سے معلوم ہوا کہ قومی تواتر اور تاریخ کو ہم کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔“ (الحکم ۱۰؍ستمبر ۱۹۰۵ء)

(۶) حضرت خلیفہ اوّلؓ اور علم تاریخ

حاجی الحرمین الشریفین حضرت علّامہ مولانا نوردین بھیروی خلیفۃ المسیح



الاوّل رضی اللہ عنہ نے تاریخ کی اہمیت ایک مختصر سے فقرہ میں کس خوبی سے بیان فرمادی ہے۔فرماتے ہیں:۔

’’جب کسی قوم کو اپنی تاریخ بھول جاتی ہے تو غیرت اُٹھ جاتی ہے۔‘‘ (اخبار’’بدر قادیان ۱۴؍نومبر ۱۹۱۶ء)

جیسا کہ حضرت مسیح موعود ومہدی مسعود علیہ السلام نے ’’آئینہ کمالات اسلام‘‘۔’’فتح اسلام‘‘ ’’سرالخلافہ‘‘۔’’حمامۃ البشریٰ‘‘۔اور ضرورت الامام‘‘ میں تحریر فرمایا ہے۔حضرت مولانا نورالدین اس دور کے بے مثال عالم عبقری زمان، علامہ دوران، عارف علوم الحکم والدین اور جلیل القدر اور جلیل الشان فاضل تھے۔آپ نے ہر ایک فن کی کتابیں بلاد مصر وعرب وشام ویورپ سے منگوا کر ایک نادر کتبخانہ تیار کیا۔اس عظیم الشان کتب خانے میں ۲۰، ۳۰ ہزار کتابیں تھیں ا۔جن میں تاریخ کی کتابوں کا ایک پیش بہا ذخیرہ بھی موجود تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتاب ’’فریاد درد‘‘ کے آخر میں اس کی فہرست دی ہے۔جو درج ذیل کی جاتی ہے۔

’’تاریخ طبری کلاں ۱۴ مجلد، تاریخ ابن خلدون، مجلد تاریخ کامل ابن ایثر ۱۲ مجلد، اخبار الدول قرمانی۔اخبار الاوائل محمد بن شحنہ۔تاریخ ابونصر عتبی ۔نفح الطیب تاریخ علماء اندلس۔مروج الذہب مسعودی۔اثار الادہار ۳ مجلد عجائب الآثار جبرتی۔خلاصۃ الاثر فی اعیان حادی عشر۔فہرست ابن ندیم۔مفاتیح العلوم ۔ الآثار الباقیہ بیرونی ۔ تقدیم البلدان عماد الدین ۔ مراصد اطلاع۔سالک الممالک الفتح القسی۔نزہۃ المشتاق۔مواہب لدینہ۔زرقانی شرح مواہب ۔ زادالمعاد۔سیرۃ ابن ہشام ۔ شفا۔شرح شفا لعلی قاری۔سیرت محمدیہ ادجز السیر۔قرۃ العیون۔سرور المحزون۔مدارج النبوۃ معارج النبوۃ۔سیرۃ حلبیہ۔سیرۃ دحلان ملخص التواریخ۔سیرۃ محمدیہ حیرت۔تنقید الکلام۔مدائع الزہور۔تحفۃ الاحباب۔تاریخ الخلفاء سیوطی تاریخ الخلفاء۔اصابہ فی معرفۃ الصحابہ۔اُسدالغابۃ۔میزان الاعتدال۔ابن خلکان۔تذکرۃ الحفاظ۔لسان المیزان خلاصہ اسماء الرجال۔تقریب التہذیب۔خلاصہ تاریخ العرب۔تاریخ عرب سیدیو۔تاریخ مصر ویونان۔تاریخ کلیسیا۔دینی ودینوی تاریخ۔مسیحی کلیسیا۔تاریخ یونان۔تاریخ چین، تاریخ افغانستان، تاریخ کشمیر۔گلدستہ کشمیر تاریخ پنجاب تاریخ ہندوستان الفنسٹن تاریخ ہند ذکاء اللہ۔ایضاً جدید۔وقائع راجپوتانہ۔تاریخ غوری وخلجی۔عجائب المقدور تاریخ مکہ۔رحلہ بیرم۔صلوٰۃ الاعتبار۔رحلہ ابن بطوطہ ۵ مجلد رحلہ الصدیق۔رحلہ الوسی رحلہ احمد فارس۔رحلہ شبلی۔خلفاء الاسلام۔تاریخ نہر زبیدہ۔تاریخ بنگال مناقب خدیجہ۔مناقب الصدیق۔مناقب اہل بیت ۔مناقب الخواتین۔رحلہ برنیر۔تاریخ بیت المقدس۔الیانع الجنی۔تذکرہ ابوریحان المشتبہ من الرجال۔بدایۃ القدماء۔فتوح بہنا۔جغرافیہ مصر فتوح الیمن۔فتوح الشام۔معجم البلدان۔تاریخ الحکماء۔سیرۃ النعمان۔حیاۃ اعظم۔خیرات الحسان۔حسن البیان۔مناقب الشافعی۔قلائد الجواہر۔اخبار الاخیاء ۔تذکرۃ الابرار۔گذشتہ وموجودہ تعلیم۔تاریخ علوی۔تذکرۃ الاولیاء۔طبقات کبریٰ اتحاف النباء۔التاج المکلل۔طبقات الادباء۔طلائع المقدور ابجد العلوم۔عمدۃ التواریخ آئینہ اودہ واقعات شجاع نفحات الانس۔سوانح محمد قاسم۔مولوی فضل الرحمن۔بستان المحدثین۔تراجم حلقیہ۔گلابنامہ تاریخ حصار۔تاریخ بہاولپور تاریخ سیالکوٹ۔تاریخ نحات۔تاریخ پٹیالہ۔تاریخ روسیہ تاریخ لاہور۔روز روشن۔شمع انجمن۔صبح گلشن۔تذکرۃ الشعراء دولت شاہی۔ترجمان وہابیہ۔تاریخ الحکماء۔یادگار خواجہ معین الدین چشتی۔تقدیم اللسان تزکِ تیموری‘‘(فریاد درد)

اس فہرست پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بھی بآسانی پتہ چل سکتا ہے کہ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کو علم تاریخ سے کتنا شغف تھا۔اور یہ کہ آپ کے نزدیک اس اسلامی فن کی کتنی زبردست اہمیت تھی۔

چہ خوش بودے اگر ہر یک زامت نوردیں بودے۔



(۷) حضرت مصلح موعودؓ اور علم تاریخ

حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ نے اپنی کتابوں اور خطبات میں

علم تاریخ کے موضوع پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے آپ کا معرکتہ آلاراء لیکچر تاریخ اسلام کا ایک زندہ جاوید شاہکار ہے۔جس کو بلند علمی حلقوں میں عرصہ سے سند قبولیت حاصل ہے یہ لیکچر ۲۶ فروری ۱۹۱۹ء کو مارٹن ہسٹاریکل سوسائٹی اسلامیہ کالج لاہور کے زیر اہتمام حبیبیہ ہال میں ہوا تھا۔اور برصغیر پاک وہند کے مشہور تاریخ دان سید عبدالقادر صاحب کی صدارت میں پڑھا گیا تھا۔سید صاحب موصوف نے اس لیکچر پر خراج تحسین ادا کرتے ہوئے فرمایا:۔

''میں نے بھی کبھی تاریخی اوراق کی ورق گردانی کی ہے۔۔۔۔ مجھے خیال تھا کہ اسلامی تاریخ کا بہت سا حصہ مجھے بھی معلوم ہے اور اس پر میں اچھی طرح رائے زنی کرسکتا ہوں۔لیکن اب جناب مرزا صاحب کی تقریر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ میں ابھی طفل مکتب ہوں۔''

اس محققانہ اور فاضلانہ تقریر کی اشاعت پر انہوں نے یہ گرانقدر رائے لکھی۔

''میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ کیا مسلمان اور کیا غیر مسلمان بہت تھوڑے مورخ ہیں جو حضرت عثمانؓ کے عہد کے اختلافات کی تہہ تک پہنچ سکے ہیں۔ اور اس مہلک اور پہلی خانہ جنگی کی اصل وجوہات کو سمجھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔حضرت مرزا صاحب کو نہ صرف خانہ جنگی کے اسباب سمجھنے میں کامیابی ہوئی ہے بلکہ انہوں نے نہایت واضح اور مسلسل پیرائے میں ان واقعات کو بیان فرمایا ہے۔جن کی وجہ سے ایوان خلافت مدت تک تزلزل میں رہا۔میرا خیال ہے ایسا مدلل مضمون اسلامی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے احباب کی نظر سے پہلے کبھی نہیں گزرا ہوگا۔''

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے تاریخ اسلام کے اس نہایت درجہ پر پیچ دور کے دبیزی پردوں کو اٹھانے اور اصل حقائق تک پہنچنے کی راہ کیسے دکھائی؟ یہ ایک نہایت معلومات افزا اور ایمان پرور بات ہے جس کی تفصیل حضور ہی کے الفاظ مبارک میں لکھتا ہوں۔فرماتے ہیں:۔

''میں نے اس لیکچر میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ بات کہ اسلام میں فتنوں کا موجب حضرت عثمانؓ اور بڑے بڑے صحابہؓ تھے بالکل جھوٹ ہے۔اس لیکچر کے سلسلہ میں میں نے زیادہ تر طبری کو مدنظر رکھا ہے۔طبری نے یہ اصول رکھا ہے کہ وہ ایک ایک واقعہ کی پانچ پانچ سات سات روایات دے دیتا ہے میں نے دیکھا کہ ان میں سے وہ کونسے واقعات ہیں جن کی ایک زنجیر بن سکتی ہے۔ان واقعات کو میں نے لیا اور باقی کو چھوڑ دیا۔کیونکہ ایک طرح کی زندگی میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔اگر ایک سال ایک کام معاویہؓ کررہے ہوں۔اگلے سال وہ کام عمروؓ بن عاص کررہے ہوں اور اگلے سالوں میں وہی کام پھر معاویہؓ سے منسوب ہو تو درست بات یہی ہوگی کہ وہ کام دوسرے سال بھی معاویہ ہی کررہے تھے۔حضرت عمروؓ بن عاص کا نام غلطی سے آ گیا ہے۔اس اصول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے۔کہ صحابہؓ سے بعض غلطیاں اے ہوئیں یا حضرت علیؓ کے متعلق بعض واقعات بیان کئے جاتے ہیں اے وہ سب غلط ہیں۔گویا یہاں علم النفس میرے کام آیا۔یا اگر ایک شخص کے متعلق ایک سال بعض واقعات بیان کئے جاتے ہیں دوسرے سال بھی بعض واقعات بیان کئے جاتے ہیں تو ہمیں وہی واقعات درست ماننے پڑیں گے جو ایک کڑی اور زنجیر بنادیں۔رحمدل اور سنگدل یا پارسا یا عیاش آدمی جمع نہیں ہوسکتے مثلاً ایک آدمی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ رحمدل ہے اور اکثر واقعات اس کی رحمدلی پر دلالت کرتے ہیں اگر اس کے متعلق بعض ایسی روایات آجائیں کہ وہ ظالم تھا تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ اسے ظالم بتانے والی روایات غلط ہیں کیونکہ رحمدلی اور ظلم جمع نہیں ہوسکتے۔۔۔۔پس جب تاریخ کے ساتھ علم النفس مل جاتا ہے تو وہ اسے قطعی اور یقینی بنادیتا ہے''(الفضل ۲ ردسمبر ۱۹۵۵ء صفحہ ۳۔۴)

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے اس لیکچر کے آغاز میں مطالعہ تاریخ کی افادی حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بنیادی نکتہ بیان فرمایا ہے:۔

''اقوام کی ترقی میں تاریخ سے آگاہ ہونا ایک بہت بڑا محرک ہوتا ہے اور کوئی ایسی قوم جو اپنی گذشتہ تاریخی روایات سے واقف نہ ہو کبھی ترقی کی طرف قدم نہیں مار سکتی اپنے آباؤ اجداد کے حالات کی واقفیت بہت سے اعلیٰ مقاصد کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔''

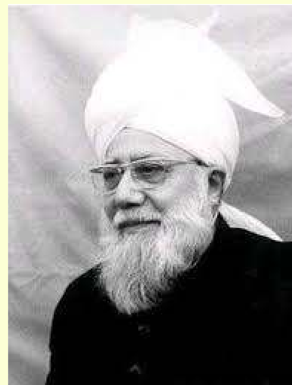
حضور نے اس معلومات افزاء لیکچر کے علاوہ بعض اور تاریخی تصانیف بھی

سپرد قلم فرمائیں اور انتہائی موثر اور سلیس انداز میں بہت سے تاریخی واقعات بیان فرمائے جن کو اگر ایک خاص ترتیب اور سلیقہ سے مرتب کیا جائے تو تاریخی معلومات کا ایک مختصر مگر حد درجہ مفید اور گرانقدر انسائیکلو پیڈیا تیار ہوسکتا ہے۔

سیدنا حضرت امیر المومنین المصلح الموعودؓ کا ایک بے نظیر کارنامہ یہ ہے کہ آپ کی روحانی توجہ نگرانی رہنمائی اور دعاؤں سے تاریخ احمدیت کی تدوین وتصنیف کی بنیاد رکھی گئی جس کی تیرہ جلدیں محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے منظر عام پر آچکی ہیں۔ اور چودھویں جلد بتوفیقہ البعونہ تعالیٰ زیر ترتیب ہے
۔

حضورؓ کو تاریخ سلسلہ کے بارے میں ہمیشہ فکر دامنگیر رہتی تھی۔ چنانچہ آپ نے اپنے عہد مبارک میں چھپنے والی تاریخ احمدیت کی ہر جلد پر اس کی اشاعت میں احباب جماعت کو حصہ لینے کی مسلسل تلقین فرمائی۔ بلکہ خاص طور پر ''تاریخ احمدیت'' کے لئے ۴ ردسمبر ۱۹۶۳ء کو جماعت احمدیہ کے نام ایک خصوصی پیغام دیا۔ جس میں ارشاد فرمایا:۔

''میں تو یہ بھی تحریک کروں گا۔ کہ جماعت کے وہ مخیر اور مخلص دوست جو سلسلہ کے کاموں میں ہمیشہ ہی نمایاں حصہ لیتے رہے ہیں تاریخ احمدیت کے مکمل سیٹ اپنی طرف سے پاکستان اور ہندوستان کی مشہور لائبریریوں میں رکھوادیں تا اس صدقہ جاریہ کا ثواب قیامت تک ملتا رہے اور وہ اور ان کی نسلیں اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی وارث ہوتی رہیں۔''



(۸) حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ اور علمِ تاریخ

ہمارے موجودہ امام ہمام فاتح الدین حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بھی اپنے بابرکت دور خلافت کے آغاز سے اب تک متعدد بار تاریخ احمدیت کے سلسلہ میں مخلصین جماعت کو ان کی قومی ذمہ داریوں کی طرف نہایت حسین اور دلنواز پیرائے میں توجہ دلا چکے ہیں۔ حال ہی میں حضور پرنور نے خاص طور پر اپنے ایک تازہ خطبہ جمعہ میں مخلصین جماعت احمدیہ کو مطالعہ تاریخ کی نہایت پرزور تحریک فرمائی ہے کہ:۔

''تاریخ کا جاننا اور خصوصاً اپنی تاریخ کا جاننا ہم سب کے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ کسی انسان اور کسی جماعت کی زندگی اپنے ماضی سے کلیۃً منقطع نہیں ہوتی مجھے یہ احساس ہے کہ بہت سے احمدی گھروں میں سلسلہ کی تاریخ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کے واقعات دوہرائے نہیں جاتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں بعض جگہ خود ان واقعات کی تصویر کھینچی ہے ان واقعات کو بچوں کے سامنے دہرانا چاہیئے۔ جماعت کی مخالفت میں دنیا کو اسی سال ہوگئے ہیں اور جماعت کو اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضلوں کو حاصل کرکے ہوئے اسی سال ہوگئے ہیں اور ان کوششوں کو بھی اسی سال ہوگئے ہیں جو جماعت کو مٹانے میں لگی ہوئی ہیں اور ان ناکامیوں کو بھی اسی سال ہوگئے ہیں۔ جو ہر روز ان مخالفانہ حرکتوں کے نصیب میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ ہماری یہ ایک معمور تاریخ ایک کامیاب تاریخ ہے۔''

(الفضل ۱۰ روفا ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۰ رجولائی ۱۹۷۳ء صفحہ ۳-۵)

اسی سلسلہ میں حضور نے یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ:۔

''اب اگلی نسل کو سنبھالنے کا وقت آگیا ہے چھوٹے بچوں کو ایک ایک دودو چھوٹے چھوٹے واقعات ایسے رنگ میں سمجھائے جائیں کہ وہ سمجھ جائیں اور چوتھی اور پانچویں اور اس سے بڑی جماعت والے بچوں کے لئے ان واقعات پر مشتمل کتابیں شائع ہونی چاہئیں۔''

(۹) تحریک کا روحانی پس منظر

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی مندرجہ بالا تحریک کی عظمت واہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم اس کے روحانی پس منظر پر غور کرتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ بانیٔ تحریک احمدیت علیہ السلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین فرزند جلیل اور مہدی معہود ہیں جن کو رب کعبہ نے آسمانی نشانات ودلائل اخلاق اور دعا کے ذریعہ اسلام اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی عالمگیر روحانی حکومت قائم کرنے کے لئے اور ہر دل پر قرآن مجید کے جھنڈے گاڑنے کے لئے کھڑا کیا اور جماعت احمدیہ آنحضرتؐ کے

خادموں و عاشقوں کی وہ موعود جماعت ہے جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے وَاٰخَرِیْنَ مِنْھُمْ (الجمعہ) کی آیت میں دی اور جس کی تاریخ کا خلاصہ مخبر صادق صلے اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا کہ:۔

اِنَّہٗ سَیَکُوْنَ فِیْ اٰخِرِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ قَوْمٌ لَّھُمْ مِثْلُ اَجْرِ اَوَّلِھِمْ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (بیہقی)

میری امت کے آخر میں ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جن کو اس امت کے پہلوں جیسا اجر ملے گا وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجالانے والی ہوگی۔

اسی ''قوم'' کی نسبت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''مثل امتی مثل المطو لا یدری اولہٗ خیر ام اٰخرہٗ''

(مسند احمد بن حنبل طبرانی الکبیر۔مسند ابی یعلی بحوالہ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۳۱)

پھر فرمایا۔ وددت لوانی لقیت اخوانی الذین اٰمنوابی ولم یرونی۔'' (مسند احمد بن حنبل بحوالہ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۳۱)

میری تمنا ہے کہ کاش میں ان بھائیوں کو مل سکتا جو مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا نہیں ہوگا۔اسی طرح دور آخر میں اپنے ان چاکروں اور غلاموں کی عاشقانہ کیفیت کا نقشہ یوں کھینچا:۔

''اَشَدُّ امّتی لی حبا قوم یکونون بعدی یود احدھم انہ فقد اھلہ ومالہ وانہ رانی۔'' (مسند احمد بن حنبل بحوالہ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۳۱)

میری امت میں سے اس ''قوم'' کو مجھ سے غایت درجہ محبت ہوگی جو میرے بعد آئے گی اور جس کا ہر ایک فرد چاہے گا کہ کاش وہ اپنے اہل و مال کی قربانی دے کر میری زیارت کا شرف حاصل کر سکتا۔

(۱۰) جماعت احمدیہ کے بے نظیر تاریخی کارنامے

خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے صدیوں بعد پیدا ہونے والے اپنے خدام وعشاق کی نسبت جو پیشگوئی فرمائی وہ حرف بحرف درست ثابت ہو رہی ہے اور جماعت احمدیہ کی دین مصطفیٰ کی خاطر جانی و مالی قربانیاں اس کی ناقابل تردید عملی سعادت ہیں چنانچہ عاشق رسول حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں:۔

''کیا یہ عجیب بات نہیں کہ جب کہ کالجوں کے طالب علم اور تعلیم جدید کے دلدادہ دین سے بکلی متنفر ہیں اور دین کو صرف سیاسی اجتماع کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔حضرت اقدسؑ کے ذریعہ سے ایک ایسی جماعت کو تعلیم یافتہ لوگوں کی تیار ہوئی ہے اور ہو رہی ہے کہ جس کی سجدہ گاہیں آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہیں اور جس کے سینے آہ و بکا کی آواز سے ہنڈیا کی طرح کھولتے ہیں اور جو اشاعت اسلام اور اعلائے کلمہء اسلام کو تمام سیاسی ترقیات اور حصول جاہ پر مقدم کر کے ماسوا کو اس پر قربان کر رہی ہے۔ان میں سے بہت دنیا کما سکتے ہیں۔مگر خدا کے دین کو کمزور دیکھ کر اور علمی جہاد کی ضرورت محسوس کر کے تمام امنگوں پر لات مار کر دین کی خدمت میں لگ گئے ہیں اور قلیل کو کثیر پر ترجیح دے رہے ہیں اور فاقہ کشی کو سیر شکمی سے زیادہ پسند کرتے ہیں ان کی زبانوں پر اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے اور ان کے دلوں میں اللہ اور اس کے رسول کی محبت ہے اور ان کے اعمال اللہ اور ان کے چہروں سے اللہ اور اس کے رسول کا عشق ٹپک رہا ہے۔

''انہوں نے خدا کے حکم اور اسلام کے مفاد کو اپنے خیالات پر ترجیح دی۔اور زمانہ کے اثرات سے متاثر ہونے سے انکار کر دیا اور خود اپنے گلوں میں اطاعت کی رسی ڈال لی۔اور خوشی سے اس امر کے لئے تیار ہو گئے کہ اسلام کی بہتری کو مدنظر رکھ کر جس طرف اور جدھر بھی وہ ہاتھ اشارہ کرے جس پر وہ جمع ہو گئے ہیں وہ بلا عذر اور بلا حیلہ ادھر کو چل پڑیں گے اور کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے اور کسی تکلیف کو خیال میں نہیں لائیں گے اور یہی نہیں کہ انہوں نے منہ سے یہ اقرار کیا ہے بلکہ عملاً اسی طرح کر کے دکھایا۔اور اس وقت ان میں سے کئی اپنے وطنوں سے دور اپنے بیوی بچوں سے دور روپے کے لئے نہیں بلکہ سخت مالی اور جانی تکلیف اٹھا کر خلیفہ وقت کی اطاعت میں اشاعت اسلام کر رہے ہیں اور بہت ہیں جو اس انتظار میں ہیں کہ کب ان کا حکم ملتا ہے کہ تا وہ بھی سب دنیاوی طاقتوں کو توڑ کر خدا کے جلال کے اظہار کے لئے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوں۔مِنْھُمْ مَّنْ قَضٰی نَحْبَہٗ وَمِنْھُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ عَنَّا اَحْسَنَ الْجَزَآء وہ خدا کے لئے

مارے جاتے ہیں اوران کو گالیاں دی جاتی ہیں اور حقیر سمجھا جاتا ہے مگر وہ یہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں کیونکہ ان کے دل منور ہو گئے اور ان کی باطنی آنکھیں کھل گئیں۔اورانہوں نے وہ کچھ دیکھ لیا جو دوسروں نے نہیں دیکھا وہ ماریں کھاتے ہیں مگر دوسروں کی خیر خواہی کرتے ہیں ذلیل کئے جاتے ہیں لیکن دوسروں کے لئے عزت چاہتے ہیں۔

''وہ کون ہے جو اس وقت اسلام کی حفاظت اور اس کی اشاعت کے لئے امریکہ میں تن تنہا لڑ رہا ہے اور گو ایک وسیع سمندر میں ایک بلبلہ کی طرح پڑا ہوا ہے۔مگر اس کا دل نہیں گھبراتا۔''

''وہ کون ہیں جو انگلستان میں اشاعت اسلام کر رہے ہیں ------ مغربی افریقہ کا ساحل جہاں مسیحیت نے اپنے پاؤں پھیلانے شروع کئے تھے۔اور لاکھوں آدمیوں کو مسیحی بنالیا تھا اور ایک آدمی کی پرستش کے لئے لوگوں کو جمع کیا جارہا تھا وہاں کون واحد خدا کے نام کو بلند کرنے کے لئے گیا اور شرک کی توپ کے آگے سینہ سپر ہوا۔

''کس نے ماریشس کی طرف توجہ کی اور اس ایک طرف پڑے ہوئے جزیرے کے باشندوں کو زندگی بخشنے کا کام اپنے ذمہ لیا کس نے لٹکا کو جو نہایت ہی قدیم تاریخی روایات کا مقام ہے جا کر اپنی آواز سے چونکا یا کون روس اور افغانستان کے لوگوں کو زندگی بخشنے کے لئے گیا۔-----اگر اس جماعت کے افراد میں نئی زندگی پیدا نہیں ہوئی تو انہوں نے دنیا کے نقشہ کو کس طرح بدل دیا۔اور تن تنہا ملکوں کا مقابلہ کرنے کی ان میں جرأت کیونکر پیدا ہوئی اور کس امر نے ان کو مجبور کیا کہ وہ وطن سے بے وطن ہو کر دنیا میں دھکے کھاتے پھریں۔کیا ان کے ماں باپ نہیں؟ ان کی بیویاں نہیں۔ان کے بچے نہیں ان کے بھائی نہیں؟ ان کے دوست نہیں! ان کو اور کوئی کام نہیں؟ پھر کس چیز نے ان کو دنیا سے چھڑوا کر دین کی طرف لگا دیا اسی بات نے کہ انہوں نے زندگی کی روح پائی اور مردہ چیزوں کو اس زندہ خدا کے لئے جو سب زندگیوں کا سرچشمہ ہے۔چھوڑ دیا وہ ان میں سما گیا اور وہ اس میں سما گئے فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ''

(دعوت الامیر صفحہ ۲۷۰۔۲۷۳)

مصطفیٰ پر تیرا بے حد ہو سلام اور رحمت

اس سے یہ نور لیا بار خدایا ہم نے
نقش ہستی تیری الفت سے مٹایا ہم نے
اپنا ہر ذرہ تری راہ میں اڑایا ہم نے
کافر و ملحد و دجال ہمیں کہتے ہیں
نام کیا کیا غم ملت میں رکھایا ہم نے

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ سلسلہ احمدیہ کی تاریخ دراصل دور آخر کے ان عشاق محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ہے جن کے ہاتھوں اسلام کی آخری اور عالمگیر فتح اور کفر و الحاد کی فیصلہ کن شکست مقدر ہے۔اور ہماری نئی نسل کا ہم پر حق ہے کہ اسے اس خدا کی قادرانہ تجلیات اور حسین جلووں سے معمور اور زندہ تاریخ سے واقف وروشناس کرائیں اور ان کو مستقبل میں پیش آنے والے اسلامی معرکوں کی کامیاب قیادت کے لئے تیار کردیں۔ وَمَا تَوْفِيْقُنَا اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔

(۱۱) نوجوانان احمدیت کا فرض

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے علم تاریخ اور اس کے مطالعہ کی افادیت وضرورت ایک مسلمہ امر اور واضح حقیقت ہے۔اور اب یہ ذمہ داری فرزندان احمدیت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ علم تاریخ کو اس شان سے اوج کمال تک پہنچادیں کہ ان کے محققانہ کارناموں کی دھاک شرق وغرب پر بیٹھ جائے اور وہ دوسرے علوم کے علاوہ فن تاریخ میں بھی دنیا کے استاد اور امام تسلیم کئے جائیں۔اور اس کی سند (Athority) قرار پائے۔

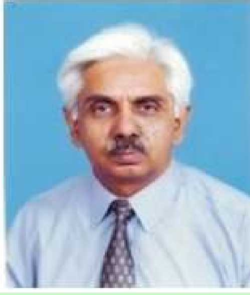
بالآخر دعا ہے کہ علم ودانش کی وہ شاندار عمارت جس کی بنیاد قرآن وحدیث نے رکھی تھی اور جس کو بلند کرنے میں سینکڑوں نہیں ہزاروں مسلم مورخین نے اپنی قیمتی زندگیاں وقف کر دی تھیں دور احمدیت میں ایک بلند وبالا اور سربفلک قلعہ کی شکل اختیار کر جائے اور رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور فدائی اس کی بلند تر اور بسیط تر فضاؤں میں ہمیشہ محو پرواز رہیں۔امین یا ارحم الراحمین۔

(الفرقان اگست ۱۹۷۳ء)



قیام امن عالم قرآنی افکار کی روشنی میں

بشیر احمد طاہر کنساس ۔ امریکہ



اگر ہم ابتدائے آفرینش سے دور حاضر تک تاریخ انسانی پر نظر ڈالیں تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ نسل انسانی اسی وقت مصائب اور مشکلات کا شکار ہوئی ہے جب اس نے قوانین فطرت سے انحراف اور تصادم کی روش اپنائی ہے۔ معاشرے میں بدامنی اور اقوام میں باہمی جنگ وجدال بھی اسی قسم کے انحراف اور تصادم کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ دور حاضر کو اگر قوانین فطرت سے بغاوت کا دور کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ اس دور میں فطری قوانین سے انحراف اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے اور یہ انحراف اکثر وبیشتر تصادم کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ہم انتہائی پیچیدہ اور تباہ کن مسائل سے دوچار ہو چکے ہیں۔

یوں تو یہ مسائل ہر شعبہ زندگی کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں لیکن اس دور کا ایک اہم ترین مسئلہ " جنگ کا خاتمہ اور دنیا میں امن کا قیام" ہے۔ جس قدر خوف وہراس سنگین مسئلے نے ان دنوں پھیلا رکھا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں تھا۔ تباہ کن جوہری جنگی ہتھیاروں کی لامتناہی دوڑ تباہی کے ان خدشات کو شدید سے شدید تر کر رہی ہے۔ انسانی تہذیب بظاہر بام عروج پر پہنچ چکنے کے باوجود ہر لحظہ اس خدشہ میں مبتلا ہے کہ نہ جانے کس لمحے یہ ساری رونقیں خاک بسر ہو جائیں۔

اپنے اصل موضوع پر تفصیلی گفتگو سے پہلے، ہمیں امن کی تعریف اور امن کے تصور کو سمجھنے کی ضرورت ہوگی۔ آیئے اس مقصد کے لئے چند ماہرین کی آراء کا جائزہ لیتے ہیں۔

امن کیا ہے؟ "امن" سلامتی کا ہم معنی لفظ ہے۔ اس کے لئے لاطینی لفظ paxاستعمال ہوتا ہے جس سے مراد جنگ کی عدم موجودگی ہے ۔" لاطینی اصطلاح پیکس [Pax] سے شروع ہونے والے، امن کی وضاحت مثبت معنی اور منفی معنی ۔ دونوں ۔ میں کی جا سکتی ہے۔ مثبت معنوں میں، امن، سکون اور خاموشی کی حالت ہے۔ اس کے بجائے منفی معنوں میں، امن جنگ یا تشدد کی عدم موجودگی ہے۔ سیاسی سطح پر اور بین الاقوامی قانون کے لئے، امن ان لوگوں کی صورتحال اور ان کا باہمی رشتہ ہے جو جنگ نہیں کرتے ۔ یہ، ان معاملات میں، ایک سماجی امن ہے، جہاں افراد کی جماعتوں کے مابین اچھے تعلقات برقرار رہتے ہیں۔"

آزاد دائرۃ المعارف کے مطابق: امن، سماج کی اس کیفیت کا نام ہے جہاں تمام معاملات معمول کے ساتھ بغیر کسی قسم کے پر تشدد اختلافات کے چل رہے ہوں۔ امن کا تصور کسی بھی معاشرے میں تشدد کی غیر موجودگی یا پھر صحت مند، مثبت بین الاقوامی یا بین الانسانی تعلقات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کیفیت میں معاشرے کے تمام افراد کو سماجی، معاشی، مساوات اور سیاسی حقوق وتحفظ حاصل ہوتے ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات میں امن کا دور اختلافات یا جنگ کی صورت حال کی غیر موجودگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

" امن" ایک ریاست، ایک معاہدہ، گروپوں کے درمیان افہام وتفہیم کا عمل ہو سکتا ہے۔ اس دوران، ہم آہنگی، سکون اور عدم تشدد، ان میں سے ہر ایک شکل میں موجود اور واجب خصوصیات ہوں گی جس میں یہ واقع ہوتا ہے۔"

بین الاقوامی قانون میں "امن" کی تعریف کچھ یوں کی جاتی ہے: " بین الاقوامی قانون عام طور پر کسی ایسے معاہدے کا حوالہ دینے کے لیے امن کی اصطلاح استعمال کرتا ہے جو جنگی تنازعات کو ختم کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، ویسٹ فیلیا کا امن۔ کیونکہ امن کے معاہدوں کا نام ہمیشہ اس جگہ کے نام پر رکھنے کا رواج ہے جہاں امن معاہدہ ہوتا ہے۔ ہم آہنگی، سکون اور عدم تشدد کے ساتھ امن کے تعلق کے نتیجے میں، امن عام طور پر اپنے اور دوسروں کے لئے

حاصل اور مطلوبہ مقصد بن گیا ہے۔''

ڈاکٹر اعظمی "امن" کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں: "امن کے لفظی معنی ہیں چین، اطمینان، سکون و آرام نیز صلح، آشتی وفلاح کے۔اسی طرح امن بجائے خود لفظ اسلام میں داخل ہے، جس کے معنی ہیں دائمی امن وسکون اور لازوال سلامتی کا مذہب۔"

خالد رحمانی، امن وترقی میں مذہب کے کردار پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: " دو چیزیں ایسی ہیں جو انسان کے لئے بے حد ضروری ہیں۔اگر یہ دو چیزیں اسے میسر نہ ہوں تو اس کی زندگی بے سکون اور اس کی آرزوئیں نا تمام رہتی ہیں۔وہ دو چیزیں ہیں امن اور ترقی۔اسی لئے اللہ تعالی نے اہل مکہ پر اپنے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں اس لئے بھی رب کعبہ کی عبادت کرنی چاہئے کہ اس نے عرب کے صحرا میں غذائی ضرورت اور کسی حکومت اور لاءاینڈ آرڈر کا انتظام نہ ہونے کے باوجود امن کا بے داغ اور احسن انتظام فرمایا ہے:''پس انہیں چاہئے کہ اس گھر (خانہ کعبہ) کے رب کی عبادت کریں (تا کہ اس کی شکرگزاری ہو)، جس نے انہیں بھوک (یعنی فقر وفاقہ کے حالات) میں کھانا دیا (یعنی رِزق فراہم کیا) اور (دشمنوں کے) خوف سے امن بخشا (یعنی محفوظ و مامون زندگی سے نوازا۔'' (سورۃ القریش: آیات 4۔5) "۔۔۔یاد رہے کہ خوف و دہشت سے حفاظت کا تعلق امن سے اور غذائی اشیاء کی فراہمی کا تعلق ترقی سے ہے۔"

جب ہم 1945 میں جنگ عظیم دوئم کے خاتمے سے اب تک کے عالمی حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ امن کے قیام، ہتھیاروں میں کمی، اور دیتانت (Détente) کے لئے کی جانے والی ساری انسانی کوششیں ابھی تک بے نتیجہ رہی ہیں۔جب کہ انجمن اقوام متحدہ کی تقریباً 78 سالہ مساعی سے بھی اب تک وہ متوقع نتائج برآمد نہیں ہوئے جن کے حصول کی خاطر اس ادارے کا قیام عمل میں آیا تھا بلکہ بعض حالتوں میں اس ادارے کے فیصلوں اور اقدامات نے سرد جنگ اور بین الاقوامی کشیدگی میں کمی کرنے کی بجائے اضافہ کر دیا ہے اور ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کسی بھی لمحے تیسری عالمی جنگ چھڑ سکتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے سنگین حالات کے ہوتے ہوئے بھی انسانیت کو اس تباہی سے بچایا جا سکتا ہے اور نسل انسانی امن وسکون سے زندہ رہ سکتی ہے؟ میرے خیال میں اس کی فقط ایک ہی صورت ہے کہ اگر انسان قوانین فطرت کا احترام کرنا اور ان کے مطابق زندہ رہنا سیکھ لے تو نہ صرف امن کا قیام ممکن ہے بلکہ نسل انسانی بے شمار دوسرے مسائل سے بھی نجات پا سکتی ہے اور یہ جاننے کے لئے کہ فطرت کے تقاضے کیا ہیں اور ہم انہیں کیسے پورا کر سکتے ہیں ہمیں دین فطرت، یعنی اسلام اور اسلامی تعلیمات کے بنیادی ماخذ " قرآن کریم" کی تعلیمات کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔

اسلام اس خالق کائنات کا دیا ہوا دین ہے جس نے انسان کو پیدا کیا اور اس کی دنیوی اور اخروی زندگی کی تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کا سامان بھی فراہم کیا۔اور اسے یہ بتانے کے لئے کہ تم کس طرح اپنی جسمانی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی ضروریات کو پورا کر سکتے ہو ایک عظیم کتاب" قرآن کریم" کی صورت میں اس عظیم الشان انسان پر جسے دنیا حضرت محمد ﷺ کے نام سے جانتی ہے نازل فرمائی اور اس بلند مرتبت انسان نے نہ صرف اس کتاب کے مطابق دنیا بھر میں بسنے والے تمام انسانوں کو تعلیم دی بلکہ وہ خود بھی مجسم قرآن بن گیا اور اپنے عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ اگر نسل انسانی اپنے مسائل کا حل چاہتی ہے تو اسے اپنی جبین نیاز خالق کائنات کے دروازے پر جھکانی ہوگی اور اگر وہ ایسا کر لے تو کرہ ارض امن اور خوشحالی کا گہوارہ بن سکتا ہے۔اور یہ ایک ایسی روشن حقیقت ہے جسے نہ صرف اپنوں نے بلکہ غیروں نے بھی تسلیم کیا ہے۔

جوآن کول (Juan Cole)، امریکہ کی مشی گن یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر ہیں اور مغرب کے ساتھ مسلم دنیا کے تعلقات پر تحقیق کرنے والے ایک ممتاز اسکالر اور مصنف ہیں۔پروفیسر کول نے 28 اکتوبر، 2016 کو امریکہ کی لائبریری آف کانگرس، میں قرآن پر اپنی تحقیق، خاص طور پر امن کے معنی پر مبنی ایک لیکچر دیا۔ جس کا بنیادی موضوع تھا" جدید دنیا میں تشدد، جنگ اور دہشت کے درمیان، امن اور ہم آہنگی کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے؟"۔ان کے لیکچر کے بنیادی نکات کا خلاصہ اردو زبان میں یہاں درج ہے۔

پروفیسر کول نے کہا کہ" قرآن کہتا ہے کہ خدا کے ناموں میں سے ایک نام

"امن" بھی ہے۔ اگر خدا امن ہے، اور اگر محمد ﷺ پر قرآن کا نزول امن ہے، تو اس کتاب میں امن بہت مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔" اپنے لیکچر کا تعارف کرواتے ہوئے انہوں نے کہا: "میرا موضوع، جیسا کہ آپ سب نے سنا ہے، قرآن میں امن اور ہم آہنگی ہے، اور میں جانتا ہوں کہ میں اس موضوع کے ساتھ یہاں تھوڑا سا لہروں کے خلاف تیر رہا ہوں، لیکن مجھے دیکھنا ہے کہ کیا میں آپ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کر سکتا ہوں... امن، سلام، شالوم۔ اس کا تعلق صرف تنازعات کی عدم موجودگی سے نہیں بلکہ فلاح و بہبود، خوشحالی اور پھلنے پھولنے کے احساس سے بھی ہے... یہ ایک مثبت خیال ہے، اور، آپ جانتے ہیں، یہ مشرق وسطی کی ثقافتوں کے لئے بہت مرکزی ہے۔ آپ کسی کو یہ کہتے ہوئے سلام کرتے ہیں،" آپ پر سلام ہو"، اسی طرح آپ کہتے ہیں "ہیلو"۔ یہ دعا کی شکل رکھتا ہے۔ آپ دعا کر رہے ہیں کہ خدا دوسرے شخص کو یہ سکون، یہ ہم آہنگی، یہ خوشحالی دے جب آپ انہیں سلام کرتے ہیں۔"

" آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ قرآن صرف امن پسند دستاویز نہیں ہے۔ اس میں جنگ کے بارے میں بھی اقتباسات ہیں، اس میں امن کے بارے میں بھی اقتباسات ہیں۔ یہ اس سلسلے میں بائبل کی طرح ہے۔ لیکن مجھے واضح طور پر ایسا لگتا ہے کہ جنگ کے بارے میں اقتباسات صرف منصفانہ جنگ کا نظریہ ظاہر کرتے ہیں اور اس لئے جارحانہ جنگ حرام ہے۔ اگر کوئی آپ پر حملہ کرتا ہے تو، آپ کو اپنا دفاع کرنے کی اجازت ہے، اور آپ کو ان سے لڑنا چاہیئے۔ لیکن اگر وہ منصفانہ شرائط پر امن کے لئے مقدمہ یا اپیل کرتے ہیں تو آپ کو اسے تسلیم کرنا ہوگا۔ اگر وہ یہی چاہتے ہیں تو آپ کو ان کے ساتھ امن قائم کرنا ہوگا۔"

" قرآن میں جنت کو ایک قوم یا کمیونٹی کے طور پر تصور کیا گیا ہے۔ جہاں مقیم لوگ ایک دوسرے سے بات کر رہے ہیں۔ وہ ایک دوسرے پر سلامتی کے خواہاں ہیں۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرآن اس جنت کو انسانی زندگی کے لیے نمونہ قرار دے رہا ہے۔ اگر یہ سب سے بڑی بھلائی ہے، اگر جنت کی چوٹی امن ہے، تو یقیناً اگر مومن جنت میں ہیں اور ایک دوسرے کے لئے امن کی خواہش رکھتے ہیں، تو یقیناً قرآن یہاں کے لوگوں کے لئے بھی یہی چاہتا ہے۔ قرآن کے مطابق حتمی مقصد امن ہونا چاہیئے"۔

اسی طرح مشہور مورخ جناب ایڈورڈ گبن نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی پر امن تعلیم کے بارے میں جو لکھتے ہیں: "ہر انصاف پسند آدمی اس حقیقت کا اقرار کرنے کے لیے مجبور ہے کہ قرآن ایک بے نظیر قانون ہدایت ہے۔ اس کی تعلیمات فطرتِ انسانی کے مطابق ہیں اور وہ اپنے اثر کے لحاظ سے ایک حیرت انگیز پوزیشن رکھتا ہے۔ اس نے وحشی عربوں کی زبردست اصلاح کی۔ ہمدردی اور محبت کے جذبات سے ان کے دلوں کو معمور کر دیا اور قتل و خونریزی کو ممنوع قرار دیا۔ یہ اس کا عظیم الشان کارنامہ ہے۔"

انگلستان کے مشہور محقق اور مفکر جارج برنارڈ شا کی ایسی بہت سی آراء کے حوالے وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہتے ہیں جن میں انہوں نے آنحضرت ﷺ کی ذات، اسلامی تعلیمات اور قرآن کریم کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ان میں سے چند ایک کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ انہوں نے اپنی مشہور تصنیف گیٹنگ میرڈ میں لکھا ہے: "نپولین کی طرح، میں بھی محمد (ﷺ) کے مذہب (اسلام) کو ترجیح دیتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ پوری برطانوی سلطنت اس صدی کے اختتام سے پہلے ایک اصلاح شدہ اسلام کو اپنا لے گی۔ محمد (ﷺ) کا کردار میرے لئے پسندیدہ ہے۔ میں ان کی تعریف کرتا ہوں اور زندگی کے بارے میں ان کے خیالات کو کافی حد تک دوسرے لوگوں کے ساتھ شیئر کرتا ہوں۔"

جارج برنارڈ شا نے جنوری 1933 میں دنیا کا دورہ کیا تھا۔ اس دورے کے دوران وہ ہندوستان کے شہر بمبئی بھی آئے تھے۔ ان کے اس دورے کی خبر ہفت روزہ میگزین" دی لائٹ The Light" کے 16 جنوری 1933 کے شمارے میں شائع ہوئی تھی اور ان کی آمد پر اس میگزین کے ایڈیٹر نے ان کا ایک انٹرویو بھی کیا تھا جو 24 جنوری 1933 کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اس انٹرویو میں انہوں نے اسلام کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اس انٹرویو میں باقی باتوں کے علاوہ ان کا ایک مشہور قول بھی شامل ہے جو عام طور پر آنحضرت ﷺ کے حوالے سے سامنے آتا ہے۔

"یعنی زمانہ وسطی کے (متعصب) عیسائیوں کے نزدیک (حضرت) محمد (ﷺ) مسیح (علیہ السلام) کے مخالف تھے۔ میں نے آپ کی زندگی کا

مطالعہ کیا ہے۔ وہ عجیب شان کا انسان ہے اور میری رائے میں وہ ہرگز مسیح (علیہ السلام) کا مخالف نہیں ہے بلکہ انہیں انسانیت کا نجات دہندہ کہنا چاہیئے۔ میرا ایمان ہے کہ اگر ایسا شخص موجودہ زمانہ میں اقتدار سنبھال لے تو وہ موجودہ مسائل ایسے رنگ میں حل کر سکتا ہے کہ دنیا امن اور مسرت سے معمور ہو جائے گی۔"

اسی طرح انگریزی زبان میں شائع ہونے والے ایک میگزین "دی اسلامک ریویو" کے اکتوبر 1950ء کے شمارے میں، اسلام قبول کرنے والے ایک معروف جرمن یہودی ڈاکٹر حامد مارکس کا ایک مضمون "دو دوستوں، ایک مسلمان، دوسرا عیسائی۔ کی اپنی دنیا کو درپیش مسائل پر بحث" کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ یہ پورا مضمون ایک مہمان، ایک مسلمان اور ایک عیسائی کے درمیان مکالمے کی شکل میں ہے۔ آخری پیراگراف میں مہمان، برنارڈ شا اور اسلام کے مستقبل کے بارے میں بات کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ میں گفتگو کا اختتام کرتا ہے:

"یورپ کے سب سے مشہور مصنف اس وقت یقینی طور پر انگریز برنارڈ شا ہیں۔ وہ اپنی کتاب ''گیٹنگ میرڈ'' میں کہتے ہیں کہ اگلے سو سالوں میں اگر کسی مذہب کو انگلستان، نہیں بلکہ یورپ پر حکومت کرنے کا موقع ملے گا تو وہ صرف اسلام ہی ہو سکتا ہے۔ کیا یہ دعویٰ عظیم طنز نگار شا کا مذاق ہے؟ ان کے طنز میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ سچائی ہوتی ہے۔ مذاق اس کی سچائی کا نقاب ہے، اور ساتھ ہی کانٹا بھی، جس کی دردناک خراش اسے متاثر کن بناتی ہے۔ اب وہ کیا چیز ہے جو اسلام میں شا کو متاثر کرتی ہے؟ وہ اسلام کے ساتھ عقل پر ایمان رکھتے ہیں جو انسانیت کے مستقبل کی راہ پر روشنی ہے۔ وہ اس کے ساتھ ترقی کی پر جوش خواہش کا اشتراک بھی کرتے ہیں۔ وہ زبانی جمع خرچ اور ہمدردی کا اظہار کرنے سے نفرت کرتے ہیں، جو محض خوبصورت لفاظی پر مشتمل ہو۔ ان کی کوشش عملی کارناموں کو ظاہر کرنا ہے اور وہ ایک جمہوری اشرافیہ کے حامی ہیں۔ لہٰذا شا اس بات پر گہرا یقین رکھتے ہیں کہ اسلام میں وہ تمام عناصر موجود ہیں جو اسے پوری انسانیت کے مستقبل کا مذہب قرار دینے کے لئے کافی ہیں۔"

اپنوں اور غیروں کے مندرجہ بالا اعترافات اس امر کا واضع ثبوت ہیں کہ قرآن کریم اور اسلام کی حقیقی تعلیم میں آج بھی یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ موجودہ عالمگیر بدامنی اور جنگ کے خطرات کو دور کر کے خوشحال اور پر امن زندگی کو بحال کر سکتی ہے۔

عمرانیات، تاریخ، سیاست اور بین الاقوامی امور کے ماہرین اور تجزیہ کاروں کے مطابق نقص امن اور جنگوں کی اہم وجوہات یہ ہیں:

1۔ معاشرہ میں شر پسند اور فسادی افراد کی موجودگی

2۔ معاشرتی عدم مساوات اور طبقاتی گروہ بندی

3۔ غربت اور معاشی وسائل کی تقسیم میں ناہمواری

4۔ معاشرے میں بنیادی انسانی اور اخلاقی قدروں کا فقدان

5۔ آزادئ اظہار رائے اور مذہبی آزادی کا فقدان

6۔ نظریاتی اور مذہبی اختلافات، فرقہ بندیاں، عدم برداشت، کشمکش اور تصادم

7۔ باہمی معاہدات کا عدم احترام

8۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر عدل وانصاف کا فقدان

9۔ ہوس ملک گیری کی وجہ سے ہونے والی جارحانہ جنگیں اور غیر موثّر اور جانبدارانہ قوانین جنگ

10۔ بین الاقوامی اتحاد اور عالمی معاشرہ کے قیام کے لئے کسی واضع اور موثّر بنیاد کا نہ پایا جانا۔

اس بات کو پیش نظر رکھنا بھی بہت ضروری ہے کہ امن کے بارے میں تحقیق اس کی غیر موجودگی یا تشدد کی وجوہات کا احاطہ بھی کرتی ہے۔ عمومی طور پر امن تباہ کرنے میں معاشرتی عدم تحفظ، سماجی بگاڑ، معاشی عدم مساوات، غیر متوازن سیاسی حالت، قوم پرستی، نسل پرستی اور مذہبی بنیاد پرستی جیسے عوامل بھی شامل ہوتے ہیں۔

قرآن کریم اور اسلام نے امن کے جو اصول پیش کئے ہیں وہ مندرجہ بالا قومی اور بین الاقوامی مسائل کا خاطر خواہ حل پیش کرتے ہیں۔ یہ عالمگیر نوعیت کے ایسے عمومی اصول ہیں جن پر عمل کر کے رفتہ رفتہ مختلف قسم کے اسباب نزاع و بدامنی کا خاتمہ کرنے کے لئے کوشش کی جا سکتی ہے اور ایک پر امن بین الاقوامی معاشرہ قائم کرنے کے لئے راہ ہموار کی جا سکتی ہے۔ قرآن کریم کی قیام امن کے متعلق پیش کردہ تعلیمات کے چند اہم پہلوؤں کا خلاصہ پیش

خدمت ہے۔

1۔اسلام سلامتی اور امن کا دین ہے۔

2۔عقیدہ توحید آفاقی امن اور عالمی معاشرہ کے قیام کی بنیاد بن سکتا ہے۔

3۔اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے سے مساوات انسانی کا قیام اور معاشرتی طبقات کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔

4۔اسلام بنیادی انسانی حقوق کا تعین کرتا ہے اور ان کے تحفظ،فراہمی اور اخلاقی اقدار پر عمل کرنے پر زور دیتا ہے۔

5۔اسلامی اقتصادی نظام کے بنیادی اصولوں پر عمل کرنے سے غربت اور معاشی وسائل کی تقسیم میں ناہمواری کو کم کیا جا سکتا ہے۔اسلام کے اقتصادی نظام میں انسان کی تمام مادی،جسمانی،ذہنی،اخلاقی اور روحانی ضرورتوں کی فراہمی کے اصول اور فلسفہ پر تفصیلی رہنمائی ملتی ہے۔

6۔اسلام آزادیٔ ضمیر،اظہارِ رائے کی آزادی اور مذہبی عقائد اور عبادات کی آزادی جیسے بنیادی حقوق کا تحفظ کرنے پر زور دیتا ہے۔

7۔ اسلام قومی اور بین الاقوامی سطح کے باہمی معاہدات کا احترام اور پابندی کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

8۔اسلام معاشرتی،قومی اور عالمی سطح پر عدل وانصاف کے قیام پر زور دیتا ہے۔

9۔اسلام صرف دفاعی جنگ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔جب کہ اسلامی قانون جنگ جارحانہ جنگوں کو روکنے،جانی اور مالی نقصانات کو کم کرنے اور زیادتی کرنے والے فریق کا محاسبہ کرنے اور صلح جوئی اور قیام امن کے لئے واضح اصول بیان کرتا ہے۔

10۔اسلامی تعلیمات میں موجودہ اقوام متحدہ سے ذرا مختلف اور زیادہ موثّر بین الاقوامی ادارے اور اسلامی سیکورٹی کونسل کے قیام کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔

آئندہ صفحات میں اسلامی تعلیمات کے مندرجہ بالا پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

1۔اسلام سلامتی اور امن کا دین ہے

مسعودہ فرخ

اس جشن تشکر پر بہنو اِک عہد ہمیں دُہرانا ہے
جو علم دیا محمودؓ نے ہم کو وہ اونچا لہرانا ہے
اس پاک جماعت میں آئیں تو ہم لجنہ بنیں، ناصرات بنیں
یہ بات ذہن میں رکھنی ہے، اس نام کا مان بڑھانا ہے
یہ یاد رہے پہلے اپنی نہ قدر تھی نہ ہی وقعت تھی
اب پھر سے ملی ہے جو عزت تو اس کو بڑھاتے جانا ہے
صد شکر ہے کہ محمودؓ نے ہم کو کھوئی عزت لوٹا دی
آقا کی قیادت میں ہم کو اب خولہ بن کر دِکھانا ہے
ملت کے جھلمل تاروں کی قسمت اب اپنے ہاتھ میں ہے
یہ سوچ کے آگے بڑھنا ہے، یہ سوچ کے قدم اُٹھانا ہے
تاریخ گواہ ہے لجنہ نے ہر خیر میں حصہ ڈالا ہے
اس رِیت کو قائم رکھنا ہے، اس کو ہی رِواج بنانا ہے
پُر عزم حیا کی پیکر پر لجنہ کی خلعت سجتی ہے
بے لوث وفا اور قربانی یہ لجنہ کا نذرانہ ہے
آقا کی دعا کے سائے میں نسلوں کی قیادت کرنی ہے
اسلاف سے جو کچھ سیکھا ہے اس کو آگے پھیلانا ہے
تعلیم و ہنر کے ذریعہ ہی اب دِیں کی اشاعت ممکن ہے
قرآن سمجھ کر اس کے نور سے اس جگ کو چمکانا ہے
ہم لجنہ ہیں، ہمیں یاد رہے آقا کی اطاعت لازم ہے
یہی ہمارا مقصد ہو کہ ہم نے رب کو منانا ہے
اس یوم تشکر پر بہنو صد شکر خدا کا کرتے ہیں
اب صلی علی کے ترانے کو ہر گھر کی شان بناتا ہے

اسلام صلح اور آشتی کا مذہب ہے۔"اسلام" کے معانی ہی سلامتی اور امن کے ہیں اور یہ اس ہستی کا نازل کردہ ہے جس کا ایک نام "السلام" ہے۔یعنی یہ اس خدا کی طرف سے ہے جو سلامتی اور امن کا سرچشمہ ہے۔اس لئے اس کی دی ہوئی تعلیم بھی اپنے اندر امن عالم اور صلح عام کا پیغام رکھتی ہے اور ہر قسم کی بد امنی اور فساد کو روکنے کے لئے ہدایات بھی دیتی ہے۔قرآن کریم میں بار بار فساد اور بدامنی کی مذمت کی گئی ہے اور اسے ایک شیطانی فعل قرار دیا گیا ہے اور نسلِ انسانی کو کامل طور پر صلح اور امن کے دائرہ کے اندر داخل ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔چنانچہ مفسد حکام کی مذمت کرتے ہوئے قرآن کریم میں کہا گیا ہے: "بعض وہ لوگ ہیں جب زمین میں حاکم بن جاتے ہیں تو اس میں فساد پیدا کرنے کی نیت سے اور کھیتی باڑی اور مخلوق کو تباہ کرنے کی غرض سے سارے ملک میں دوڑے پھرتے ہیں۔مگر خدا تعالیٰ فتنہ وفساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔" (سورۃ البقرۃ آیت 206)۔

اور اس کے بالمقابل اس امر کا حکم دیتا ہے:"اے مومنو! تم سب کے سب سلامتی کے دائرہ کے اندر داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو۔یقیناً وہ تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے۔" (سورۃ البقرۃ: آیت 209)۔اسی طرح فرماتا ہے:" اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔" (سورۃ الاعراف: آیت 57)۔

اسلامی تعلیم کی یہی خصوصیت ہمیں حضرت نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات میں بھی نظر آتی ہے۔آپ نے مسلمان کی تعریف ہی یہ بیان فرمائی ہے: "مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے لوگ حفاظت اور امن میں رہیں۔" (بخاری: کتاب الایمان)

مختصر یہ کہ اسلامی تعلیم کی بنیادی خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ ان تمام امور کی تلقین کرتی ہے جو دنیا میں امن اور صلح وآشتی کو فروغ دینے کا باعث بنتے ہیں اور تمام ایسے امور سے روکتی جو فتنہ وفساد برپا کرنے کا باعث ہوں۔

2۔عقیدہ توحید آفاقی امن اور عالمی معاشرہ کے قیام کے لئے بنیاد فراہم کرتا ہے

اسلام کا عقیدہ توحید امن عالم اور عالمگیر معاشرہ کے قیام کے لئے بنیادی کلید کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ حقیقی امن اسی وقت قائم ہوسکتا ہے جب کسی ایسی بالا ہستی کو تسلیم کیا جائے جو دنیا میں امن اور سلامتی قائم کرنا چاہتی ہو اور اس کی دی ہوئی تعلیمات امن کے راستوں کی طرف رہنمائی کرکے عالمگیر اخوت اور بھائی چارے کے قیام میں ممد ثابت ہونے والی ہوں۔قرآن کریم ہمیں ایک ایسی ہی ہستی کے بارے میں بتاتا ہے:" خدا تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کی راہوں پر چلتے ہیں سلامتی کی راہوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔" (سورۃ المائدہ: آیت 17)۔اور اسی طرح فرمایا کہ: "اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔" (سورۃ یونس: آیت 26)۔

انبیائے کرامؑ جو دنیا کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوتے رہے ہیں دنیا میں حقیقی اخوت اور محبت کے قیام کی کوشش کرتے رہے ہیں اسی لئے انہیں "امن کے شہزادے" کہا جاتا ہے۔اور سیّدنا محمد ﷺ جو خاتم الانبیاء تھے انہیں خدا تعالیٰ نے "رحمۃ اللعالمین" قرار دیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اور ہم نے تجھے دنیا کے لئے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔" (سورۃ الانبیاء: آیت 108)۔

آپ کی تعلیمات اور آپ کا مشن دائمی اور عالمگیر ہیں۔آپ نے ساری نسل انسانی کو رب العالمین کے آگے سر جھکانے اور خدا پرستی اختیار کرنے کا درس دیا۔اور اگر سارے انسان اس تعلیم پر عمل پیرا ہو جائیں تو ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی قسم کے کینہ اور بغض کو اپنے دلوں میں جگہ دیں بلکہ ان کے دلوں میں تمام مخلوقات کی محبت اور ہمدردی کے جذبات ان کی جگہ لے لیں گے۔اسی بنا پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا:" تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی عیال ہیں اور تمام مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کے پیارے وہ ہیں جو اس کے عیال سے حسن سلوک کریں۔" (مشکوٰۃ: باب الشفقت ورحمت)۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں ایک خدا کے تصور کے بغیر حقیقی بھائی چارے کا تصور بھی ممکن نہیں۔یہی وجہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کو اپنے اختلافات دور کرکے توحید کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی دعوت دیتا ہے چنانچہ یہودیوں اور عیسائیوں کو مخاطب کرکے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:" تو کہہ دے کہ، اے اہل کتاب! تم کم از کم ایک ایسی بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے اور

تمہارے درمیان برابر ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔" (سورۃ آل عمران، آیت 65)۔

اس آیت میں ایک سنہری اصول بیان کیا گیا ہے کہ ہمیشہ اختلافات کو نظر انداز کر کے اصولی امور میں اتحاد کی بنیاد تلاش کرنی چاہیئے۔ تاکہ دنیا میں زیادہ سے زیادہ امن کے مواقع پیدا ہوں اور اختلافات کو کم سے کم کیا جا سکے۔

اسلامی توحید کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ماننے والے اپنے اندر زیادہ سے زیادہ خدائی صفات پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی صفات بلا امتیاز رنگ و نسل، وطن و قوم سب کے لئے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی انسانیت کی بھلائی اور حسن سلوک کا دائرہ وسیع تر اور بین الاقوامی بنیادوں تک پھیلانا ہوگا۔ انسانی نقطہ نگاہ میں اس قدر وسعت سوائے اسلام کے نظریہ توحید کو اپنانے کے کبھی بھی پیدا نہیں ہو سکتی اور اگر یہ وسعت نظر ساری امت مسلمہ میں خصوصاً اور باقی انسانوں میں عموماً پیدا ہو جائے تو نہ صرف امن عالم قائم ہو جائے گا بلکہ ایک آفاقی معاشرہ کے قیام کا دیرینہ خواب بھی شرمندہ تعبیر ہو جائے گا۔

3۔ مساوات انسانی کے قیام اور معاشرتی طبقاتی نظام کے خاتمے کے لئے اسلامی تعلیم

نسل انسانی کی رنگ و نسل، جغرافیائی اور معاشی، معاشرتی، تہذیبی اور ثقافتی بنیادوں پر مختلف طبقات میں تقسیم بھی بہت سی پیچیدگیوں اور مسائل کے پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔ دور حاضر میں نقص امن اور باہمی اختلافات کا ایک بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ بعض اقوام اور طبقات کے لوگ اپنے آپ کو اعلیٰ اور دوسروں کو ادنیٰ اور ہیچ سمجھتے ہیں۔ یہ مرض دنیا کی متمدن اور حقوق انسانی کے تحفظ کے بلند بانگ دعوے کرنے والی اقوام میں بھی اسی طرح پایا جاتا ہے جس طرح پسماندہ قوموں میں۔ مثال کے طور پر ہندوستان میں ذات پات کی بنیاد پر آبادی کی اکثریت ہزاروں سال بدترین ظلم و زیادتی کا شکار رہی ہے اور آج بھی اس کے اثرات باقی ہیں۔ جرمنی میں نازیوں کا احساس تفوق اور دوسری قوموں کے ساتھ ان کا سلوک سب کو معلوم ہے۔ چند دہائیاں پہلے تک جنوبی افریقہ اور بعض دوسرے افریقی ممالک بدترین نسلی (کالے گورے کے) امتیاز کا شکار تھے، جن کی داستانیں سن کر کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔ شاید جور و ظلم کے ان واقعات کو دیکھ کر درندے بھی شرمسار ہوئے ہوں گے۔ آج بھی دُنیا میں نسل پرستی پر مبنی ایک مملکت "اسرائیل" کی شکل میں موجود ہے، جو صرف حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد کو ارض فلسطین کا حقدار سمجھتی ہے۔ حد یہ ہے کہ اسی اُصول پر وہاں کی عدالتیں بھی فیصلے کرتی ہیں۔ اس کے برعکس جب ہم اسلامی تعلیمات پر غور کرتے ہیں تو وہ ہمیں نہ صرف اس بات سے پاک صاف نظر آتی ہے بلکہ اس نے انسانی مساوات کا جو بہترین تصور پیش کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

خالد رحمانی، لکھتے ہیں کہ "اسلام نے مختلف جہتوں سے ایسی قانونی تدبیر کی ہے، جو امن قائم کرنے میں معاون ہو اور ظلم و نفرت کو روکنے کا ذریعہ بن سکے، عام طور پر جو چیز انسان کو ظلم و زیادتی پر آمادہ کرتی ہے، وہ ایک گروہ کا دوسرے گروہ کے مقابلہ میں احساس برتری میں مبتلا ہونا اور دوسرے کو اپنے مقابلہ میں حقیر سمجھنا ہے۔ مختلف ادوار میں دنیا کی مختلف قومیں اس مرض کا شکار رہی ہیں۔ قرآن مجید نے بنیادی طور پر اس فاسد فکر کی نفی کی ہے اور انسانی وحدت کا تصور پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، اس لئے نسلی بنیاد پر نہ کوئی انسان بالاتر ہے اور نہ کوئی کمتر۔ فرمایا: ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہاری پیدائش (کی ابتداء) ایک جان سے کی پھر اسی سے اس کا جوڑ پیدا فرمایا پھر ان دونوں میں سے بہ کثرت مردوں اور عورتوں (کی تخلیق) کو پھیلا دیا۔'' (سورۃ النساء: آیت 2)۔

انسانوں کی گروہی اور قبائلی تقسیم اور معاشرے میں عزت کے معیار کے حوالے سے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: "اے لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو کئی گروہوں اور قبائل میں اس لئے تقسیم کر دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔" (سورۃ الحجرات: آیت 14)۔ ایک اور جگہ فرمایا کہ "اور ہم نے بنی آدم کو بہت شرف بخشا ہے (سورۃ بنی اسرائیل: آیت 71)۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان بحیثیت انسان قابل تکریم و

احترام ہے۔

اسلامی تعلیم کے مطابق فضیلت وشرافت کا معیار اکتسابی چیزوں پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ اتفاقی چیزوں پر، یعنی انسان کا عمل، اس کی بہتر کوششیں، اس کے اچھے کارنامے اور اس کے بلند اخلاق اور تقویٰ کا اعلیٰ معیار، وجہِ فضیلت ہیں، نہ کہ یہ بات کہ وہ اتفاق سے کسی بڑے خاندان، کسی خاص نسل یا کسی علاقہ میں پیدا ہو گیا ہو جس میں خود اس کے ارادہ واختیار اور جدوجہد کو کوئی دخل نہیں تھا۔

قرآن کریم رنگ ونسل کی تفریق کو امن کے لئے خطرہ قرار دیتا ہے اور دوسروں کی تحقیر کرنے سے روکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: "اے مومنو! کوئی قوم کسی دوسری قوم سے اسے حقیر سمجھ کر ہنسی مذاق نہ کیا کرے۔ ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہو (کیونکہ مستقبل کی جدوجہد سے ہی اس بات کا علم ہو گا کہ بنی نوع انسان کے لئے کس کا وجود بہتر اور مفید ہے)۔ اور نہ کسی قوم کی عورتیں (دوسری قوم کی) عورتوں کو حقیر سمجھ کر ان سے ہنسی ٹھٹھا کیا کریں۔ ممکن ہے کہ وہ (دوسری قوم یا حالات والی) عورتیں ان سے بہتر ہوں اور نہ تم ایک دوسرے پر طعن کیا کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے ناموں سے یاد کیا کرو، کیونکہ ایمان کے بعد اطاعت سے نکل جانا ایک بہت ہی برے نام کا مستحق بنا دیتا ہے (یعنی فاسق کا) اور جو بھی توبہ نہ کرے، وہ ظالم ہو گا" (سورۃ الحجرات: آیت 12)۔

نسلی اور قومی برتری، گروہ بندی اور اس بنیاد پر کمزور قوم کا استحصال کرنے کے حوالے سے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر فرعون کی مثال بیان کی ہے کہ وہ گروہ بندی اور تقسیم کر کے حکومت کرو کے اصول پر کاربند تھا۔ اس کی اس ظالمانہ روش کی وجہ سے خدا نے اسے تباہ کر کے مظلوموں کی مدد کی۔

قرآن کریم اس صورتحال کا ذکر درج ذیل الفاظ میں کرتا ہے: "فرعون نے اپنے ملک میں بڑی تعلّی سے کام لیا تھا اور اس کے رہنے والوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ وہ ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح کہ ان کے بیٹوں کو قتل کرتا تھا اور لڑکیوں کو زندہ رکھتا تھا اور وہ یقیناً فسادیوں میں سے تھا اور ہم نے ارادہ کر رکھا تھا کہ جن کو اس نے ملک میں کمزور سمجھ رکھا تھا ان پر احسان کریں اور ان کو سردار اور وارث بنا دیں اور ان کو ملک میں تمکنت بخشیں۔"



غزل

ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔ لندن

سُنائی دے صدا یہ لا مکاں میں
کہ ہو گا سرخرو، کون امتحاں میں

نہیں آساں وصالِ یار کی رہ
بہت کم ہیں نگاہیں آسماں میں

مگن رکھتا ہے کاروبارِ دنیا
سبھی اُلجھے ہیں یاں سود و زیاں میں

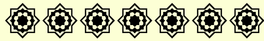
نظر آئے ہیں جو مردانِ عرفاں
نہاں رہتے ہیں وہ یارِ نہاں میں

وہی جانے پڑی ہو جس کے سر پر
ہے کتنا بوجھ، کس بارِ گراں میں

اگر کی گفتگو، دیکھا نہیں تو
یقیں ان کو ہو، باقی ہوں گماں میں

خرد مندوں نے ہی تو یہ کہا ہے
بھلا رکھا ہے کیا عشقِ بتاں میں

وہی طارقؔ ہوئے صادق ہیں عاشق
کہ تھے اہلِ جنوں جو ہر زماں میں



دعا

غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے
اے میرے فلسفیو زورِ دعا دیکھو تو

(سورۃ القصص: آیت 5 تا 7)۔اسلام فرعونیت اور گروہی تقسیم کی بنیاد پر حکومت کرنے کے طریق کو فساد کی جڑ قرار دیتا ہے اور تمام انسانوں میں باہمی احترام اور مساوات کا قائل ہے اور یہ قیام امن عالم کے لئے ایک بنیادی اصول ہے۔

آنحضرت ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع انسانی مساوات اور بنیادی حقوق کا ایک بے مثال تاریخی منشور ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے۔تم ایک ہی باپ کی نسل سے ہو۔اس لئے تم میں چھوٹے بڑے کی تقسیم قابل قبول نہیں۔نہ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ کسی عجمی کو عربی پر۔نہ سفید سیاہ پر فضیلت رکھتا ہے نہ سیاہ سفید پر صرف تقویٰ اور ذاتی قابلیت ہی وجہ فضیلت ہوگی اور اسلامی اقتدار میں رنگ و نسل کو کوئی امتیاز حاصل نہیں ہوگا۔" (تاریخ طبری)۔

اسلام کی اسی امتیازی خصوصیت کا اعتراف کرتے ہوئے ایک غیر مسلم اطالوی پروفیسر اور مستشرق، لاؤرا وچیاوالگلیئر ی جنہوں نے اٹلی میں عربی اور اسلامی علوم میں تحقیق اور ان کے فروغ کے لئے بہت اہم خدمات انجام دیں ہیں، نے جو بیان کیا ہے اس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے: "یعنی اسلام کی بدولت انسان محض خدا تعالیٰ کا خادم بن گیا اور باقی انسانوں کا اس سے تعلق بالکل ایسا ہو گیا تھا جیسے ایک آزاد انسان کا دوسرے آزاد انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔حالانکہ اس سے قبل انسان غیر منصفانہ طبقاتی تقسیم کا شکار تھا۔اسلام نے تمام انسانوں میں مساوات کا اعلان کیا اور یہ بات واضح طور پر بتائی کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمانوں سے اپنی پیدائش یا اپنی شخصیت سے وابستہ کسی دوسرے عنصر کی وجہ سے ممتاز حیثیت نہیں رکھتا۔بلکہ اس کی امتیازی حیثیت کا تعین صرف اس کے خوف خدا، اس کے اچھے اعمال، اس کی اخلاقی اور فکری صفات کی بنیاد پر کیا جائے گا۔"

اسلام رنگ و نسل اور دوسرے طبقاتی امتیازات کو مٹا کر ایک عالمگیر برادری قائم کرنا چاہتا ہے اور انسانی اقوال و اعمال میں سلامت روی کی تلقین کرتا ہے۔انسانی مساوات اور حقوق کے تحفظ کے اس اصول کی بازگشت اقوام متحدہ کے ایوانوں سے بھی سنی جاتی ہے مگر اس کی عملی صورت سوائے اسلامی اصولوں پر چلنے کے کبھی معرض وجود میں نہیں آسکتی۔

4۔بنیادی انسانی حقوق کے تحفظ اور اخلاقی اقدار پر عمل کے بارے میں اسلامی تعلیم

ایک اچھے انسانی معاشرے کے قیام کے لئے صرف مادی ترقی کافی نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے سب سے بڑی ضرورت انسانی حقوق کا تحفظ اور اخلاقی ترقی ہے۔کیونکہ اگر مادی وسائل حاصل ہو بھی جائیں، لیکن کسی معاشرے میں انسانی حقوق کا تحفظ نہ ہو اور معاشرہ اخلاقی بگاڑ میں مبتلا ہو تو یہ وسائل اور ایسی ترقی انسانیت کو نفع پہنچانے کی بجائے نقصان پہنچانے کا سبب بن جاتے ہیں۔

اسلام انسان کی طبعی حالتوں کو اخلاقی اور روحانی رنگ میں ڈھالنے کے لئے اخلاقی اور روحانی اقدار کا ایک بہترین اور متوازن نظام دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے اور تمام امور میں خلوص نیت اور تقویٰ پر بہت زور دیتا ہے تاکہ ظاہر و باطن اور قول و فعل میں یکسانیت پیدا ہو سکے اور حقیقی قلبی امن و سکون میسّر آسکے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "تقویٰ شعاری اختیار کرنے والے امن والے مقام میں ہوں گے۔" (سورۃ الدخان: آیت 52)۔

اسلام ایسی تمام باتوں سے روکتا ہے جس میں قول و فعل میں تضاد پایا جاتا ہو۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔اللہ کے نزدیک اس بات کا دعویٰ کرنا جو تم کرتے نہیں بہت ناپسندیدہ گناہ ہے۔" (سورۃ الصّف: آیت 3-4)۔

اگر ہم دور حاضر میں عالمی صورتحال کا جائزہ لیں تو ہم ادنیٰ تدبّر سے یہ بات معلوم کر سکتے ہیں کہ دنیا میں بدامنی اور بے اطمینانی کا ایک بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ قیام امن کے خالی دعوے اور نعرے بلند کئے جاتے ہیں۔تخفیف اسلحہ اور ایٹمی ہتھیاروں پر پابندی کے متعلق طویل بحثیں ہوتی ہیں۔آئے دن بین الاقوامی کانفرنسیں منعقد ہوتی رہتی ہیں اور اقوام متحدہ میں سلامتی کونسل کے اجلاس بھی ہوتے رہتے ہیں لیکن عالمی امن بدستور معرض خطر میں رہتا ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ انفرادی اور قومی سطح پر نیّتیں صاف نہیں ہیں۔دلوں میں کدورتیں ہیں۔حقیقی اور پائیدار امن خلوص نیت اور تقویٰ کے بغیر ممکن نہیں۔اسلام ایسی میکا ویلین سیاست کا قائل نہیں ہے جس میں قول و فعل میں تضاد پایا جاتا ہو

کیونکہ ایسی سیاست دنیا کے لئے چنگیزیت سے کم نہیں ہے۔اسلام تو سیدھی اور پکی بات کہنے کی تلقین کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:" اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہمیشہ صاف سیدھی (پختہ بات) کیا کرو اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح کردے گا اور وہ درست ہو جائیں گے" (سورۃ الاحزاب: آیت 71۔72)۔اسلام کے نزدیک سیاست اور اچھے بین الاقوامی تعلقات کے قیام کا معیار اخلاقی اقدار اور خلوص نیّت ہے اور اسی کے نتیجہ میں دنیا میں پائدار امن پیدا ہو سکتا ہے۔

5۔اسلام کے اقتصادی نظام کے اصول اور فلسفہ

قومی اور عالمی امن وامان کو نقصان پہنچانے والے عوامل میں معاشی ناہمواری، کسی گروہ کی اقتصادی محرومی اور اقتصادی استحصال بھی شامل ہوتے ہیں۔ایسا اقتصادی نظام جو دوسروں کا خون چوسنے اور ان پر ظلم ڈھانے کے نتیجہ میں معرض وجود میں آتا ہے وہ کبھی بھی ملکی اور بین الاقوامی امن کے قیام کا ضامن نہیں بن سکتا۔اس وقت دنیا میں دو قسم کے بڑے اقتصادی نظام رائج ہیں اور ہر نظام کے پیروکار دوسرے کو غلط اور خود کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ایک طرف تو کمیونزم اور سوشلزم کی مختلف صورتیں ہیں اور دوسری طرف سرمایہ دارانہ نظام کے کئی ماڈل نظر آتے ہیں۔میرے خیال میں یہ دونوں نظام افراط وتفریط کا شکار ہیں۔سرمایہ دارانہ نظام (کیپیٹل ازم) دولت کو چند ہاتھوں میں مرتکز کر کے رکھ دیتا ہے، جس کے نتیجہ میں دولت مند اور دولت مند بنتا چلا جاتا ہے اور غریب غریب تر ہوتا جاتا ہے۔دوسری طرف سرمایہ داری کے متوازی ایک اور نظام ہے جسے اشتراکیت (کمیونیزم یا سوشلزم) کہتے ہیں، جو کہ قومی اور ملکی وسائل کو قومیانے اور جبراً سب کو معاشی اعتبار سے برابر کر دینے کے فلسفہ پر مبنی ہے۔جب کہ یہ بات فطرت کے خلاف ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس غیر فطری طرز عمل کی وجہ سے دنیا کے سب سے بڑے ملک سابقہ سویت یونین میں اشتراکی نظام دم توڑ چکا ہے اور دنیا کے بعض دیگر اشتراکی ممالک میں بھی، یہ نظام اصلاح پسندی اور شکست وریخت کا شکار ہے۔

اسلام نے مندرجہ بالا دونوں نظاموں۔سرمایہ داری اور اشتراکیت۔کے برعکس ایک درمیانہ راستہ پیش کیا ہے۔وہ" ارتکاز زر" اور" قومیانے" کی حکمت عملی، دونوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔بلکہ انفرادی ملکیت کا حق بھی دیتا ہے اور اجتماعی مفادات کا تحفظ بھی کرتا ہے اور یہی خوبی اس نظام کی کامیابی کا باعث ہے اور اسے قابل عمل بناتی ہے۔اسلام اصولی طور پر دنیا کے اموال کے متعلق فرماتا ہے:" وہ خدا وہی تو ہے جس نے ان تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں تمہارے فائدہ کے لئے پیدا کیا۔" (سورۃ البقرہ: آیت 30)۔یعنی جس قدر چیزیں دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ سب خدا تعالیٰ نے تمام بنی نوع انسان کے فائدے کے لئے پیدا کی ہیں۔

یہ کہہ کر خدا تعالیٰ نے کائنات کی ساری نعمتوں کو ساری انسانیت کے لئے عام قرار دیا ہے اور سب لوگوں کو زمین کی مادی نعمتوں سے متمتع ہونے کا حق دیا ہے۔اس لحاظ سے اسلام چند ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کو پسند نہیں کرتا بلکہ اس کے متعلق اس کی تعلیم یہ ہے:" جو لوگ سونا اور چاندی جمع رکھتے ہیں (ذخیرہ کرتے ہیں) اور خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق، اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ان کو دردناک عذاب کی خبر دے دیں۔" (سورۃ التوبہ: آیت 34)۔

اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو حاصل ہونے والے اموال اور ان اموال کے حق داروں کے حوالے سے فرماتا ہے کہ: "بستیوں کے لوگوں کا جو مال اللہ نے اپنے رسول کو عطا فرمایا وہ اللہ کا ہے، اور رسول کا ہے، اور قرابت داروں کا ہے، اور یتیموں اور مسکینوں کا ہے، اور مسافروں کا ہے۔تا وہ مال تم میں سے مالداروں کے اندر چکر نہ کھاتا پھرے۔(یعنی وہ مال رسول کو اس لئے دیا ہے کہ غرباء میں تقسیم ہو۔نہ اس لئے کہ مالداروں کے پاس جائے اور ان کے مال کو بڑھائے)۔یہ (مال علاوہ اوپر کے لوگوں کے) مہاجر غریبوں کا حق ہے جن کو ان کے گھروں اور مالوں سے (بے دخل کر کے) نکال دیا گیا تھا۔اور (اسی طرح وہ مال ان لوگوں کے لئے بھی ہے) جو مدینہ میں پہلے سے رہتے تھے اور (مہاجرین کے آنے سے پہلے) ایمان قبول کر چکے تھے (سورۃ الحشر: آیات 8 تا 10)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام انفرادی ملکیت کے حق کو تسلیم کرتا ہے تا کہ

زندگی کی دوڑ میں مسابقت اور تحریک کا پہلو قائم رہے۔مگر وہ سرمایہ داری کو بھی ختم کرنا چاہتا ہے۔اس غرض کے لئے اس نے زکوٰۃ کو واجب قرار دیا ہے اور صدقات کا نظام قائم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے" کہ دولت مندوں کے مال میں ناداروں اور اپنی ناداری کی وجہ سے دست سوال پھیلانے والوں کا بھی حق ہے۔" (سورۃ المعارج: آیت 25-26)۔اس کے علاوہ اسلام نے سود کی حرمت اور ورثہ کی تقسیم وغیرہ جیسے سنہری اصول بھی وضع کئے ہیں اور پر حکمت احکام دیئے ہیں تا کہ مال کی گردش صرف امراء کے درمیان نہ رہے۔

اسلام کے اقتصادی نظام میں ہر شہری کو تمام ضروریات زندگی فراہم کرنا ریاست اور حکومت کی ذمہ داری ہے۔قرآن کریم حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعے قائم کئے گئے باقاعدہ انسانی معاشرے اور حکومت کے نظام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

" (اے آدم! تو اپنے ساتھیوں کو بتا دے کہ اسلامی معاشرہ و ریاست میں) کوئی شخص بھوکا اور ننگا نہ رہے گا اور نہ پیاسا اور دھوپ میں رہے گا۔" (سورۃ طٰہٰ: آیت 7)۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد اپنی 28 دسمبر 1937 کی ایک تقریر، بعنوان "انقلاب حقیقی" میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں" کہ اے آدم! اگر لوگ (تیرے ذریعے قائم کئے جانے والے معاشرے اور نئے نظام کے بارے میں حیرت اور شک کا اظہار کرتے ہوئے اس پر) اعتراض کریں، تو آپ انہیں کہہ دیں کہ حکومت کا پہلا فائدہ یہ ہوگا کہ تم بھوکے نہیں رہو گے۔ چنانچہ حکومت کا فرض ہے کہ خواہ کوئی جنگل میں پڑا ہو اس کے لئے کھانا مہیّا کرے۔اور پھر تم ننگے بھی نہیں رہو گے۔کیونکہ تمہارے کپڑوں کی بھی حکومت ذمہ دار ہوگی۔تم پیاسے نہیں رہو گے، کیونکہ حکومت تمہارے لئے پانی کی فراہمی کی بھی ذمہ دار ہوگی اور تم بے گھر نہیں رہو گے کیونکہ تمہارے لئے مکانات بھی (حکومت کی طرف سے) مہیّا کئے جائیں گے۔اور جس حکومت میں یہ چاروں باتیں ہوں وہ نہایت اعلیٰ درجہ کی امن والی حکومت ہوا کرتی ہے۔"

اس بات کی مزید وضاحت کے لئے آنحضرت ﷺ کی ایک سند بھی ملتی ہے۔ جو امام محمد بن عبدالباقی الزرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کی ہے۔جس کے مطابق مدنی زندگی کے دوران جب بحرین کا رئیس منذر بن ساویٰ مسلمان ہوا تو رسول کریم ﷺ نے اسے ہدایات بھجوائیں اور لکھا:" جن لوگوں کے پاس زمین نہیں ہے (یعنی ذریعہ آمدنی نہیں ہے) ان میں سے ہر ایک کو ملکی خزانہ میں سے چار درہم اور لباس گزارہ کے لئے دیا جائے۔" ایک اور جگہ خود رئیس بحرین منذر بن ساویٰ سے روایت ہے کہ" نبی اکرم ﷺ نے اس کو لکھا کہ ہر وہ شخص جس کے پاس گزارہ کے لئے کوئی زمین نہ ہو، اس کے لئے چار درہم اور لباس کا انتظام قائم کردو۔"

اسی طرح جب حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں نظام مکمل ہوا تو اس وقت اسلامی تعلیم کے مطابق ہر شہری کے لئے روٹی اور کپڑا مہیا کرنا حکومت کے ذمے تھا۔حضرت عمر نے اس غرض سے اپنی پوری سلطنت میں پہلی بار مردم شماری کروائی تھی اگر چہ اس سے پہلے آنحضرت ﷺ نے جنگی مقاصد کے لئے افرادی قوت کا جائزہ لینے کے لئے مدینہ میں محدود سطح پر ایک مردم شماری بھی کروائی تھی۔تاہم قبل ازیں اس پورے خطے میں مردم شماری یا انسانی آبادی کے تفصیلی اور مکمل اعداد و شمار مرتب کرنے کا کوئی تصور نہیں تھا، انہوں نے اس کا اہتمام کیا۔جس کی وجہ یہی تھی کہ ہر شہری کو اس کی ضروریات فراہم کی جا سکیں۔

غرض اس وقت دنیا میں اقتصادی لحاظ سے جو افراط و تفریط پر مبنی نظام پائے جاتے ہیں وہ بھی عالمی بدامنی اور ابتری کا بہت بڑا سبب ہیں۔مگر اسلام کا اقتصادی نظام اعتدال اور حقیقت پسندی پر قائم ہے۔اس کا احیاء اور ترویج دور حاضر میں حقیقی امن کا ضامن بن سکتے ہیں۔قرآن مجید نے قومی اموال (مثلاً جنگوں میں ملنے والے مال غنیمت، مال فئے اور دیگر ذرائع سے جمع ہونے والے اموال) کے مصارف بیان فرمائے ہیں اور بتایا ہے کہ اسلام کا مزاج ارتکاز (یعنی دولت کے چند ہاتھوں میں جمع ہونے) کا نہیں ہے بلکہ تقسیم دولت کا ہے تا کہ زیادہ سے زیادہ ضرورت مند لوگ اس سے فیضیاب ہو سکیں (سورۃ الحشر: آیات 8 تا 10)۔

6۔آزادی ضمیر اور مذہبی آزادی کے بارے میں اسلامی تعلیم

ذات پات کی تفریق کے علاوہ دوسری چیز جو عدل وانصاف کو مجروح کرتی ہے اور جس سے بعض اوقات معاشرہ کا امن پارہ پارہ ہوجاتا ہے، وہ ہے مذہب کو اختلاف اور نفرت کی بنیاد بنانا، اور ایک مذہب سے تعلق رکھنے والوں کا دوسرے مذہب کے ماننے والوں سے بیر رکھنا۔اس سلسلہ میں اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ دین حق تو ایک ہی ہے، جس کی بنیاد توحید پر قائم ہے، یہی دین ہے جس کی ہر عہد میں اللہ کی طرف سے آنے والے پیغمبروں نے دعوت دی ہے، لیکن دین کے معاملہ میں جبر درست نہیں، یعنی ایک شخص دوسرے کو اس بات پر مجبور نہیں کرسکتا کہ وہ اس کے دین کو قبول کرلے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ ''دین میں کوئی زبردستی نہیں۔'' (سورۃ البقرۃ:256)۔بلکہ یہ بھی درست نہیں کہ کسی شخص کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو اس لئے روک دیا جائے کہ وہ مسلمان نہیں ہوتا، اسی پس منظر میں یہ آیت بھی نازل ہوئی:''ان کو ہدایت دینا آپ کے ذمہ نہیں بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے۔'' (البقرہ:۲۷۲)۔

بین الاقوامی تعلقات کو مستحکم اور قوموں میں صلح وآشتی قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ مذہبی معاملات میں جبر واکراہ سے کام نہ لیا جائے۔اسلام آزادی مذہب، آزادی ضمیر اور رواداری کا علم بردار ہے۔وہ واضح طور پر یہ اعلان کرتا ہے:"دین کے متعلق کسی قسم کا جبر نہیں ہے کیونکہ گمراہی کے مقابلہ میں ہدایت واضح ہوچکی ہے۔" (سورۃ البقرۃ:257)۔پھر فرمایا:"حق تمہارے رب کی طرف سے آچکا ہے اب جو چاہے اسے مان لے اور جو چاہے اس کا انکار کردے۔" (سورۃ الکہف: آیت 30)۔

اسلام دلائل کا قائل ہے اور خود بانیء اسلام ﷺ کی حیات طیبہ اس پر شاہد ہے کہ آپ نے سب سے پہلے آزادیءمذہب کے مخالفین کی چیرہ دستیوں کے خلاف محاذ قائم کیا اور مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد سب سے پہلا اہم کام یہ سرانجام دیا کہ ایک میثاق کے ذریعے مدینہ کے یہود، مشرکین اور مسلمانوں کو باہم آزادی سے رہنے کا پابند بنایا۔اور ہر گروہ کو اپنے مذہب کی آزادی تھی۔ میثاق مدینہ اسلامی مذہبی آزادی کا شاہکار ہے اور قرآنی تعلیم کا عملی ثبوت ہے۔

جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے وہ تاریخ کے روشن حقائق سے منہ پھیر کر یہ بات کہتے ہیں۔اسلام اپنی اعلیٰ تعلیم اور گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے پوری دنیا میں پھیلا ہے۔جس میں جور وتعدی یا شمشیر وسنان کا قطعاً کوئی دخل نہیں۔جن لوگوں نے تاریخ اسلام کا معروضی مطالعہ کیا ہے اور وہ معاندانہ کے بجائے منصفانہ ذہن کے حامل ہیں، وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ اسلام اپنی خوبیوں کے سبب سے ہی دنیا میں پھیلا اور آج بھی تمام تر مخالفتوں کے باوجود اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جارہا ہے۔اس کا اظہار بعض مستشرقین نے بھی کیا ہے۔مثال کے طور پر مشہور امریکی مذہبی سکالر اور مورخ مسٹر گیری ولز رقم طراز ہیں:"اسلامی تعلیمات نے دنیا میں منصفانہ، شریفانہ طرز عمل کے لیے عظیم روایات چھوڑی ہیں اور وہ لوگوں میں شرافت اور رواداری کی روح پھونکتی ہیں۔یہ تعلیمات اونچی انسانی تعلیمات ہیں اور قابل عمل ہیں۔ان تعلیمات نے ایسی سوسائٹی کو جنم دیا، جس میں اس کے پیشتر کی سوسائٹی کے مقابلے میں سنگدلی اور اجتماعی ظلم کم سے کم رہا۔اسلام نرمی، رواداری، خوش اخلاقی اور بھائی چارہ سے پھیلا ہے۔"

اسلام نے صرف دفاعی جنگیں کی ہیں اور وہ بھی اس وقت جب قریش مکہ کے مظالم اپنی انتہاء کو پہنچ گئے تھے۔اسلامی جنگیں محض کفار کے جبر وتشدد کے دفاع کے لئے لڑی گئی تھیں۔ورنہ اسلام تبلیغ کے لئے ہرگز تلوار کے استعمال کا حامی نہیں ہے۔وہ تو مذہب کی بنیاد دلیل اور برہان پر رکھتا ہے اور تمام مذاہب کو کھلی آزادی دیتا ہے۔مذہبی آزادی کا یہ اصول بھی امن عالم کے لئے بہت ضروری ہے۔اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:"اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم (ہوسکتا) ہے جس نے اللہ کی مساجد سے (لوگوں کو) روکا کہ ان میں اس کا نام لیا جائے اور ان کی ویرانی کے درپے ہوگیا۔ان لوگوں کے لئے مناسب نہ تھا کہ ان (مساجد) کے اندر داخل ہوتے مگر خدا سے ڈرتے ہوئے۔ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑا عذاب مقرر ہے۔ (سورۃ البقرہ: آیت 115)۔

اسلام نے مذہبی دنیا میں باہمی تعلقات کو خوشگوار رکھنے کے لئے ایک اور

زرّیں اصول یہ پیش کیا ہے کہ وہ تمام مذاہب کے بانیوں، پیشواؤں، رشیوں اور نبیوں، حتیٰ کہ معبودان باطلہ کا بھی احترام کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام کی اس تعلیم کی بنا پر ایک مسلمان تمام قوموں کے معبودوں کی عزت کرتا ہے اور یہ امر امن عامہ کے لئے بہت ضروری ہے کیونکہ ہر مذہب کے پیروا اپنے پیشوا اور معبود کی عزت واحترام کے قیام کے لئے جان تک لٹا دیتے ہیں۔ قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے تمام اقوام میں انبیاء اور رسل کی آمد کا اعلان کیا اور ان پر ایمان لانے کو لازمی قرار دے کر امن عالم کے لئے راستہ ہموار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: "اور تم انہیں جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں گالیاں نہ دو۔ نہیں تو وہ دشمن ہو کر جہالت کی وجہ سے اللہ کو گالیاں دیں گے۔" (سورۃ الانعام آیت نمبر 109)۔

مذہبی امور میں مداخلت اور آزادی ضمیر پر پابندی کبھی بھی امن کی فضا پیدا نہیں کر سکتی۔ اس سے یقیناً انسانی جذبات اور خیالات میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے جو بالآخر امن کو بھسم کر دینے کا باعث بنتا ہے۔ اس کے بارے میں اسلام نے واضح تعلیم دے کر عالمگیر اتحاد کے لئے بنیادیں استوار کر دی ہیں۔

7۔ باہمی معاہدات کی پابندی کرنے کے بارے میں اسلامی تعلیم

عالمی امن کے قیام میں باہمی معاہدات کی پابندی ایک بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مختلف اقوام اور حکومتوں کے تعلقات کا تمام تر دارومدار مختلف قسم کے معاہدات پر ہوتا ہے۔ لیکن اگر معاہدات کو محض کاغذ کے پرزہ کی حیثیت دے دی جائے اور ان پر عمل نہ کیا جائے تو پھر امن کا قیام محض ایک موہوم سی شئے بن کر رہ جاتا ہے۔ اسلام نے قیام امن کی خاطر معاہدات کی پابندی پر خاص زور دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "معاہدات کی پوری پابندی کرو کیونکہ عہد کے بارے میں تم سے باز پرس ہو گی۔" (سورۃ بنی اسرائیل: آیت 35)۔

تاریخ عالم شاہد ہے کہ معاہدات کے وقت خلوص نیت کے فقدان اور ان کی حقیقی پابندی نہ کرنے کے باعث دنیا کو کئی چھوٹی بڑی جنگوں کی آگ میں جھونک دیا گیا اور بعض معاہدات کی تو سیاہی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ وہ کالعدم ہو کر رہ گئے۔ اسلام معاہدات کی پابندی کی بے حد تاکید کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق ہمارے آقا و مولا سیدنا آنحضرت ﷺ کا اسوہ حسنہ نہایت ہی شاندار ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ نے محض امن کی خاطر وہ تمام شرائط منظور کر لیں جو بظاہر ایک قسم کی شکست کے مترادف تھیں اور پھر انہیں پوری دیانت داری کے ساتھ نبھایا۔ آپ نے پوری زندگی کسی معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔

اسلام اس امر کا بھی حکم دیتا ہے کہ اگر کسی معاہدہ کرنے والی قوم کی طرف سے شرارت کا اندیشہ ہو تو اس پر اچانک حملہ نہ کرو بلکہ پہلے اسے نوٹس دو اور اس کے بعد بھی اگر وہ باز نہ آئیں تو جنگ کی اجازت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اگر کسی معاہد قوم کی طرف سے یہ خطرہ ہو کہ وہ معاہدہ کی پرواہ کئے بغیر حملہ کر کے خیانت کی مرتکب ہو گی تو تم بھی برابر طور پر ان کے معاہدہ کو ختم کر دو۔" (سورۃ انفال: 59)۔ دوسری جگہ معاہدہ توڑنے والوں کے بارے میں فرمایا: "اور ان کے اپنا پختہ عہد توڑ دینے کے سبب سے ہم نے ان پر لعنت کی تھی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا تھا۔" (سورۃ المائدہ: آیت 14)۔

چونکہ اسلام ہر حالت میں امن کے قیام کا علمبردار ہے، اس لئے ساتھ ہی یہ تعلیم بھی دیتا ہے کہ اگر کوئی قوم صلح کرنا چاہے تو صلح کے لئے جھک جانا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اگر وہ صلح کے لئے جھک جائیں تو تُو بھی صلح کے لئے جھک جا اور خدا تعالیٰ پر توکّل رکھ۔" (سورۃ الانفال: آیت 62)۔ غرض اسلام معاہدات کے الفاظ اور ان کی روح دونوں پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتا ہے اور ان کی پابندی کو لازمی قرار دیتا ہے۔

8۔ عدل وانصاف کا قیام کے بارے میں اسلامی تعلیم

دنیا میں نقص امن کا ایک سبب عدل و انصاف کا فقدان بھی ہے۔ لہٰذا حکومتوں کے اندرونی نظام میں اور دوسری حکومتوں سے باہمی تعلقات میں عدل کا وجود بھی بہت ضروری ہے۔ خالد رحمانی، عدل اور احسان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "زندگی گزارنے کے تین طریقے ہو سکتے ہیں، جن کا قرآن مجید نے ذکر کیا ہے: عدل، احسان اور ظلم۔ عدل کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے کو اس کا حق پورا پورا دے دیا جائے اور خود اپنے حق سے زیادہ نہ لیا

جائے۔ احسان یہ ہے کہ دوسرے کو اس کا حق اس کے حصہ سے بڑھ کر دیا جائے اور خود اپنے حصہ سے کم لیا جائے یا اپنا حصہ نہ لیا جائے۔ قرآن مجید نے ان ہی دونوں طریقہ کار کو درست اور قابل قبول قرار دیا ہے: ''بیشک اللہ (ہر ایک کے ساتھ) عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا، اور (وہ) بے حیائی اور برے کاموں اور سرکشی و نافرمانی سے منع فرماتا ہے۔'' (سورۃ النحل: آیت 90)" ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف قائم کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ اس سے بڑھ کر احسان کے پہلو کو اختیار کرنے کی تلقین کی ہے اور پھر اس سے بھی ترقی کر کے دوسرے انسانوں سے، قرابت والے رشتہ داروں جیسا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کے بالمقابل ان تمام ظاہری اور باطنی اخلاقی کمزوریوں اور بغاوتوں سے بچنے اور ظلم نہ کرنے کی تلقین فرمائی ہے جو ملکی امن کو برباد کرنے کا باعث بنتی ہیں۔

عدل وانصاف کرنے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہ حکم دیا ہے: "اے ایمان دارو! تم انصاف کے ساتھ گواہی دیتے ہوئے اللہ کے لئے ایستادہ ہو جاؤ، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم انصاف نہ کرو۔ تم انصاف کرو وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔" (سورۃ المائدہ: آیت 9)۔ دوسری جگہ فرمایا کہ: "اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر۔ اللہ یقیناً انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔" (سورۃ المائدہ: آیت 43)۔

عدل وانصاف کرنے کے حکم کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ انسان 'احسان' سے بھی کام لے، جس کو بندے کے حقوق کے معاملہ میں 'ایثار' کے لفظ سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جگہ جگہ احسان کی تعریف کی گئی ہے، فرمایا: ''اللہ تعالیٰ احسان کرنے والے لوگوں کو پسند فرماتے ہیں۔'' (سورۃ آل عمران: آیت 135)۔ یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ احسان کا رویہ اختیار کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کو بہتر بدلہ دے گا اور انعام سے محروم نہیں رکھے گا: ''بیشک اللہ نیکوکاروں کا اَجر ضائع نہیں فرماتے۔''

(سورۃ التوبۃ: آیت 121)۔ قرآن کریم میں کم وبیش ایک درجن مقامات پر عدل کا اور تقریباً دو درجن مقامات پر احسان کا حکم دیا گیا ہے یا اس کی تحسین کی گئی ہے۔ جب کہ دو سو سے زائد مقامات پر ظلم کی اور ظالموں کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ ظلم اسلام کی نظر میں بدترین گناہ اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ظالم کامیاب نہیں ہوسکتا، ناکامی و نامرادی ہی اس کا حصہ ہے۔ (سورۃ الانعام: آیت 21)۔ ظالموں کا انجام ہلاکت و بربادی ہے۔ (سورۃ الانعام: آیت 48)۔ اور، اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا۔ (سورۃ آل عمران: آیت 58)۔ ہمیں اس بات کو پیش نظر رکھنا ہو گا کہ انسانی معاشرہ امن کی دولت سے اسی وقت بہرہ ور ہوگا جب معاشرے میں عدل وانصاف قائم ہوگا اور لوگوں میں احسان کا جذبہ پیدا ہوگا اور جب ''ظلم'' کرنے والے ہاتھ تھام لئے جائیں گے۔

ایک اور بات بھی عموماً دیکھنے میں آتی ہے کہ جب کسی انسان، گروہ یا قوم کے تعلقات دوسرے انسان، گروہ، یا قوم سے خوشگوار نہ ہوں تو ایسی حالت میں عدل وانصاف کے تقاضوں کو بھی نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ اس کے متعلق بھی اسلام نے واضح طور پر حکم دیا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اے مومنو! اپنے تمام کاموں کو خدا کے لئے سرانجام دو اور دنیا میں انصاف سے معاملہ کرو۔ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس امر پر نہ اکسا دے کہ تم عدل کا معاملہ نہ کرو۔ تم بہرحال انصاف سے کام لو۔ یہ بات تقویٰ کے مطابق ہے۔" (سورۃ المائدہ: آیت 9)۔ گویا کسی حالت میں بھی اسلام عدل وانصاف کو ہاتھ سے چھوڑنے کا حکم نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ دشمن اقوام سے بھی عدل کا معاملہ کرنے کی تلقین کرتا ہے اور یہ امر انفرادی، گروہی، قومی اور بین الاقوامی تعلقات کو بہتر بنانے کا موجب بنتا ہے اور دنیا میں امن کے قیام کو فروغ دینے میں مددگار رہتا ہے۔

9۔ اسلام صرف دفاعی جنگ کی اجازت دیتا ہے

جنگیں، فساد اور لڑائیاں امن عالم کے لئے انتہائی مہلک اور خطرناک ہوتی ہیں۔ اسلام بلا وجہ فساد کرنے سے روکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ: "جب کبھی بھی انہوں نے لڑائی کے لئے کسی قسم کی آگ بھڑکائی ہے تو اللہ نے اسے بجھا دیا ہے۔ اور وہ ملک میں فساد کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں اور اللہ مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔" (سورۃ المائدہ: آیت 65)۔

قرآن کریم ملک گیری کی ہوس اور دیگر دنیوی اغراض کے لئے لڑائی کو خطرناک قرار دیتا ہے اور واضح طور پر یہ حکم دیتا ہے: "تم اپنی آنکھیں دنیوی منافع کی طرف جو تمہارے سوا دوسری اقوام کو ہم نے دیئے ہیں، اٹھا کر نہ دیکھو اور تیرے رب نے جو کچھ تجھے عطا کیا ہے وہی تیرے لئے اچھا اور دیر پا ہے۔" (سورۃ طٰہٰ: آیت 132)۔

اسلام صرف ناگزیر حالات میں ہی دفاعی جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ اس سلسلے میں ارشاد باری ہے: "اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور کسی پر زیادتی نہ کرو (اور یاد رکھو کہ) اللہ زیادتی کرنے والوں سے ہرگز محبت نہیں کرتا۔" (سورۃ البقرۃ: آیت 191)۔ گویا اسلام آج کل کی حکومتوں کے طریق عمل کے خلاف اس بات سے روکتا ہے کہ یونہی دوسرے ممالک پر حملہ کر کے ان کو اپنے قبضہ میں لے لیا جائے۔ ہاں اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اگر اسلامی حکومت پر حملہ ہو یا حملہ کا خطرہ ہو تو اس کا دفاع کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ان لوگوں کو جنگ کی اجازت دی جاتی ہے جن سے بلاوجہ جنگ کی جا رہی ہے۔ کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا ہے اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے، جن لوگوں کو ان کے گھروں سے صرف ان کے اتنا کہنے پر کہ اللہ ہمارا رب ہے بغیر کسی جائز وجہ کے نکال دیا گیا۔" (سورۃ الحج: آیات 518-519)۔ ان آیات میں اسلام نے واضح طور پر صرف دفاعی لڑائی کی اجازت دی ہے تاکہ ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچایا جائے اور ملک میں آزادی مذہب وضمیر قائم کی جائے۔ جب یہ مقصد حاصل ہو جائے تو لڑائی کو بند کر دیا جائے اور ظلم وتعدی سے کام نہ لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اور تم ان سے اس وقت تک جنگ کرو کہ کوئی فتنہ وجبر باقی نہ رہے اور دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے۔ یعنی دین میں ایسی آزادی ہو کہ ہر شخص اسے خدا کے لئے اختیار کر سکے۔ اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر گرفت جائز نہیں۔" (سورۃ البقرہ: آیت 194)۔

اسلامی جنگوں کے حالات کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صرف اس وقت تلوار اٹھائی جب دشمن خود آپ پر حملہ آور ہوا اور پھر آپ نے وہ ذرائع اختیار کئے جن کی بنا پر کم سے کم قتل وغارت ہو اور جب خونی دشمن آپ کے قبضہ میں آ گئے تو آپ نے ان سے ایسا احسان کا سلوک فرمایا کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

عام طور پر لڑائی کے متعلق یہ محاورہ مشہور ہے: "جنگ اور محبت کے معاملے میں ہر کام جائز ہے"۔ یعنی لڑائی میں ہر قسم کے جائز وناجائز ہتھکنڈے استعمال کرنے درست ہیں۔ مگر اس کے برعکس قرآن کریم کی تعلیم اور آنحضرت ﷺ کی ہدایات کی روشنی میں جنگ کے متعلق جو اصول وضع کئے گئے ہیں اور جو ضابطہ اخلاق مرتب کیا گیا ہے، اس میں جنگ سے پہلے اور جنگ کے دوران مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

1۔ ملکی حفاظت کا پورا بندوبست کیا جائے تاکہ دشمن کو حملہ کی جراءت نہ ہو۔

2۔ کسی ملک کو غصب کرنے کے لئے حملہ نہ کیا جائے۔

3۔ اگر دفاعی جنگ کرنی پڑے تب بھی دشمن کے مغلوب ہونے پر انصاف سے کام لیا جائے۔

4۔ جنگ کی صورت میں بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور مذہبی خدمت پر مامور لوگوں کو کچھ نہ کہا جائے۔ اسی طرح مذہبی عبادت گاہوں کی حفاظت کی جائے۔

5۔ جب تک خون ریز جنگ نہ ہو قیدی نہ پکڑے جائیں۔

6۔ قیدیوں کو حسن سلوک کے طور پر یا فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔

7۔ اگر کوئی ہتھیار ڈال دے تو پھر اس کو قتل کرنا جائز نہیں ہے۔

8۔ اگر کوئی قوم صلح کا پیغام دے تو اس خیال سے کہ اس کے دل میں شرارت ہے اور وہ صرف وقفہ چاہتی ہے، صلح سے انکار نہ کرو۔ بلکہ جب تک شرارت ظاہر نہ ہو جائے جنگ کو مٹانے اور صلح کرنے کی کوشش کرو۔

9۔ معاہدات کی پابندی کی جائے بلکہ جس قوم سے معاہدہ کیا گیا ہے، اگر اس سے کسی اور قوم یا اقوام کا معاہدہ ہو اور وہ عملاً جنگ میں شامل نہ ہوں تو خواہ وہ ایک برسر جنگ قوم کا حصہ ہی ہوں ان سے جنگ نہ کی جائے۔

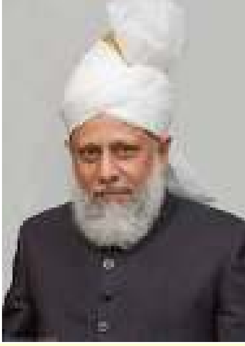
10۔ ایک قوم جو معاہدہ کر چکی ہو اگر اس سے شرارت کا خطرہ ہو تو اس پر اچانک حملہ نہ کیا جائے۔ بلکہ اس کو پہلے نوٹس دینا چاہیئے۔ اگر وہ باز نہ آئے تو پھر اس سے جنگ کی جا سکتی ہے۔

جنگ اور لڑائی کے متعلق مندرجہ بالا اسلامی احکام کا سرسری مطالعہ ہی اس حقیقت کو واشگاف کر دیتا ہے کہ اسلام نے جنگ وجدل کو دفاعی اور اخلاقی قیود میں جکڑ دیا ہے اور اس کی ناگزیر حالت میں اس کے لئے ایسے احکام دیئے ہیں جو اس کے نقصانات کو کم سے کم کر سکیں اور عالمی امن کی فضا کو مسموم نہ کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اسلامی جنگوں کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ دوسری جنگوں کے مقابلے میں ان میں انسانی قتل کی تعداد بالکل برائے نام رہی ہے۔

10۔ بین الاقوامی اسلامی سیکورٹی کونسل کا تصور

اسلام نے قومی اور ملکی امن کے متعلق نہایت ہی شاندار قابل عمل تعلیم پیش کی ہے جس کی وجہ سے قوموں میں امن و امان کا دور دورہ ہو سکتا ہے۔ قوموں کا اندرونی امن لازمی طور پر بین الاقوامی امن کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن اگر کسی وقت دو قوموں میں جنگ چھڑ جائے اور امن کی حالت جاتی رہے تو اس کے متعلق بھی اسلام نے یہ اصولی تعلیم دی ہے کہ: "اور اگر مومنوں کے دو گروہ یا اقوام آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں میں صلح کرا دو۔ لیکن اگر صلح ہونے کے بعد ان میں سے کوئی ایک دوسرے پر چڑھائی کرے تو سب مل کر اس چڑھائی کرنے والے کے خلاف جنگ کرو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے تو عدل کے ساتھ ان دونوں لڑنے والوں میں صلح کرا دو اور انصاف کو مدنظر رکھو۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" (سورۃ الحجرات: آیت 10)۔

یعنی اگر دو اقوام کے درمیان جنگ کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے تو دوسری اقوام جو اس جنگ میں شریک نہیں، ان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ بیچ بچاؤ کرائیں اور متحارب گروہوں کو جنگ سے روکیں اور باہم صلح صفائی کرا دیں اور اس کے ساتھ ساتھ جو وجہ تنازعہ اور جنگ کا سبب ہوا سے بھی مٹانے کی کوشش کریں اور فریقین کو جو ان کا حق بنتا ہے وہ دلا دیں۔ لیکن اگر اس کے باوجود ایک قوم جارحیت سے باز نہیں آتی اور جنگ جاری رکھتی ہے یا صلح کے بعد دوبارہ حملہ آور ہو جاتی ہے تو غیر جانبدار اقوام کو چاہیئے کہ وہ مشترکہ طور پر ایک متحدہ محاذ بنا کر زیادتی اور جارحیت کرنے والی قوم سے لڑائی کریں۔ یہاں تک کہ وہ ظلم کا خیال



سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

"خلیفہ وقت کا تو دنیا میں پھیلے ہوئے ہر قوم اور ہر نسل کے احمدی سے ذاتی تعلق ہے۔...... یہ خلافت ہی ہے جو دنیا میں بسنے والے ہر احمدی کی تکلیف پر توجہ دیتی ہے۔ ان کے لیے خلیفۂ وقت دعا کرتا ہے۔ کون سا لیڈر ہے، جو بیماروں کے لیے دعائیں بھی کرتا ہو۔ کون سا لیڈر ہے جو اپنی قوم کی بچیوں کے رشتوں کے لیے بے چین اور ان کے لیے دعا کرتا ہو۔ کون سا لیڈر ہے، جس کو بچوں کی تعلیم کی فکر ہو۔ حکومت بے شک تعلیمی ادارے بھی کھولتی ہے، صحت کے ادارے بھی کھولتی ہے۔ تعلیم تو مہیا کرتی ہے لیکن بچوں کی تعلیم کی فکر جو ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں ان کی فکر صرف آج خلیفۂ وقت کو ہے۔ جماعت احمدیہ کے افراد ہی وہ خوش قسمت ہیں جن کی فکر خلیفۂ وقت کو رہتی ہے کہ وہ تعلیم حاصل کریں۔ ان کی صحت کی فکر خلیفۂ وقت کو رہتی ہے۔...... دنیا کا کوئی ملک نہیں جہاں رات سونے سے پہلے چشم تصور میں مَیں نہ پہنچتا ہوں اور ان کے لیے سوتے وقت بھی اور جاگتے وقت بھی دعا نہ ہو۔"

(خطبات مسرور جلد 12 صفحہ 348)

چھوڑ دے اور خدا تعالیٰ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اور اگر وہ ایسا کر لے تو پھر غیر جانبدار اقوام فریقین جنگ کے درمیان صلح کرا دیں مگر عدل و انصاف اور مروت کو قائم رکھتے ہوئے کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

مندرجہ بالا اصولوں کی روشنی میں بین الاقوامی صلح کے قیام کے لئے ہم مندرجہ ذیل خطوط پر عملاً ایک "سلامتی کونسل" قائم کر سکتے ہیں۔ جسے اسلامی سیکورٹی کونسل کا نام دیا جا سکتا ہے:

1۔ اگر دو حکومتوں یا گروہوں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اسلامی اصولوں کی روشنی میں باقی حکومتوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے ایسی کمیٹی یا لیگ تشکیل دیں جو ان دونوں میں صلح کرا دے۔

2۔اگر صلح ہو جائے تو بہتر ہے ورنہ باقی حکومتوں کی قائم کردہ سیکورٹی کونسل ایک عادلانہ اور منصفانہ فیصلہ دے جس کے ماننے کے لئے جارح حکومت کو مجبور کیا جائے۔

3۔اگر ایسے فیصلے کو کوئی فریق نہ مانے یا ماننے کے بعد اس پر عمل کرنے سے انکار کر دے تو ساری حکومتیں مل کر اس پر دباؤ ڈالیں۔یہ دباؤ حالات اور ضروریات کی مناسبت سے سیاسی،معاشی اور اخلاقی،کسی بھی قسم کا ہو سکتا ہے اور اگر ان ساری کوششوں کے باوجود کوئی قوم اس جائز فیصلہ کو نہیں مانتی تو جبراً اسے منوانے کے لئے لڑائی کی اجازت ہے تا کہ وہ اس کے نتیجہ میں مجبور ہو جائے اور دنیا کے امن کی خاطر سیکورٹی کونسل کے فیصلہ کو تسلیم کر لے۔

4۔جب اس دباؤ اور لڑائی کے نتیجہ میں جارح حکومت صلح کی طرف مائل ہو جائے تو باقی حکومتوں کو بغیر کسی ذاتی فائدہ اور لالچ کے صرف اس امر کے متعلق اپنا فیصلہ نافذ کرنا چاہیئے،جس سے جھگڑے کی ابتداء ہوئی تھی اور مغلوب ہونے والی حکومت سے کوئی زائد فائدے اپنے لئے حاصل نہیں کرنے چاہئیں۔کیونکہ اس سے نئے فسادات کی بنیاد قائم ہو جاتی ہے۔

بین الاقوامی جھگڑوں کے حل کے لئے اسلام نے جو اصول پیش کئے ہیں وہ لیگ آف نیشنز اور موجودہ یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن سے زیادہ موثّر ہیں ۔لہٰذا جب تک اقوام متحدہ اور بین الاقوامی سیکورٹی کونسل کو اسلام کے پیش کردہ اصولوں کے مطابق نہیں ڈھالا جاتا یہ دنیا میں پائیدار امن کی ضامن نہیں بن سکتیں۔یہی وجہ ہے کہ موجودہ وقت میں یونائیٹڈ نیشنز آرگنائزیشن محض بڑی قوموں کے ہاتھوں میں آلہ کار ہے اور دیگر اقوام اس سے مطمئن نہیں ہیں۔ اسلام نے جس مصالحتی ادارہ کا تصور پیش کیا ہے اس کی بنیاد اخلاقی اقدار پر رکھی گئی ہے اور اس کے لئے غیر جانبداری اور عدل وانصاف کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور اختلافات کی خلیج کو پاٹنے اور دنیا میں حقیقی اور پائیدار امن قائم کرنے کی اس سے بہتر صورت میرے خیال میں اور کوئی نہیں۔

حوالہ جات اور مواخذ

2023 - حقائق - (تصور اور تعریف ، یہ کیا ہے امن کے معنی (nsp-ie.org)

امن کی تعریف - ذخیرہ الفاظ 2023 (emsayazilim.com)

https://ur.emsayazilim.com/definici-n-de-paz

ویکیپیڈیا، آزاد دائرۃ المعارف

2023ذخیرہ الفاظ - امن کی تعریف (emsayazilim.com)

امن کی تعریف(rcmi2019.com)

رمضان۔شوال :99، جلد ، 8-7شمارہ ، ماہنامہ دارالعلوم 2015ء۔اگست بمطابق جولائی ہجری 1436

،،کیا ہے امن وترقی میں مذہب کا کردار؟ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی 2 023 جون2 ، دی انقلاب ممبئی

Religion & Ethics Newsweekly, Produced by THIRTEEN ©2015 WNET.

آنحضرت ﷺ کی مدنی زندگی-ایک طائرانہ نظر، مطبوعہ روزنامہ الفضل (آن لائن 8 ،)نومبر 2020۔بحوالہ الفرقان ربوہ فروری 1955ء صفحہ 26

George Bernard Shaw, Getting Married (with Preface), Brentano' s, New York, 1920, p. 202.

تفصیلات کے لئے دیکھیں : and Bernard Shaw in Bombay Article Bernard Shaw's Indian visit (1933) and his reactions

in Bulletin (Shaw Society of America), Vol. 1, No. 10, Shaw Centenary: 1856-1956 (November 1956), pp. 8-10

www.ahmadiyya.org

www.ahmadiyya.org

The Islamic Review, October 1950, pages 5–8.

اے حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ احمدی شیروں سے کہاں تک بھاگو گے

(چوہدری ابوعمانوایل بھٹی۔ بالاکوٹ)

ہر موڑ پر احمدی سپوت کامیابی کے جھنڈے گاڑے ہوئے آپ کا استقبال کریں گے۔

انڈیا کے چندریان 3 کے چاند پر لینڈ کرنے اور عمران خان کے عالمی عدالت انصاف میں جیفری رابرٹسن کی خدمات حاصل کرنے جیسے سلگتے ٹاپک کے پس منظر میں لکھی گئی خصوصی تحریر



برصغیر کی تاریخ جب جب کوئی سنگ میل طے کرے گی احمدی سپوت اُس میں نمایاں شان کے ساتھ خدمت انسانیت کی معراج پر نظر آئیں گے۔ اگر ہم پچھلے 75 سال کی تاریخ پاکستان کی ورق گردانی کریں تو احمدی سپوتوں کے کارنامے جگہ جگہ آپ کو بکھرے نظر آئیں گے زندگی کے ہر شعبہ میں احمدیوں نے نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ چوہدری محمد ظفر اللہ خاں جیسا قانون دان، بین الاقوامی امور کا ماہر اور پروفیسر عبدالسلام جیسا عظیم سائنس دان جسے دنیائے اسلام کا نیوٹن کہا جاتا ہے جس کا نام آتے ہی دنیا کے سائنس دان تعظیم سے سر جھکا لیتے ہیں۔ دفاع پاکستان کے سلسلہ میں جنرل اختر حسین فاتح چھمب جوڑیاں، جنرل عبدالعلی ملک فاتح چونڈہ، جنرل افتخار جنجوعہ شہید ہیرو آف رن کچھ، اقتصادیات میں جناب ایم۔ایم۔احمد، ادب میں جناب قلندر مومند، شیخ محمد اسماعیل پانی پتی۔ شاعری میں روشن تنویر، قیس مینائی، چوہدری محمد علی، ثاقب زیروی، پیام شاہجہانپوری، اکبر حمیدی، صابر ظفر، عبید اللہ علیم، مبارک ظفر۔ تعلیم وفلسفہ میں قاضی محمد اسلم جیسا استاد اور میاں محمد افضل جیسے ماہر تعلیم۔ صحت کے شعبہ میں قاضی محمد بشیر اور جنرل محمود الحسن اور میجر جنرل مسعود الحسن نوری جیسے ماہرین، جنرل نسیم احمد اور عقیل بن عبدالقادر صاحب جیسے ماہرین امراض چشم۔ قانون وانصاف کے شعبہ میں شیخ بشیر احمد صاحب جج پنجاب ہائی کورٹ، چوہدری عزیز احمد باجوہ، قاضی عبدالحمید جیسے ماہر قانون دان۔ اور اپنے شعبہ میں واحد بلکہ اپنے وقت میں دنیا بھر میں اکیلا ماہر لسانیات حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر جس نے ثابت کر دیا کہ عربی تمام زبانوں کی ماں ہے۔ پاکستان کا پہلا کوہ پیما جس نے K-2 چوٹی سر کرنے کی کوشش کی کرنل عطاء اللہ۔ صحافت میں روشن دین تنویر، قمر اجنالوی اور ثاقب زیروی کے نام نظر آتے ہیں۔ غرضیکہ جس طرف نظر دوڑائیں اپنے اپنے شعبہ میں نمایاں کام کرنے والے احمدیوں کی خاصی تعداد ملے گی۔ دفاع وطن میں احمدی سپوتوں کے کارنامے تو حیرت انگیز تھے ہی زخمی ہونے والے بہادروں کی مرہم پٹی میں کمر کو تختہ بنا لینے والے میجر جنرل ڈاکٹر محمود الحسن بھی ایک احمدی گھرانے میں پیدا ہوئے۔

1۔ یوں شیخ محمد احمد صاحب مظہر نے عربی زبان کو ام الالسنہ ثابت کر کے۔

2۔ خان بہادر ڈاکٹر قاضی بشیر صاحب نے ستارہ امتیاز حاصل کر کے۔

3۔ میجر جنرل نسیم احمد صاحب نے بین الاقوامی امراض چشم کی کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کر کے اور رمضان علی سید گولڈ میڈل حاصل کر کے۔

4۔ قاضی محمد اسلم جیسے ماہر تعلیم نے یونیورسٹی کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کر کے۔

5۔ڈاکٹر میر مشتاق احمد صاحب نے ستارہ خدمت حاصل کر کے۔

6۔ پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خان صاحب 1969ء میں نئی تعلیمی پالیسی کے بارے میں حکومتی تجاویز پر نظر ثانی کمیٹی کے سیکرٹری کے طور پر حکومت کو جامع رپورٹ پیش کر کے۔

7۔قمر اجنالوی صاحب نے چاہ بابل،مقدس مورتی جیسی کتب لکھ کر اور روز نامہ مسلم،روز نامہ ملت،روز نامہ مغربی پاکستان وغیرہ کی ادارت کے فرائض سرانجام دے کر ثابت کر دیا کہ احمدی محبان وطن ہیں۔جنھوں نے محنت اور خدمت کے اعتبار سے دنیا بھر میں پاکستان کا نام روشن کیا۔

وطن عزیز کے ہر تعمیری پہلو میں کہیں نہ کہیں احمدی سپوت ضرور نظر آتا ہے مگر تخریب میں کوئی بھی نہیں۔ایک ایسے ہی موازنے کے موقعہ پر برصغیر کے ممتاز صحافی اور ماہنامہ نگار کے ایڈیٹر مولانا نیاز فتح پوری نے بے ساختہ فرمایا تھا ''اس وقت مسلمانوں میں ان (احمدیوں ناقل) کو بے دین وکافر کہنے والے تو بہت ہیں لیکن مجھے تو آج ان مدعیان اسلام کی جماعتوں میں کوئی جماعت ایسی نظر نہیں آتی جو اپنی پاکیزہ معاشرت،اپنے اسلامی رکھ رکھاؤ،اپنی تاب مقارمت اور خوئے صبر واستقامت میں احمدیوں کے خاک پا کو بھی پہنچتی ہو۔

ایں آتش نیز لگ نہ سوز وھمہ کس را

جب قادیان والوں میں صدائے اللہ اکبر بلند ہوتی ہے تو ٹھیک اسی وقت یورپ،افریقہ وایشیا کے ان بعید وتاریک گوشوں سے بھی یہی آواز بلند ہوتی ہے۔جہاں سینکڑوں غریب الدیار احمدی خدا کی راہ میں دلیرانہ قدم آگے بڑھائے ہوئے چلے جارہے ہیں۔

باور کیجئے۔جب میں دیکھتا ہوں کہ باوجود ان عظیم خدمات کے بھی اس بے ہمہ وباہمہ جماعت کو برا کہا جاتا ہے تو مجھے سخت تکلیف ہوتی ہے اور مسلمانوں کی اس بے بصری پر حیرت ہوتی ہے۔

میں حقیر گدایاں عشق راکایں قوم
شہاں بے کمرو خسرواںِ بے کلہ اند

(نقول از ماہنامہ نگار لکھنو بابت ماہ جولائی 1960ء صفحہ 117 تا 119)

حالیہ ستمبر 2023 کے پہلے ہفتہ میں پیش آنے والے دو واقعات اس وقت ملکی اور بین الملکی پریس کی خاص ہیڈ لائن کا موضوع بنے ہوئے ہیں جن میں سے پہلا واقعہ انڈیا کے چندر یان 3 کے چاند پر انتہائی کامیابی سے اترنے اور اپنے 14 روزہ مشن کا آغاز کرنے کا ہے جبکہ دوسری خبر پاکستان کے سابقہ وزیر اعظم کے پے در پے کیسز میں گرفتاریوں کے خلاف پی ٹی آئی کا عالمی عدالت انصاف میں جانے کا ذکر ہے۔

چندر یان 3 نے چاند پر قدم رکھے تو پاکستان سے تعلق رکھنے والے ہر درد مند دل نے آہ وبکا سے آسمان سر پر اٹھا لیا انہیں بار بار یہ دکھ کھانے لگا کہ اگر SPARCO کے بانی ڈاکٹر عبدالسلام کے ساتھ قوم بے وفائی نہ کرتی تو آج سپارکو بھی ISRO کی طرح کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ رہا ہوتا ۔آج ہمیں کینیڈا سے سیکنڈ ہینڈ مال لے کر گاؤں کے لوہاروں کی طرح مرمت کر کے اپنا ڈنگ نہ ٹپانا پڑتا۔ISRO کی پیدائش سے بھی 7 سال قبل 1962 میں ناسا کے قدم سے قدم ملا کر کھڑا ہونے والا ملک آج اپنے احمدی سپوت کی بے توقیری کرنے پر اپنے قدموں پر بھی کھڑا ہونے سے قاصر ہے۔افسوس صد افسوس۔

پھر یہ خبر آتے ہی کہ عمران خان کا کیس عالمی عدالت انصاف میں دائر کیا جائے گا اور اس کے لئے جیفری رابرٹسن کی خدمات حاصل کر لی گئی ہیں جمیعت علمائے اسلام کے ترجمان نے فوری بیان داغ دیا کہ عمران نے ملعون رشدی کے وکیل کو اپنا وکیل بنا کر اصل چہرہ دکھا دیا ہے۔مولوی حضرات کا بیان سامنے آنا تھا کہ بہت سے لوگ خم ٹھونک کر میدان میں سامنے آگئے کہ تم تو ہو ہی منافق ۔ایک طرف اپنے نمائیندے اسرائیل بھجواتے ہو اور دوسری طرف چوری چوری احمدی ڈاکٹروں سے دل کی سرجریاں کرواتے ہو اور دوسروں کو اسلام دشمن اسلام دشمن کی پٹیاں پڑھاتے ہو۔ چنانچہ مشہور یوٹیوبر طارق متین صاحب مولوی صاحب کی منافقت اور احمدی ہارٹ سپیشلسٹ کے سامنے پیٹ ننگا کر کے لیٹنے کی داستان سامنے لے آئے ہیں

مشہور یوٹیوبر طارق متین صاحب نے زیر عنوان ''فضل الرحمان کی سرجری کی دلچسپ کہانی کے تحت اپنے 3 ستمبر 2023 کے ویلاگ مین بیان کرتے ہیں ''مولانا فضل الرحمان



صاحب کے دل کی سرجری کی ایک بڑی دلچسپ کہانی پیش کرتا ہوں ۔سنئیر صحافی عدنان عادل صاحب جن کو آپ ہارون الرشید صاحب کے ساتھ پروگرام مین دیکھتے ہیں بڑے سینئیر صحافی ہیں ،استادوں میں سے ہیں ۔اور بڑے زبردست صحافی ہیں ۔انہوں نے بی بی سی کے لئے بڑے بڑے ایونٹس کو کور کیا ہے ۔عدنان عادل صاحب یہ سٹوری لکھتے ہیں ۔اور یہ سٹوری ہے 2007 کی ۔ ملک میں ان دنوں مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے دل کے آپریشن کا چرچا ہے وہ جمیعت علمائے اسلام کے سربراہ ہیں اور وہ ان دنوں لاہور میں حکومت پنجاب کے مہمان ہیں وہ قومی اسمبلی میں قائد حزب اختلاف ہیں اور لاہور میں 7 کلب روڈ پر رہائش پذیر ہیں جو پہلے وزیر اعلیٰ ہاوس ہوا کرتا تھا اب وزیر اعلیٰ کا دفتر 8 کلب رود پر منتقل ہوگیا ہے ۔ 7 کلب روڈ پر وزیر اعلیٰ کا مدد گار عملہ بیٹھتا ہے اور مہمانوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ۔ مہنگے ترین ہسپتال ڈاکٹر ہسپتال میں مولانا کے دل کا معائینہ ہوا تو پتہ چلا کہ دل کی ایک شریان بند ہے ۔ وزیر اعلیٰ کے ذاتی دوست اور معالج ڈاکٹر مبشر احمد کو امریکہ سے بلوایا گیا کہ وہ ڈاکٹر ہسپتال میں مولانا کے دل کی انجیو پلاسٹری کریں انہوں نے کامیابی سے مولانا کے دل کی کامیابی سے سرجری کی ۔سابق صدر لغاری اور سینٹ میں قائد ایوان وسیم سجاد اور چیر مین سینٹ محمد میاں سومرو کے ساتھ ساتھ وزیر اعلیٰ پرویز الٰہی مولانا کی عیادت کے لئے ہسپتال گئے ۔ پرویز الٰہی نے مولانا سے بے تکلف باتین کرتے رہے ۔عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ پرویز الٰہی نے مولانا کے دل کی سرجری کے بعد اُن سے کہا کہ اب آپ کٹے کھانا چھوڑ دیں ۔ملاقات کے بعد پرویز الٰہی صاحب نے پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ مولانا کے خاندان سے ہمارے دیرینہ تعلقات

ہین جب مجھے پتہ چلا کہ اُن کی طبیعت ناساز ہے اور وہ انجیو پلاسٹ کرانا چاہتے ہیں تو انہوں نے مولانا کو دعوت دی کہ وہ علاج کے لئے لاہور تشریف لائیں اور امریکہ سے خصوصی طور پر آنے والے معالج ڈاکٹر مبشر احمد کے سرجری کرنے سے مولانا ہشاش بشاش ہوگئے ہیں ۔لیکن اسی دوران سوئے اتفاق سے ڈاکٹر مبشر احمد کے والد چوہدری اسلم احمد ڈسکہ میں انتقال کر گئے ۔وصیت کے مطابق ان کی تدفین چناب نگر (ربوہ) میں احمدیہ قبرستان بہشت خضریہ (بہشتی مقبرہ غلط رپورٹ ہے)۔مولانا کے دل کی سرجری سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ وہ قائد حزب اختلاف ہونے کے ساتھ ساتھ سرکاری پروٹوکول سے فائدہ اٹھانا پسند کرتے ہیں آپ جمیعت علمائے اسلام کے سربراہ ہیں جو احمدیوں کے خلاف تحریک چلانے والوں میں پیش پیش ہیں لیکن وہ اپنا علاج اُسی مسلک سے تعلق رکھنے والے احمدی معالج سے کرا سکتے ہیں ۔

حیرت ہے مولانا کو کتنا اعتماد ہے کہ ایک احمدی ڈاکٹر اس کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں کرے گا ۔اس کا صحیح علاج کرے گا اور کوئی اپنی ذاتی دشمنی کی صورت نہیں بنائے گا ۔حیرت ہے مولوی صاحب کو ایک احمدی کے اخلاص اور بے تعصبی پر کتنا اعتبار ہے ۔

برصغیر کی تاریخ کا یہ انمٹ سبق ہے کہ جب جب تاریخ کوئی سنگ میل طے کرے گی کوئی اہم واقعہ پیش آئے گا احمدی سپوت آپ کو پہلے سے وہاں کھڑا نظر آئے گا بھاگ لو جتنا بھاگ سکتے ہو احمدیت کی عظمت سے آنکھیں چرانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہوگا ۔ یہ وہ ادراک ہے جو مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مجاز کو بہت سال پہلے ہوگیا تھا چنانچہ آپ نے تمام تر مخالفت کے باوجود لکھ دیا تھا ''مشرقی پنجاب کی ایک خبر ہے کہ اچاریہ ونو بھاوے جب پیدل سفر کرتے کرتے وہاں پہنچے تو انہیں ایک وفد نے قرآن مجید کا ترجمہ انگریزی اور سیرۃ النبویؐ پر انگریزی میں کتابیں پیش کیں ۔یہ وفد قادیان کی جماعت احمدیہ کا تھا خبر پڑھ کر ان سطور کے راقم پر تو جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا اچاریہ جی نے دورہ اودھ کا بھی کیا بلکہ خاص قصبہ دریاباد میں قیام کرتے ہوئے گئے لیکن اپنے کو اس قسم کا کوئی تحفہ پیش کرنے کی توفیق نہ ہوئی ۔ نہ اپنے کو نہ اپنے کسی ہم مسلک

کو۔ نہ ندوی۔ دیوبندی۔ تبلیغ اسلامی جماعتوں میں سے۔ آخر یہ سوچنے کی بات ہے یا نہیں کہ جب بھی کوئی موقع تبلیغی خدمت کا پیش آتا ہے یہی خارج از اسلام جماعت ''شاہ'' نکل آتی ہے اور ہم دیندار منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں''۔ (صدق جدید لکھنؤ 19 جون 1969ء)

اور اسی طرح ایڈیٹر ماہنامہ جدوجہد نے جماعت احمدیہ کی تین خوبیوں کے عنوان کے تحت درج ذیل خبر درج کی ہے۔

''پاکستان اور بھارت میں بیسوں فرقے موجود ہیں جن کو نام سے غرض ہے کام سے کوئی واسطہ نہیں بحث وتمحیص میں زمین وآسمان کے قلابے ملائے جارہے ہیں لیکن عمل مفقود حالانکہ صرف عمل کر کے دکھلانا ہی اسلام کی خوبی ہے ورنہ مسلمان کا ہر دعویٰ عاشقی ایک مجذوب کی بڑ سے کم نہیں۔ قطع نظر عقائد کے عملی طور پر مرزائی (احمدی) فرقہ باقی تمام فرقوں سے تین باتوں میں فوقیت رکھتا ہے۔

1۔ اسلامی مساوات

ان میں اونچ نیچ شریف رذیل ادنیٰ واعلیٰ کی تمیز کم ہے سب کی عزت کرتے ہیں۔ 2۔ بیت المال کا قیام: یہ ایک باقاعدہ شعبہ ہے جس میں ہر مرزائی (احمدی ناقل) کو اپنی ماہوار آمد کا 1/10 لازماً دینا پڑتا ہے صدقات۔ خیرات۔ فطرانہ۔ وغیرہ سب جمع کر کے یہ رقم صدقات جاریہ میں خرچ کی جاتی ہے۔

3۔ تبلیغ اسلام: یہ فخر صرف اسی فرقہ کو حاصل ہے کہ سنی شیعہ۔ وہابی دیوبندی۔ چکڑالوی فرقہ کے لوگوں سے تعداد میں کم ہوتے ہوئے پھر بھی لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ کر کے اپنے بل پر تبلیغی مشن غیر اسلامی ممالک میں بھیجتے ہیں اور خدا اور رسول (ﷺ) کا پیغام غیر مسلمانوں تک پہنچاتے ہیں۔

ہمارے دیس میں بڑے بڑے امیر لوگ موجود ہیں اور فلاحی انجمنیں قائم ہیں مثلاً انجمن حمایت اسلام لاہور جو لاکھوں روپیہ تعلیم پر خرچ کرتی ہے لیکن کوئی اللہ کا بندہ یا انجمن اس طرف توجہ نہیں دے رہی۔

(ماہنامہ جدوجہد لاہور جولائی 1958ء)

التجائے غم دیر پا



ثاقب زیروی

رازِ بقائے زندگی کیا ہے مجھے بتا بھی دے
جینے کا ولولہ بھی دے جینے کا حوصلہ بھی دے

عرصہ روزگار میں اُلجھا ہوا ہوں ذات سے
اے میرے ہادی ازل مجھکو میرا پتا بھی دے

طور بھی ایک امتحاں دار بھی ایک امتحاں
کب تک مگر یہ سلسلہ جلوہ رخ دکھا بھی دے

محفل ہست و بود ہے کس کے لئے سجی ہوئی
محفلِ ہست و بود کا سر نہاں بتا بھی دے

کاسۂ شوق لے کے تو آیا ہے انکے روبرو
آنکھ سے التجا بھی کر دل سے انہیں صدا بھی دے

سوئی ہوئی ہے زندگی کھوئی ہوئی ہے زندگی
خواب زدہ حیات کو خوابوں سے تو جگا بھی دے

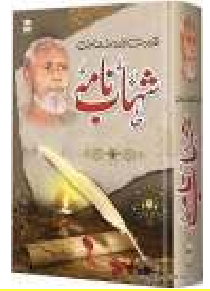
ظلمت غم میں تا بہ کے کوئی رہے یوں مبتلا
تاروں بھری حیات کا رستہ کبھی دیکھا بھی دے

بخشش و عفو کا چمن جس سے بہار خیز ہو
مجھ سے گناہ گار کو ایسی کوئی سزا بھی دے

محفل کائنات سے ٹوٹے بھی حلقہ جمود
بربطِ صبح و شام کو نغمہ دل کشا بھی دے

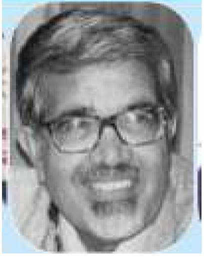
قائم رہے تمام عمر دردِ وفا کا سلسلہ
ثاقب خستہ حال کو وہ غم دیر پا بھی دے





"شہاب نامہ" کا جائزہ

از ڈاکٹر پرویز پروازی



"شہاب نامہ" قدرت اللہ شہاب کی سوانح عمری نہیں مگر عام لوگ اسے ان کی خودنوشت سوانح عمری سمجھتے ہیں۔ اس میں ان کے لفظوں میں" جن واقعات مشاہدات اور تجربات نے انہیں متاثر کیا" ان کا بے کم و کاست بیان ہے۔ میں نے اسے خودنوشت کے زمرہ سے دو وجہ سے خارج کیا ہے۔ اول یہ کہ اس میں شہاب صاحب کی سوانح حیات کے بنیادی نکات سامنے نہیں آتے مثلاً سوانح حیات میں زندگی کے حالات وکوائف کا بیان کم از کم ضروری ہوتا ہے شہاب صاحب نے انہیں بصیغہء راز ہی رکھا ہے، دوسرے اس کا انداز شروع ہی سے افسانوی ہے اس لئے اسے فکشن اور فیکٹ کا مجموعہ فیکشن قرار دیا جا سکتا ہے۔ انتظار حسین نے لکھا ہے کہ جمیلہ ہاشمی کے ہاں شہاب صاحب نے شہاب نامہ کو ناول کہہ کر سنایا تھا۔

ہمارے ہاں میمائرز کے لئے یاداشتوں کا لفظ مروج ہے مگر یہ لفظ اس ہمہ گیریت کا جامع نہیں جو میمائرز کے لفظ میں مضمر ہے۔ میمائرز لکھنے والے کی شخصیت کو اتنا ہمہ گیر ہونا چاہئے کہ اس نے تاریخ کو خود اپنی آنکھوں کے سامنے وقوع اور تشکیل پذیر ہوتے دیکھا ہو اور اس میں اتنا حوصلہ ہو کہ وہ ایک کنارے پر کھڑا ہو کر ان واقعات کو صحیح تناظر میں بیان کر سکے۔ شہاب صاحب اپنی اعلیٰ ملازمت کے دور میں پاکستان کی تاریخ کے کئی اہم واقعات کے گواہ ہیں اور انہوں نے ان واقعات کو اپنے سامنے رونما ہوتے ہوئے دیکھا ہے مگر ان کی کتاب پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ انہیں تاریخ دیکھنے کا موقع تو ملا تاریخ کو روایت کرنے کا حوصلہ ودیعت نہیں ہوا۔ تاریخ تو تعصب سے مبرا ہوتی ہے۔ میمائرز میں لکھنے والے کی ذات علیحدہ ہوتی ہے الگ نہیں ہوتی اسی طرح اس کی اپنی نفرتیں محبتیں وارداتیں سب ایک مناسب فاصلہ پر علیحدہ رکھی رہتی ہیں تاریخ میں ملوث نہیں ہوتیں۔ شہاب نامہ کا مصنف تو اپنی نفرتوں اور تعصّبات میں ملوث ہی نہیں لتھڑا ہوُا ہے۔ یہ بات شہاب نامہ کو میمائرز کے زمرہ میں بھی بہت کمزور کر دیتی ہے۔

قدرت اللہ شہاب اپنی سول سروس کی ملازمت کے دوران اتفاق سے ایسے عہدوں پر فائز رہے جن عہدوں کو بااقتدار عہدے قرار دیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں سیاسی حالات اگر معمول کی ڈگر پر چلتے رہتے تو کوئی بات نہ تھی مگر ابتدا ہی سے ہمارے ملک میں افراتفری اور طوائف الملوکی نے اپنے قدم جما لئے اس لئے بقول قدرت اللہ شہاب جب انہوں نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا یا بقول خود اپنے ماتھے کے کلنک کے ٹیکے دھونے کی سعی کرنا چاہی تو انہیں معلوم ہوا کہ لوگ ان کی باتیں سننے کے خواہشمند ہیں۔ اس بات نے ان کا حوصلہ بڑھایا اور انہوں نے نمک مرچ لگا کر وہ حقائق کرداروں کا نام بدلے بغیر افسانوی انداز میں بیان کرنا شروع کر دئے کبھی دائرے کی تقریب میں، کبھی حلقہء ارباب ذوق میں کبھی نیپا میں غرض وہ داستان جو شہاب نامہ کی صورت میں مرتب ہوئی وہ کتابی صورت میں چھپنے سے پہلے ہی مقبول ہو چکی تھی اور لوگ اس انتظار میں چشم براہ تھے کہ دیکھیں ایک محرمِ رازِ درونِ میخانہ کیا کہتا ہے۔

شہاب صاحب کو شکوہ ہے کہ حفیظؔ جالندھری نے یہ کیوں کہا کہ

جب کہیں انقلاب ہوتا ہے
قدرت اللہ شہاب ہوتا ہے

یا یہ کہ سید محمد جعفری نے یہ بات کیوں عام کر دی کہ

یہ سوال و جواب کیا کہنا	صدرِ عالی جناب کیا کہنا
کیا لکھایا ہے کیا پڑھایا ہے	قدرت اللہ شہاب کیا کہنا

شہاب صاحب کا خیال ہے سید محمد جعفری کی شہرت کی وجہ سے یہ اشعار زبان زد عام ہو گئے مگر وہ یہ بھول گئے کہ باتیں بے پر کی باتیں نہیں تھیں ان

کی ٹھوس بنیاد تھی۔

شہاب صاحب نے تاریخی حقائق کے ساتھ ان "بے بنیاد باتوں" کی تردید کی کوشش کی ہے اور اپنی صفائی پیش کی ہے۔ اس سے بھی زیادہ عجیب بات ہے کہ خود شہاب صاحب نے ایک سے زیادہ مرتبہ ایسی باتیں کی ہیں اور دوسروں پر بے بنیاد الزامات لگانے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا۔ حالانکہ ان کی باتوں کو تاریخ کے حوالہ سے جھٹلایا جا سکتا ہے۔ محترمہ ادا جعفری بدایونی نے اپنی سرگزشت "جو رہی سو بے خبری رہی" میں بھی ان کی ایسی باتوں کا برا مانا ہے اور ایک خاص واقعہ کا حوالہ دے کر ان کی فسانہ طرازی کی تردید کی ہے اور اپنی مہذب زبان میں صرف یہ لکھا ہے کہ "اس سے زیادہ ہوا تھا نہ اس سے کم"۔

ایک اور مثال۔ لکھتے ہیں "مہاراجہ پرتاپ سنگھ بے اولاد تھا اس نے اپنی برادری کا ایک لڑکا منتخب کر کے متبنیٰ بنا رکھا تھا لیکن ہری سنگھ کے باپ راجہ امر سنگھ کو یہ بات گوارا نہ ہوئی کیونکہ وہ اپنے بیٹے کو ریاست کا وارث بنانا چاہتا تھا اپنی اس خواہش کو پورا کرنے کے لئے اس نے ریاست کے طول و عرض میں سازشوں کا جال بچھا دیا اس ساز باز میں راجہ امر سنگھ کو حکیم نور دین سے بڑی مدد ملی۔ حکیم نور دین مہاراجہ رنبیر سنگھ کے زمانہ سے ریاست کا شاہی طبیب تھا" (صفحہ 358)۔ شہاب صاحب اس بات کو بھول گئے کہ وہ لکھ چکے ہیں کشمیر کے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے ساتھ ان کے والد ماجد کے بڑے اچھے مراسم تھے ان کی وفات پر ہری سنگھ گدی پر بیٹھا تو اس سے ان بن ہو گئی سینتالیس کی عمر میں عبداللہ صاحب نے ملازمت سے سبک دوشی حاصل کر لی (صفحہ 110) چونکہ راجہ امر سنگھ اپنے بیٹے کو گدی پر بٹھانے کی "سازش" میں کامیاب ہو گیا اور ہری سنگھ سے عبداللہ صاحب کی نہ بنی تو سارا ملبہ حکیم نور دین پر گرا دیا شہاب صاحب نے ملبہ دوسروں پر ڈالنے کا کام ایک سے زیادہ مرتبہ کیا ہے۔ اب تاریخی لحاظ سے اس کا جائزہ لیجئے۔

مہاراجہ رنبیر سنگھ 1857ء سے 1885ء تک تخت پر تھا۔ حکیم نور دین وہاں سے رخصت ہو کر 1883ء میں اپنے وطن بھیرہ چلے گئے۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ 1885ء میں مہاراجہ بنا اور 1925ء تک ریاست کا حکمران رہا۔ ہری سنگھ حکیم صاحب کے قیام کشمیر کے زمانہ میں ابھی پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ ان کے کشمیر سے چلے جانے کے دو برس بعد پیدا ہوا۔ اور 1925ء میں تخت پر بیٹھا۔ ان حقائق کے ہوتے ہوئے حکیم نور دین کو ہری سنگھ کی تخت نشینی کی سازش میں وہی شخص شریک قرار دے سکتا ہے جسے حقائق سے آنکھیں بند کرنے میں یدِ طولیٰ حاصل ہو۔ شہاب صاحب چونکہ حکیم نورالدین جیسے ولی اللہ سے عقیدہ کا اختلاف رکھتے تھے اس لئے آپ نے تمام حقائق کو پسِ پشت ڈال دیا۔ ضمناً یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اس بات کا شہاب صاحب کی سوانح سے کوئی تعلق نہیں سوائے اس کے کہ شہاب صاحب ہری سنگھ کے زمانہ میں کشمیر میں پیدا ہوئے تھے۔

میں نے اس مضمون کے آغاز میں لکھا تھا کہ بیسویں صدی میں لکھنے والا بے سروپا باتیں لکھنے میں آزاد نہیں کہ اب حقائق کی جانچ پرکھ بھی ہو سکتی ہے۔ میں نے جب شہاب نامہ کا یہ حصہ دیکھا تو جستجو ہوئی کہ حقائق معلوم کروں کیونکہ میرے دادا حکیم نورالدین کے ہاتھ پر بیعت تھے اور انہیں اپنا مرشد

غزل

طاہرہ مسعود

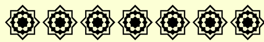
جو آتی ہے اگر غیرت، بہت بے لاگ آتی ہے
حمیت جن میں ہو قسمت بھی اُن کی جاگ جاتی ہے

خوشی سے یہ شکایت ہے ہمیں کم راس آتی ہے
لگانے ہاتھ آتی ہے پلٹ کے بھاگ جاتی ہے

تجھے کتنا بھی شک ہو ہستی ء باری کے ہونے میں
سنو یہ زندگی ہر دم الوہی راگ گاتی ہے

بچا لی جائے گی اگلی مصائب سے یقیناً وہ
کوئی جو قوم اک ہی سانحے پر جاگ جاتی ہے

بہت مشکل مراحل ہیں انا کی پاسداری کے
کہیں پر جان جاتی ہے کہیں پر پاگ جاتی ہے



سمجھتے تھے۔حکیم نورالدین صاحبِ مرقاۃ الیقین کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شہاب صاحب عقیدہ کے اختلاف میں اتنی دور تک جا سکتے ہیں کہ کھلی حقیقتوں کو جھٹلا بیٹھیں۔شہاب صاحب کے مرتبہ کے لوگوں کی باتوں پر عام لوگ یقین کر لیتے ہیں انہیں کیا علم ہے کہ اعلیٰ مراتب تک پہنچ جانے کے باوجود بھی بعض لوگوں میں تعصب کی جڑیں بہت گہری ہوتی ہیں۔شہاب نامہ اس کی عبرت انگیز مثال ہے۔

کشمیر ہی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:" 5 جولائی 1931ء کو شملہ میں فیئر ویو نامی کوٹھی میں ایک میٹنگ کے نتیجہ میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی قائم کی گئی۔اس میٹنگ میں جو حضرات شامل ہوئے ان میں علامہ اقبال،نواب سر ذوالفقار علی خان،خواجہ حسن نظامی،نواب کنج پورہ،نواب باغپت،سید محسن شاہ،خان بہادر رحیم بخش،عبد الرحیم درد، سید حبیب اسمٰعیل غزنوی، صاحبزادہ عبد اللطیف اوراے آر ساغر کے نام سرِ فہرست تھے بد قسمتی سے صدارت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے کر ڈالی اور آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر بھی وہی بن بیٹھے" (صفحہ 360)۔میرا یہ منصب نہیں کہ میں اس بات کی تردید یا تائید کروں۔عبدالمجید سالک ایڈیٹر روز نامہ انقلاب اس کمیٹی کی رپورٹ دیتے ہیں:" شملہ میں مقتدر اور نمائندہ مسلمانوں کا ایک اجلاس ہوا جس میں جموں اور کشمیر کے بعض معززین بھی شریک ہوئے یہاں آل انڈیا کشمیر کمیٹی قائم کی گئی جس کے صدر مرزا بشیر الدین محمود احمد امام جماعت احمدیہ منتخب کئے گئے" (سرگزشت صفحہ 271)۔"بن بیٹھے" اور" منتخب کئے گئے" میں جو فرق ہے وہ ناطق ہے۔

شہاب صاحب نے اس پر اس لئے کان نہیں دھرا کہ انہیں کشمیر کمیٹی کے منتخب ہونے والے صدر سے عقیدہ کا اختلاف تھا۔اس صدر کا نام علامہ اقبال نے پیش کیا تھا اور تمام حاضرین نے متفقہ طور پر مرزا صاحب سے استدعا کی تھی کہ وہ صدارت کی ذمہ داریاں سنبھالیں۔پھر شہاب صاحب کا بیان: " آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی آڑ میں (احمدی رہنما) کی چالبازیاں دیکھ کر علامہ اقبال نے شملہ والی کشمیر کمیٹی سے علیحدگی کا اعلان کر دیا" (صفحہ 370)اس بارہ میں پھر راوی سالک صاحب ہیں" جب احرار نے احمدیوں کے خلاف بلا ضرورت ہنگامہ آرائی شروع کر دی اور کشمیر تحریک کے مخالف عناصر کی ہم مقصدی اور ہم کاری کی وجہ سے جو قوت پیدا ہوئی تھی اس میں رخنے پڑ گئے تو مرزا بشیر الدین محمود احمد نے کشمیر کمیٹی کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا اور ڈاکٹر اقبال اس کے صدر مقرر ہوئے" (سرگزشت صفحہ 315)۔

اب قاری اس ضخطہ میں ہے کہ وہ ہم عصر اور معتبر صحافی عبد المجید سالک کی بات مانے جو ان تمام باتوں کا چشم دید گواہ تھا یا اس شخص کی جو اس وقت کھیل کود کی عمر سے گذر رہا تھا اور اب نوکر شاہی کا اہم ستون ہے اور اپنے عہدے کے بل بوتے پر سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کہہ رہا ہے۔جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں۔ جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے۔ شہاب صاحب نے خود ہی تو لکھا ہے" تاریخ کی سرچ لائٹ بڑی بے رحم ہوتی ہے"۔ حیران ہوں کہ ان کی یہ باتیں تاریخ کی سرچ لائٹ سے کیسے بچ سکیں گی؟

با ایں ہمہ شہاب نامہ ہماری تاریخ کا ایسا ریکارڈ ہے جس کا لکھنا شہاب صاحب ہی کو سزاوار تھا کہ وہ ان میں بیشتر واقعات کے عینی گواہ تھے۔ یہ درست ہے کہ جن واقعات کے وہ چشم دید گواہ تھے اگر وہ ٹھیک روایت ہوئے ہیں تو ان میں پڑھنے والوں کے لئے دلچسپی اور عبرت دونوں کا وافر سامان موجود ہے۔اگر چہ ایوانِ صدر کے ایک اور ملازم جناب محمد بشیر خالد (پی اے ٹو دی پریزیڈنٹ) نے اپنی کتاب" ایوان صدر میں سولہ سال" میں شہاب صاحب کی بعض باتوں کو درست قرار نہیں دیا۔اب یہ فیصلہ کون کرے کہ کون ٹھیک کہہ رہا ہے کون غلط؟ دونوں ایوان صدر کے اندر کے آدمی تھے۔

نیشنل پریس ٹرسٹ والے باب میں شہاب صاحب نے پروگریسو پیپرز لمیٹڈ پر سرکاری قبضہ کا ذکر بڑے ڈرامائی انداز میں کیا ہے" 17 اپریل 1959ء کی تاریخ تھی میں آرام سے سو رہا تھا کہ رات کے ساڑھے بارہ بجے میرے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ بریگیڈیر ایف آر خان فون پر بول رہے تھے انہوں نے فرمایا کہ اگلی صبح میں کراچی ایر پورٹ پر پہنچ جاؤں کیونکہ ہم نے پہلے جہاز سے لاہور کے لئے روانہ ہونا ہے۔میں نے کہا میں صدر ایوب کی اجازت کے بغیر کیسے کراچی چھوڑ سکتا ہوں؟ علی الصبح جہاز کی روانگی سے قبل ان کی اجازت کیسے حاصل کروں گا؟" میں پریزیڈنٹ ہاؤس ہی سے

بول رہا ہوں" بریگیڈیر صاحب نے کہا" صدر صاحب ابھی ایک اہم میٹنگ سے فارغ ہو کر اپنے بیڈ روم میں چلے گئے ہیں انہوں نے ہمیں اجازت دے دی ہے کہ ہم تمہیں اپنے ساتھ لاہور لے جائیں"۔

"کس کام کے لئے" ؟ میں نے پوچھا

بریگیڈیر ایف آر خان نے کہا اس سوال کا جواب وہ ٹیلیفون پر نہیں دے سکتے۔ اگلی صبح ہوائی اڈہ پر پہنچا تو بریگیڈیر ایف آر خان لاہور جانے کے لئے ہوائی اڈہ پر موجود تھے۔ روانگی سے پہلے اور جہاز کے سفر کے دوران میں نے کئی بار کام کی نوعیت کے بارہ میں پوچھا لیکن کوئی ٹھیک ٹھیک جواب نہ مل سکا۔۔۔ پردہ پوشی اور راز داری اور سکوت کی یہ فضا میرے لئے بڑا پر اسرار معمہ بنی ہوئی تھی۔۔۔ شام کے چار بجے بریگیڈیر ایف آر خان نے نہایت راز داری سے سرگوشیوں میں مجھے بتایا کہ آج رات اچانک چھاپہ مار کر میاں افتخار الدین کی پروگریسو پیپرز لمیٹڈ پر قبضہ کرنے کے انتظامات مکمل کر لئے گئے ہیں" (صفحہ 825۔826) اس سارے بیان کا مقصد یہ ہے کہ شہاب صاحب قاری کو یہ باور کروانا چاہتے ہیں کہ انہیں پروگریسو پیپرز لمیٹڈ پر قبضہ کی اطلاع 18 اپریل 1959ء کو شام کے چار بجے ہوئی۔

حال ہی میں حکومت پاکستان کے ایک نیک نام اور پڑھے لکھے افسر ڈاکٹر آفتاب احمد خان کے شخصی خاکوں کا مجموعہ" بیادِ صحبتِ نازک خیالاں" دانیال والوں کی طرف سے کراچی سے شائع ہوا ہے۔ اس کا ایک حوالہ معنیٰ نگر ہے۔ آفتاب صاحب کرنل مجید ملک کے بیان میں لکھتے ہیں:" اپریل 1959ء کی ایک دوپہر کو میرے دروازے پر دستک ہوئی میں نے دروازہ کھولا تو مجید صاحب کا سٹاف ڈرائیور کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا آپ کو صاحب نے دفتر میں یاد کیا ہے۔ اس سے پہلے مجید صاحب نے کبھی مجھے دفتر میں نہیں بلوایا تھا مجھے حیرت ہوئی کہ نا معلوم معاملہ کیا ہے۔ میں جب وہاں پہنچا تو مجید صاحب اس وقت اپنے کمرے میں ٹہل رہے تھے مجھے انہوں نے بیٹھنے کو کہا پھر کمرے کے دروازے بند کر دئے اور میرے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے نہایت سنجیدہ لہجے میں مجھ سے کہا ایک ایسا واقعہ ہونے والا ہے جس کا میرے دل پر بہت بوجھ ہے تم سے اس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں تم مجھ سے وعدہ کرو کہ تم اس کا ذکر کسی سے نہیں کرو گے حتیٰ کہ اپنی آمنہ باجی سے بھی نہیں۔ (آمنہ باجی، مجید ملک کی بیگم تھیں اور آفتاب صاحب کو اپنے عزیزوں کی طرح عزیز رکھتی تھیں)۔

میں نے یہ وعدہ کر لیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ پروگریسو پیپرز لمیٹڈ یعنی پاکستان ٹائمز امروز اور ہفت روزہ لیل ونہار کو اپنے قبضہ میں لے لیا جائے اور یہ کہ اس سلسلہ میں آج شام کی گاڑی سے لاہور جا رہے ہیں۔ مجید صاحب نے کہا میں نے اپنے طور پر اس کی بہت مخالفت کی مگر میری رائے سے کسی نے اتفاق نہیں کیا۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے ایک فائل میری طرف بڑھا دی اور وہ نوٹ پڑھوایا۔ جس میں انہوں نے اپنی مخالفانہ رائے قلمبند کی ہوئی تھی۔ میں نے کہا کہ مجید بھائی سرکار میں آپ کے کچھ دوست بھی ہیں آپ نے ان سے بات نہیں کی؟ کہنے لگے" میں نے قدرت اللہ شہاب سے بات کی تھی اور اس قوی امید کے ساتھ کہ وہ اس سلسلہ میں میری ہم نوائی کریں گے۔ آخر انہوں نے رائٹرز گلڈ وغیرہ قائم کی ہے مگر شہاب نے یہ کہہ کر مجھے ٹال دیا کہ ملک صاحب یہ مارشل لا حکومت کا فیصلہ ہے آپ اور میں اس میں کیا کر سکتے ہیں؟ سوائے اس کے کہ جو کام ہمیں سونپا جائے اسے پورا کریں۔ مجید صاحب نے کہا میں یہ جواب سن کر بہت مایوس ہوا اور آخر میں نے یہ نوٹ لکھنے کا فیصلہ کیا اس کے سوا میرے پاس اور کیا چارہ کار تھا۔ اس موقع پر مجھے لاہور میں موجود رہنے کا حکم دیا گیا ہے سب متعلقہ لوگ بھی قدرت اللہ شہاب سمیت وہاں موجود ہوں گے" (صفحہ 156۔157) ڈاکٹر آفتاب احمد خان صاحب کے اس بیان سے شہاب صاحب کے ڈرامائی بیان کی قلعی کھل جاتی ہے۔ ہیں ستارے کچھ نظر آتے ہیں کچھ۔ دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا۔

شہاب نامہ میں ایوان صدر کے اندر کی باتیں بہت بیان ہوئی ہیں۔ قاری یہ بھی دیکھتا ہے کہ ملک کا صدر آئین کو ردی کا غذ کہتا ہے اور پھر جب اسے منسوخ کر دیتا ہے تو اس کی چھاؤں سے محروم ہو کر در بدر پھرتا بھی ہے۔

صدر ایوب کا زمانہ چونکہ مصنف شہاب نامہ کا طویل ترین دور اقتدار تھا اس لئے ان کی شخصیت کے بارہ میں قاری کو بہت کچھ معلوم ہوتا ہے اور ان کے بارہ میں شہاب صاحب نے بے رحمی کا مظاہرہ بھی نہیں کیا اگرچہ انہیں

معاف بھی نہیں کیا۔ جہاں صدر ایوب نے مصنف کو آٹھ مربعے پیش کئے ہیں وہیں مصنف نے ایک فقرہ صدر کی کردارکشی میں لکھ ڈالا ہے کہ "وہ خود زمینوں کا بہت شوق رکھتے تھے"۔ مگر ان کے شوق کی کوئی مثال نہیں دی۔ جس موقع پر شہاب صاحب نے یہ فقرہ لکھا ہے وہ موقع ہرگز اس بات کے کرنے کا نہیں تھا۔ ورنہ بچارے غلام محمد اور یحییٰ خاں تو ان کی نفرت کی زد پر رہے۔ وہ مثالی بیوروکریٹ ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر ایسی باتیں کر جاتے ہیں جو کوئی بیوروکریٹ نہیں کیا کرتا۔ وہ جب چاہتے ہیں بیوروکریٹ بن جاتے ہیں جب چاہتے ہیں تلوار ہاتھ میں لے کر "مخالف" پر پل پڑتے ہیں۔

شہاب نامہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ اچھا بیوروکریٹ بننے کے لئے چند اصولی شرائط لازمی ہیں مگر وہ ان شرائط میں یہ شرط لکھنا بھول گئے کہ اچھا بیوروکریٹ اچھا انسان بھی ہوتا ہے، عدل و انصاف اس کا زیور اور بلا خوفِ لومتِ لائم سچ کہنا اس کا فرض ہوتا ہے۔ شہاب نامہ پڑھنے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے جیسے شہاب صاحب کے علاوہ جتنے لوگ کاروبارِ حکومت میں شریک تھے وہ سارے کے سارے اچھے بیوروکریٹ کے اوصاف سے عاری تھے صرف ان کی ذات ہی تمام خوبیوں کا سرچشمہ اور منبع تھی۔ یہ کتاب ایک نیک خو آدمی کی انا پرستی کا نادر نمونہ ہے۔ وہ منکسر المزاج آدمی ہیں مگر تعصب میں ان کی صفت انکسار مغلوب ہو جاتی ہے۔ وہ عدل کرنا چاہتے ہیں مگر ان کی میزان ایک طرف جھکی ہوئی ہے۔

شہاب نامہ ایک ایسے انسان کی سرگزشت ہے جو اپنی ذات میں دیندار مخلص مسلمان مذہبی اقدار کا پاس لحاظ رکھنے والا ہے۔ خاکِ مدینہ کو آنکھوں کا سرمہ بنانے والا اور درود شریف کو زندگی بھر کا وظیفہ بنانے والا ہے مگر ساتھ کے ساتھ پرلے درجہ کا توہم پرست اور ضعیف الاعتقاد بھی ہے۔ کٹک کی 18 سول لائنز کی کوٹھی (صفحہ 248) کے واقعات ان کے توہم پرست ذہن کے غماز ہیں۔ شہاب صاحب اپنے نفس کو سزا دینے کے لئے اپنے سر پر جوتے مارنے کا علاج بچپن سے کرتے آئے ہیں (صفحہ 150) بلکہ بہت بڑے ہو جانے کے باوجود ان کی یہ بچگانہ عادت قائم رہی۔ روم کے ہوائی اڈہ پر فلسطین کے خفیہ مشن پر روانہ ہوتے وقت "میں نے اپنے پاؤں کا جوتا کھولا اور اسے ہاتھ میں لے کر سات آٹھ بار اپنے سر پر زور زور سے مارا غالباً اس جھاڑ پھونک سے خوف و ہراس اور کمزوری اور بزدلی کے بھوت کا سایہ اتر گیا" (صفحہ 1121)۔ اس عمل سے ان کی جو نفسیاتی پرتیں واضح ہوتی ہیں ان کا تجزیہ کرنا ماہرِ نفسیات کا کام ہے اور کسی وقت کوئی نفسیات داں ضرور ایسا پیدا ہوگا جو اس امر پر روشنی ڈالے گا۔ اب تک تو شہاب صاحب کی افسرانہ حیثیت کا اتنا دباؤ ہے کہ لوگ ان کی ہر بات کو بلا چون و چرا، درست تسلیم کرتے چلے جاتے ہیں۔

شہاب صاحب نے سفارت کے موضوع پر پورا ایک مقالہ قلمبند کیا ہے۔ ظاہر ہے شہاب صاحب ایک اچھے سفیر بھی تھے "یہ عجیب و غریب مخلوق ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے نظر آتی ہے۔ ان سب کی وضع قطع تراش خراش چال ڈھال لب و لہجہ اور بندھی بندھائی پٹی پٹائی اصطلاحات و تلمیحات و محاورات پر اس محدود چار دیواری کی چھاپ ہوتی ہے جسے عرفِ عام میں ڈپلومیٹک اینکلیو کہا جاتا ہے۔۔۔ گفتگو میں وہ چھپاتے زیادہ اور بتاتے کم ہیں اور ذو معنیٰ اور گنجلک بات کو ابہام کی سان پر چڑھانا ان کا خاص طرہ امتیاز ہے۔۔۔ کہا جاتا ہے کہ سفارت کاری کا فن یونانی علم الاصنام کے ایک دیوتا ہیم کے زیر سایہ جنم لے کر پروان چڑھا اور یہ نہایت دلچسپ اور معنیٰ خیز اتفاق ہے کہ یونانی دیومالا میں اسی نام کے ایک دیوتا کو بیک وقت جھوٹوں، اٹھائی گیروں، آوارہ گردوں اور لچوں لفنگوں کا سرپرست بھی مانا جاتا ہے" (صفحہ 1025)۔

شہاب نامہ اپنے انداز بیان الف لیلوی واقعات افسانوی تجسس انگیزی اور اپنی رواں دواں اور شگفتہ زبان کی وجہ سے ادب میں مدتوں یاد رکھا جائے گا اور اگر تاریخ کی بے رحم سرچ لائٹ نے ان کے بیان کردہ "حقائق" کا پردہ چاک نہ کر دیا تو اس کی تاریخی حیثیت بھی برقرار رہے گی مگر خدا معلوم شہاب صاحب نے جوش صاحب کے بے مثال انداز بیان کو اپنانے کی بھونڈی کوشش کیوں کی ہے؟ "ان بچاری میموں نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا کہ ان کی زلفوں، پیشانیوں، بھوؤں، آنکھوں، گالوں، ہونٹوں، دانتوں، ٹھوڑیوں، گردنوں، سینوں، بازوؤں، انگلیوں، ناخنوں، کمروں،

کولہوؤں، پنڈلیوں، اور ایڑیوں کو فصاحت و بلاغت کے مبالغوں میں بھگو بھگو کر عجیب وغریب تشبیہوں اور استعاروں اور تلمیحوں کے سانچے میں ڈھالا جائے گا" (صفحہ 209)۔

شہاب نامہ کا ایک پہلو اور ہے جو قابلِ غور ہے کہ شہاب صاحب نے بقول خود" خود احتسابی کی کدال سے اپنا اندر باہر کرید کرید کر" یہ باتیں لکھی ہیں (صفحہ 10) اور" رنجشوں، کدورتوں، اور تنازعوں کو ہمیشہ عارضی اور دوستیوں محبتوں کو دائمی جانا ہے" (صفحہ 11) ان کے والدِ ماجد نے انہیں نصیحت کی تھی کہ" کسی کی پیٹھ پیچھے وہی بات کہو جو اس کے منہ پر بھی کہہ سکو" (صفحہ 145) شہاب صاحب نے اس بات کو پوری طرح نبھایا تو نہیں مگر" ایک حد تک انہیں اس پر عمل کی توفیق نصیب ہوتی رہی" (صفحہ 11) اور پھر شہاب صاحب کا کہنا ہے کہ ریٹائرمنٹ کے بعد ہر سرکاری ملازم کو حق حاصل ہے کہ وطن کے دفاع اور سالمیت کے ریاست کے راز کو فاش کئے بغیر وہ اپنے مشاہدات اور تجربات کو آزادی سے بیان کرے۔۔۔ میں نے اس موقف کو اپنا کر یہ کتاب لکھی ہے دنیا بھر میں یہی چلن رائج ہے" (صفحہ 18)۔

خودنوشت سوانح یا میمائرز لکھنے والوں کو زمانے نے یہ حق ضرور دیا ہے کہ وہ اپنے تجربات اور مشاہدات کو بیان کریں مگر یہ حق کسی نے نہیں دیا اور نہ ہی اس کا رواج ہے کہ وہ اپنی نفرتوں اور کدورتوں کو عام کریں۔ پھر تنقیدی اجازتیں ایک طرف رکھ دیں تو بھی یہ بات نامناسب لگتی ہے۔ شہاب صاحب اول و آخر ایک مسلمان ہیں اور اچھے مسلمان ہیں مگر انہیں اس بات کا خیال نہ آیا کہ اسلامی علم کلام میں وفیات کے باب میں بنیاد ہی اُذکُروا مَوتکُم بِالخَیر پر رکھی گئی ہے کہ مرنے والوں کو اچھے لفظوں میں یاد کیا کرو۔ شہاب صاحب نے یہاں بھی اپنی روایتی بیوروکریٹ کی ٹوپی سر پر رکھ لینے کا عمل روا رکھا ہے۔ پی۔ جی وڈہاؤس کی یہ بات انہیں بہت پسند ہے کہ" وہ زبان پر اس قدر حاوی رہتا ہے کہ موم کی ناک کی طرح اسے جس طرح چاہے مروڑ کر اپنے بے نظیر اسلوب میں ڈھال لیتا ہے" (صفحہ 108) شہاب صاحب نے یہ سلوک تاریخ سے روا رکھا ہے۔ انہی کے ہم عصر خود نوشت نگار صدیق سالک نے اپنی کتاب سیلیوٹ کے دیباچہ میں لکھا ہے" میں نے وقائع نگاری کی آڑ میں فسانہ طرازی کی ہے نہ شخصیت نگاری کے لبادے میں کسی کی کردار کشی۔ میری نظر واقعات کی صحت اور میری سماعت ضمیر کی آواز پر رہی ہے اور مجھے خودنوشت کا اس سے بہتر اسلوب معلوم نہیں" (سیلیوٹ دیباچہ)۔

شہاب صاحب نے پتہ کی بات کہی ہے کہ" انسان کے اندر ایک ایسی خود کار مشین نصب ہوتی ہے جو اندرونی اضطراب کے وقت اسے اپنی مرضی کی سکون آور گولیاں بنا بنا کر کھلاتی رہتی ہے" (صفحہ 718)۔ اس کی مثال شہاب صاحب کی انا کی گولیاں ہیں جو انہیں اندر سے مل رہی ہیں۔ مثلاً قیام پاکستان کے معاً بعد انتظامیہ کا بوجھ انہیں افسروں کو اٹھانا تھا جو انڈین سول سروس کے لوگ تھے۔ اتفاق یہ ہوُا کہ شہاب صاحب کی سروس اس وقت صرف سات برس تھی اور سینئر لوگ ان سے کہیں سینئر تھے۔ ان لوگوں کے بارہ میں ان کا یہ لکھنا کس قدر مضحکہ خیز لگتا ہے کہ" اعلیٰ سطح کے بیشتر افسر برطانوی عہد کے تربیت یافتہ تھے ان کے کمال کا جوہر بندھی بندھائی پالیسیوں پر عمل کرنے، سکونیاتی جمود کو ثبات دینے اور مروجہ روشوں کو جوں کا توں رکھنے میں مضمر تھا وہ انگریزی نظام حکومت کی لکیر کے فقیر تھے آزادی کے تقاضوں کو نئی پالیسی کے سانچے میں ڈھالنا ان کے بس کا روگ نہ تھا"۔۔۔" ہماری وزارت خارجہ کے بالائی افسر سب کے سب پرانی آئی سی ایس کے ممبر تھے۔۔۔ اپنے مزاج، پس منظر، رجحانات، تعصّبات اور ٹریننگ کی وجہ سے یہ سب لوگ پاکستان کی خارجہ پالیسی کو بین الاقوامی تعلقات کے تنے ہوئے رسے پر حقیقت پسندانہ مہارت سے چلانے سے قاصر تھے" (صفحہ 444)۔

یہ رائے دینے والا اپنے سب کے سب سینئر افسروں کو بیک قلم نا اہل قرار دے رہا ہے غالباً مصنف کا مطلب ہے کہ آسمان سے فرشتے اترتے کہ وہ یہ کام سنبھالتے یا" مصنف" اس مرتبہ پر ہوتا تو شاید پاکستان کی خارجہ پالیسی کو بین الاقوامی تعلقات کے تنے ہوئے رسے پر چلا سکتا۔ اس سے بڑی سکون آور گولی کوئی انا پرست اور کیا کھائے گا۔ اسی قسم کی انا پرستی کا ایک نمونہ

اور بھی آیا ہے کہ صدر ایوب کو" جو اقتصادی اور معاشی امور کے مشیر یا ماہر میسر آئے وہ یا تو نہایت لائق فائق قابل اور مستعد اکاؤنٹنٹ تھے یا غیر معمولی طور پر ذہین فطین سول سرونٹ تھے جن کا خاص طرہ امتیاز یہ تھا کہ ورلڈ بنک، انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ اور دیگر بین الاقوامی اداروں کی اصطلاحات اور جارگن نہایت خوش اسلوبی سے اپنا کر اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیتے تھے"۔۔۔" اس طرح پاکستان کی جدید اکانومی کا طیارہ سیکنڈ کلاس پائلٹوں کے ہاتھ میں آ کر تھرڈ ریٹ پٹرول کے سہارے بلند ترین فضاؤں میں پرواز کے لئے تیار کھڑا تھا۔" (صفحہ 839)۔

یہاں بھی یہ خواہش پکار پکار کر کہہ رہی ہے اے کاش اس اکانومی کو چلانے کا شرف مصنف کو ملتا تو ملک کے سارے دلدر دور ہو جاتے اور پاکستان کی اکانومی کا طیارہ سیکنڈ کلاس پائیلٹوں کے ہاتھ میں نہ رہتا۔اس کی دلیل آپ نے یہ دی ہے کہ" یہ سب لوگ اپنی اپنی جگہ بڑے عہدیدار تھے لیکن بنیادی طور پر ان کی تعلیم یا تو محاسبوں منیموں اور جمع خرچ نویسوں کے طور پر ہوئی تھی یا وہ ڈپٹی کمشنر کمشنر اور جائینٹ سیکریٹری کے مرحلوں سے بہ خیر خوبی گذر کر ملک بھر کے اقتصادی اور منصوبہ بندی کے امور پر قابض ہو گئے تھے" (صفحہ 847)" قابض" ہو گئے تھے کا لفظ یہ بتا تا ہے کہ یہ لوگ مصنف کا حق مار کر ان مراتب جلیلہ پر قابض ہو گئے تھے۔حالانکہ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی شہاب صاحب نے سول سروس کے دوران اپنے استحقاق سے بھی بعض اوقات بڑھ کر ترقی حاصل کی تھی" اپنی سروس کے دوران میں نے کبھی پوسٹنگ یا ٹرانسفر کے لئے کسی قسم کی سفارش یا خوشامد سے کام نہیں لیا اس کے باوجود مجھے اچھے سے اچھا عہدہ نصیب ہوتا رہا۔'' (صفحہ 10)۔

اس اظہار محرومی سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ باقی لوگوں نے سفارش یا خوشامد درآمد سے یہ اعلیٰ عہدے حاصل کر لئے تھے ایسا کہنا کسی اچھے بیوروکریٹ کو کم از کم زیب نہیں دیتا۔اور یوں بھی محرومیوں ناکامیوں کا رونا رونا خودنوشت کے اصول کے منافی ہے۔

ماخذ:

http://niazamana.com



حسین یاد

ثاقب زیروی

آئی ہے یاد آج پھر اس حق پرست کی
جس نے حریمِ عرشِ بریں کو ہلا دیا

جس نے حیاتِ تازہ کے نغمے الاپ کر
مُردوں کو زندگی کا قرینہ سکھا دیا

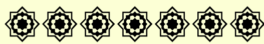
صدق و صفا کی شمعیں جلائیں کچھ اسطرح
نور محمدی سے جہاں جگمگا دیا

ڈالی جو خاک پر کبھی مچلی ہوئی نگاہ
ہر ذرہ حقیر کو سونا بنا دیا

اللہ رے اُس جری کے عزائم کی آب و تاب
طوفاں ٹھہر گئے وہ اگر مسکرا دیا

بھر کر دلوں میں ذوق یقیں، ذوق حریت
روندے ہوؤں کو عرش کا تارا بنا دیا

میں اس حسین یاد کو دل میں بساؤں گا
اک لازوال نقش محبت بناؤں گا





مینارے گرائے اور چرچ جلائے گئے: باقی پاکستان ہوشیار باش

(از الم نگار۔ بشکریہ ہم سب مورخہ 17 اگست 2023ء)



آج ایک بار پھر پاکستان کے شہریوں کا ایک طبقہ جوش اور غیرت سے بپھرا ہوا ہے۔ جڑانوالہ کی سڑکوں میں متعدد مقامات پر ہجوم کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے۔ گرجا گھروں سے دھواں اٹھ رہا ہے۔ مسیحی شہریوں کے گھروں کو مال غنیمت سمجھ کر لوٹا جا رہا ہے۔ رائٹرز کی خبر کے مطابق جڑانوالہ کے دو مسیحی شہریوں پر قرآن مجید کی توہین کا الزام لگایا گیا تھا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ یہ الزام لگایا گیا کہ جڑانوالہ میں قرآن مجید کے کچھ صفحات ملے ہیں جن کی بے حرمتی کی گئی تھی اور ان پر توہین آمیز الفاظ لکھے گئے تھے۔ مسیحی برادری کے دو افراد پر اس کا الزام لگایا گیا۔

اس پر مشتعل ہجوم نے کئی چرچوں اور درجنوں گھروں پر حملہ کر کے آگ لگا دی۔ اگر یہ پوچھو کہ کیا کسی عدالت میں اس الزام پر مقدمہ چلا تو جواب نفی میں ہے۔ اگر یہ سوال کرو کہ کیا یہ الزام ثابت کیا گیا تو اس کا جواب نفی میں ہے۔ پنجاب کے نگران وزیر اطلاعات نے یہ اطلاع تو دی کہ سو افراد کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ مگر پولیس اس وقت کیا کر رہی تھی جب بلوائی بے دھڑک اپنی کارروائی کر رہے تھے؟ قانون نافذ کرنے والے ادارے کہاں تھے؟ پنجاب کے نگران وزیر اطلاعات نے اس راز سے پردہ نہیں اٹھایا۔ ایسے واقعات کوئی پہلی مرتبہ تو نہیں ہوئے کہ معصوم سی بھولی بھالی پنجاب حکومت کو خبر ہی نہیں ہوئی اور بلوائی کارروائی کر گئے۔

کیا پنجاب حکومت کو یہ علم نہیں ہے کہ اس سے پہلے بھی متعدد مرتبہ پاکستان کے مسیحی شہریوں اور ان کے گھروں اور چرچوں کو نشانہ بنایا گیا تھا۔ کیا ملک چلانے والوں کو علم نہیں تھا کہ خاص طور پر پنجاب میں خود پولیس نے بغیر کسی عدالتی حکم کے متعدد مقامات پر احمدیوں کی عبادت گاہوں کے مینارے گرائے ہیں۔ یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے۔ اور ان اقدامات کی پشت پر تحریک لبیک کے کرتا دھرتا تھے۔

رائٹرز کے مطابق جڑانوالہ کے فسادات کی قیادت بھی تحریک لبیک کے کچھ لیڈر کر رہے تھے۔ اور تحریک لبیک کا کہنا ہے کہ وہ حالات کو قابو کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ کمال معصومیت ہے۔ خاکسار نے خود وہ ویڈیوز دیکھی ہیں جن میں تحریک لبیک کے لیڈر ہجوم کو اکسا رہے ہیں کہ اگر اس تاریخ تک ان کے مطالبات تسلیم نہ کیے گئے تو وہ خود احمدیوں کے عبادت گاہوں پر حمل کر کے ان کی عبادت گاہوں پر بنائے گئے مینارے منہدم کر دیں گے۔ کیا ریاست نے اس وقت ان لیڈروں کے خلاف کارروائی کی تھی؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ بلکہ ریاستی ادارے تو خود اس نام نہاد کارنامے میں ملوث ہو گئے۔ اب تشدد کی اس لہر نے مسیحی گرجا گھروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

جو ہوا سو ہوا لیکن کیا اب یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا؟ احمدیوں کی عمارتوں کے مینارے منہدم کیے گئے تو ایک طبقہ نے تالیاں پیٹیں۔ اب گرجا گھروں سے دھواں اٹھ رہا ہے اور مسیحی برادری کے گھر لوٹے جا رہے ہیں تو یہ طبقہ کسی فقیہ مصلحت کی طرح مصلحت آمیز خاموشی اختیار کرے گا۔ اور اپنے منہ میاں مٹھو بن کر یہ رٹے رٹائے جملے دہرائے گا کہ پاکستان میں ہر مذہب سے وابستہ اشخاص کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہے۔ اور اسے اپنے حصہ کی چوری مل جائے گی۔ لیکن کیا مسلمانوں کے مختلف فرقے اور ان سے وابستہ اشخاص محفوظ رہیں گے؟

تحریک لبیک اور اس جیسی دوسری تنظیموں کے ہاتھ میں سب سے بڑا ہتھیار توہین قرآن اور توہین مذہب جیسے الزامات ہیں اور ان ہتھیاروں کو استعمال کر کے وہ ہر کچھ دیر ملک کے ایک حصہ میں فسادات برپا کر دیتے ہیں۔ کیا بلاسفیمی کے الزامات صرف غیر مسلموں پر لگائے گئے ہیں اور مسلمانوں کے مختلف فرقے

اس سے محفوظ رہے؟ 2021 کے بارے میں ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کی رپورٹ کے صفحہ 140 پر آپ کو اس سوال کا جواب مل جائے گا۔جن لوگوں پر اس قسم کے الزامات لگائے گئے ان میں سے پچاس فیصد سے زیادہ لوگ مسلمان تھے۔اور گزشتہ کئی برسوں کی رپورٹیں اٹھا کر ملاحظہ فرمالیں،اس قسم کے سب سے زیادہ مقدمات پنجاب میں قائم کیے گئے تھے۔اسی صوبہ میں جہاں آج گرجا گھروں سے آگ کے شعلے اٹھ رہے ہیں۔

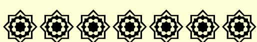
لیکن اب اس آگ کو مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کی عمارتوں اور گھروں تک پہنچانے کے لئے کسی نئے فتوے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔اس قسم کے فتوے تو کم بیش سو سال پہلے ہی صادر کیے جا چکے ہیں،جن کا سہارا لے کر یہ آگ بھڑکائی جاسکتی ہے۔جس کسی نے بھی تحریک لبیک کے قائدین اور خاص طور پر خادم حسین رضوی صاحب کے تقاریر کی ویڈیوز سنی ہیں،وہ جانتے ہیں کہ ان کی تقاریر میں بار بار احمد رضا خان صاحب بریلوی کے پیرو کار ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔اور خود خادم حسین رضوی صاحب نے اپنے ایک بیان میں فخریہ طور پر یہ ذکر کیا تھا کہ مجھے تو خود احمد رضا خان صاحب بریلوی کے خاندان کے لوگ یہ کہتے ہیں کہ لکھا احمد رضا خان بریلوی صاحب نے تھا اور پڑھا خادم حسین رضوی نے ہے۔

ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس مسلک کو پسند کرے اس کی پیروی کرے۔میں احمد رضا خان صاحب بریلوی کی تالیف ’حسام الحرمین‘ میں درج کچھ فتوے پیش کرتا ہوں۔اس مثال سے ظاہر ہو جائے گا کہ اس کالم میں کن خطرات کی نشاندہی کی جارہی ہے۔

اس کتاب کا پس منظر یہ ہے کہ مولف نے بعض فرقوں کی کتابوں کے حوالے حجاز کے علما کو بھجوا کر فتویٰ طلب کیا اور لکھا کہ ان کی تحریروں میں رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کی گئی ہے اور یہ علماء عام لوگوں کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نہایت پست گفتگو کرتے ہیں۔اور وہ اپنا لٹریچر شائع کر کے پورے ہندوستان میں پھیلا رہے ہیں اور اس توہین کے باوجود علماء بھی کہلاتے ہیں۔جن علماء کی تحریروں کو بھجوا کر ان کے بارے میں فتوے طلب کیے گئے تھے ان میں بانی دارالعلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی صاحب،مشہور دیوبندی عالم رشید احمد گنگوہی صاحب،اہل حدیث کے مشہور عالم مولوی نذیر حسین دہلوی صاحب اور اشرف علی تھانوی صاحب بھی شامل تھے۔

اور عرب سے جو جوابی فتاویٰ موصول ہوئے تھے وہ اس قسم کے تھے یہ سب نظریات فاسد،باطل اور کفر ہیں۔اور ان کے کفر میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے اور جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہو جاتا ہے۔اور ان عرب علمانے لکھا کہ ان میں سے بعض تحریروں میں انبیا کی شان میں گستاخی کی گئی ہے۔ان فتاویٰ میں یہ بھی لکھا تھا کہ ان میں سے بعض عقائد ایسے گمراہ اور مفسد ہیں کہ بادشاہ اسلام پر فرض ہے کہ ان کو سزا دے اور قید میں ڈالے اگر یہ پھر بھی توبہ نہ کریں تو ان کی گردنیں اڑا دے۔اور یہ فتویٰ بھی دیا گیا کہ بادشاہ اسلام پر فرض ہے کہ ان کے وجود سے زمین کو پاک کرے۔اور یہ حوالہ دیا کہ امام غزالی نے تو کہا ہے اگر سلطان اسلام ایسے کسی شخص کو قتل کرے تو یہ ہزار کافروں کو مارنے سے بہتر ہے۔اور عرب کے ایک عالم نے ان تحریروں کے مطالعہ کے بعد یہ جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی شان گھٹانے والا واجب القتل ہے۔اور ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہندوستان کے فتنہ گر مولوی سخت سزا کے مستحق ہیں۔

اس کالم میں صرف ایک کتاب کی مثال پیش کی گئی ہے اور اس جیسی بیسیوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔جن میں مختلف فرقوں کی کتب میں دوسرے فرقہ کے لوگوں پر توہین مذہب جیسے الزامات لگائے گئے ہیں۔اور یہ کتب معروف ہیں۔اگر یہ سلسلہ جاری رہا کہ ایک گروہ کسی اور گروہ پر توہین مذہب اور توہین قرآن جیسے الزامات لگا کر قانون اپنے ہاتھ میں لے اور قتل و غارت اور آگ لگانے کا سلسلہ شروع کر دے تو یہ سلسلہ کسی ایک مذہب یا مسلک سے وابستہ افراد پر نہیں رکے گا بلکہ جاری رہے گا اور کوئی بھی عاقبت نااندیش ایسے حوالے پیش کر کے مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان خانہ جنگی کی کیفیت پیدا کر سکتا ہے۔اس لئے نہ صرف حکومت بلکہ تمام پاکستانیوں کو چاہیے کہ وہ پوری قوت سے ایسے فسادات کا راستہ روکیں ورنہ کوئی بے لگام گروہ اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے پاکستان میں خون کی ہولی شروع کر سکتا ہے۔مینارے گرائے گئے،چرچ جلائے گئے،مسیحی برادری کے گھر لوٹے گئے لیکن یہ سلسلہ یہاں پر رکے گا نہیں بلکہ ایک کے بعد دوسرے گروہ کو اپنی لپیٹ میں لیتا جائے گا۔اس لئے پاکستانی قوم ہوشیار باش۔





اسلاموفوبیا اور عیدالاضحیٰ پر قرآن سوزی

(انجینئر محمود مجیب اصغر، سویڈن)

عظمت قرآن

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''یہ قرآن جو تم پر اُتارا گیا اگر کسی پہاڑ پر اُتارا جاتا تو وہ خشوع اور خوف الٰہی سے ٹکڑہ ٹکڑہ ہو جاتا اور یہ مثالیں ہم اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تا لوگ کلام الٰہی کی عظمت معلوم کرنے کے لئے غور اور فکر کریں۔'' (سورۃ الحشر آیت 22 بحوالہ تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد 7 صفحہ 386)

معاندین کے منصوبے

عیدالاضحیٰ کے روز قرآن عظیم جلانے کے اندوہناک واقعہ سے ہمارے دل جل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۃ الاحزاب کی آیت 59 میں فرماتا ہے "اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو اذیت پہنچاتے ہیں بغیر اُس (جرم) کے جو انہوں نے کمایا ہو تو انہوں نے ایک بڑے بہتان اور کھلم کھلا گناہ کا بوجھ اٹھالیا" (ترجمہ قرآن کریم حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ)

اسلاموفوبیا

آجکل اسلام سے نفرت اور بغض وعناد اور تعصب کے لئے اسلاموفوبیا کی اصطلاح استعمال ہو رہی ہے۔ ویکیپیڈیا میں اس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

Islamophobia is the fear of, hatred of, or prejudice against the religion of Islam or Muslims in general, especially when seen as a geopolitical force or a source of terrorism.

ترجمہ: اسلاموفوبیا مذہب اسلام یا عام طور پر مسلمانوں کے خلاف خوف، نفرت، یا تعصب ہے، خاص طور پر جب اسے جغرافیائی سیاسی قوت یا دہشت گردی کے ذریعہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔

جب کہ اسلام امن سلامتی سکون اور محبت و پیار کا مذہب ہے۔ اسلام احمدیت میں "محبت سب کے لئے اور نفرت کسی سے نہیں" قرآن کی تعلیم کا خلاصہ ہے جو عالمگیر ماٹو بن چکا ہے۔

اکمال دین اور اسلام

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے "آج میں نے دین تمہارا کامل کیا اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا اور میں تمہارا دین اسلام ٹھہرا کر خوش ہوا" (سورۃ المائدہ آیت 4 بحوالہ تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد 4 صفحہ 12)

اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

"یعنی دین کا انتہائی مرتبہ وہ امر ہے جو اسلام کے مفہوم میں پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ محض خدا کے لئے ہو جانا اور اپنی نجات اپنے وجود کی قربانی سے چاہنا، نہ اَور طریق سے، اور اس نیت اور اس ارادہ کو عملی طور پر دکھلا دینا۔ یہ وہ نکتہ ہے جس پر تمام کمالات ختم ہوتے ہیں" (تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد 4 صفحہ 12)

اکمال دین کا عیدالاضحیٰ سے تعلق

حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ نے فرمایا ''۔۔۔ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ایک آیت آپ کی کتاب میں ہے۔ اگر ہماری کتاب میں ہوتی تو جس دن وہ اُتری تھی اُسے عید کا دن قرار دیتے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ وہ کون سی آیت ہے تو اُس نے یہ آیت پڑھی اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا جناب عمرؓ نے فرمایا کہ یہ آیت کب نازل ہوئی؟ کس وقت نازل ہوئی؟ کہاں نازل ہوئی؟ مَیں اسے خُوب جانتا ہوں۔ وہ جمعہ کا دن تھا۔ وہ عرفہ کا دن تھا۔ وہ اسی عیدالاضحیٰ کا مقدمہ تھا۔ عرفات میں نازل ہوئی تھی۔" (حقائق الفرقان جلد دوم صفحہ 78,77)

قرآن کی عظمت کا اعتراف

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتب میں بعض نامور

انگریزوں کے حوالے دیے ہیں جنہوں نے قران کریم اور اسلام کی حمایت میں کتابیں لکھی ہیں۔فرمایا:

''یہاں تک کہ لائل صاحب (Thomas Carlyle۔ناقل) اور جون ڈیون پورٹ (John Davenport۔ناقل) نامی انگریزوں نے جن کی کتاب حمایت اسلام وغیرہ چھپ کر ہندوستان میں بھی آ گئی ہیں قرآنی عظمتوں اور اس کی پاک توحید پر ایسی شہادتیں دیں کہ باوجود بہت سے موانع تعصب کے انہیں کہنا پڑا کہ فرقان مضامینِ توحید میں اور عیوب سے منزہ ہونے میں ایک بے مثل کتاب ہے جس کے عقائد بالکل عقل کے مطابق اور ایک حکیم کا مذہب ہوسکتا ہے۔'' (شحنۂ حق روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 403)

ان کے تفصیلی بیان بھی حضور نے دیے ہیں۔فرمایا:

''مسلمان قرآن شریف کی ایسی عظمت کرتے ہیں کہ عیسائیوں نے اپنی انجیل کی کبھی ایسی تکریم ہوتے نہیں دیکھی قرآن شریف میں صرف احکام مذہبی و تہذیب اخلاق ہی کا ذکر نہیں بلکہ گبن (Gibbon۔ناقل) صاحب کا قول ہے کہ اوقیانوس سے گنگا تک قرآن شریف مجموعہ قوانین مانا جاتا ہے۔قرآن میں قوانین دیوانی و فوجداری و سلوک باہمی پائے جاتے ہیں اور وہ مسائل نجات روح و حقوق عامہ و حقوق شخصی و نفع رسانی خلائق وغیرہ پر حاوی ہے منجملہ محاسن و خوبیوں قرآن کے جس پر اہل اسلام کو ناز کرنا بجا ہے دو باتیں نہایت عمدہ ہیں۔ اوّل قرآن شریف کی وہ خوش بیانی جس میں خدائے تعالیٰ کا ذکر ہے اور جس کے سننے سے آدمی کے دل پر ایک طرح کا اثر پیدا ہوتا اور خوف آتا ہے۔ دوسرے قرآن تمام ان خیالات سے مبرّا ہے جو خلاف تہذیب خیال کئے جا سکتے ہیں اور اس کے تمام اصول ایسے ہیں جو کوئی ان میں سے خلاف عقل نہیں مگر افسوس کہ یہ عیب یہودیوں کی مقدس کتابوں میں اکثر واقعہ ہیں۔اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کے اصول میں سب کو اتفاق ہے اور کوئی ایسی بات نہیں جو زبردستی مان لینی پڑے اور سمجھ میں نہ آوے۔ فقط۔یہ بیان قرآن شریف کی نسبت تو جان بورٹ صاحب کا ہے اور ایسا ہی کارلل صاحب اپنی کتاب کی جلد 6 صفحہ 214 میں لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کے پڑھنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ صادق کا کلام ہے اور صداقت سے پُر ہے۔۔۔'' (سرمہ چشم آریہ روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 195)

اشاعت قرآن کا عظیم منصوبہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک مرتبہ فرمایا ''آج رات میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا۔آپؐ مجھ کو بارگاہِ ایزدی میں لے گئے اور وہاں سے مجھے ایک چیز ملی جس کے متعلق ارشاد ہوا کہ یہ سارے جہان کو تقسیم کر دو'' (تذکرہ مجموعہ الہامات،کشوف ورؤیا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام ایڈیشن چہارم 2004ء صفحہ 694)

اس سے مراد قرآن عظیم ہے جس کی عالمگیر اشاعت کے لئے جماعت احمدیہ کوشش کر رہی ہے۔ربوہ میں جدید پریس کا سنگ بنیاد رکھنے کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے فرمایا:

''بعثت مہدی معہود (علیہ السلام) کی ایک ہی غرض ہے اور وہ قرآن کریم کے خزائن کو بنی نوع انسان کے ہاتھوں تک پہنچانا ہے۔اشاعت قرآن کے سلسلہ میں تین مرحلے آتے ہیں۔ایک یہ کہ متن قرآن کریم کو ہر مسلمان کے ہاتھ میں پہنچادیا جائے۔یہی نہیں بلکہ متن قرآن عظیم کو دنیا کے ہر انسان کے ہاتھوں تک پہنچایا جائے۔۔۔دوسرا مرحلہ یہ ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ ہر قوم اور ہر ملک کی زبان میں کیا جائے تا کہ دنیا کے ہر خطہ کے لوگوں تک قرآن کریم کو اس کے معنے و مفہوم کے ساتھ پہنچایا جا سکے۔۔۔ہم نے ہر زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کرنا ہے۔۔۔اس کا ترجمہ سمجھنے لگ جائیں تو ہم ان کو قرآن عظیم کی تفسیر سے روشناس کرائیں۔تفاسیر کی طباعت ہو، ہر زبان میں ہو، ہر ملک کے لئے ہو، ہر قوم کے لئے ہو، ہر قبیلے کے لئے ہو۔یہ بڑا عظیم کام ہے۔یہ بہت وسیع کام ہے، یہ بڑا مشکل کام ہے، یہ وہ کام ہے جس کے کرنے کے لئے مہدی علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا ہے یہ کام اللہ تعالیٰ کے منشاء اور توفیق سے جماعت احمدیہ نے کرنا ہے۔۔۔ اگر اللہ تعالیٰ نے احمدیوں کے دلوں میں قرآن کریم کی محبت کی گرمی کو قائم رکھا تو ان شاء اللہ اگلے پچاس ساٹھ سال میں ہم اپنے کام کا ایک بڑا حصہ مکمل کر چکے ہوں گے۔''

(الفضل 15 جون 1973ء بحوالہ حیات ناصر جلد اول سیرت و سوانح نافلہ موعود حضرت مرزا ناصر احمد رحمہ اللہ خلیفۃ المسیح الثالث صفحہ 479-480)



حضرت مولوی عبدالقادرؓ۔چنگن ضلع لدھیانہ

(غلام مصباح بلوچ۔استاذ جامعہ احمدیہ کینیڈا)



حضرت مولوی عبدالقادر رضی اللہ عنہ ولد مامون خان صاحب اصل میں موضع چنگن (Changan) ڈاکخانہ ہمبڑاں تحصیل وضلع لدھیانہ کے رہنے والے تھے اور لدھیانہ کے ملحقہ گاؤں جمال پور (اب یہ گاؤں لدھیانہ شہر کے اندر آ گیا ہے) میں مدرس تھے۔ 24؍مارچ 1889ء کو لدھیانہ میں بیعت کی توفیق پائی، آپ کا نام رجسٹر بیعت اولیٰ میں 67 ویں نمبر پر درج ہے۔

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد اول صفحہ 346)

آپ حضرت اقدس علیہ السلام سے بہت محبت وعقیدت رکھتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے ''ازالہ اوہام'' کتاب میں آپ کا ذکر یوں فرمایا ہے:

''حبّی فی اللہ مولوی عبدالقادر جماپوری۔ مولوی عبدالقادر جوان، صالح، متقی، مستقیم الاحوال ہے۔ اس ابتلا کے وقت جو علماء میں بباعث نافہمی اور غلبہ سوءظن ایک طوفان کی طرح اُٹھا، مولوی عبدالقادر صاحب کی بہت استقامت ظاہر ہوئی اور اوّل المومنین میں وہ داخل رہے بلکہ دعوت حق کرتے رہے۔ ان کا گذارہ ایک تھوڑی سی تنخواہ پر ہے تاہم اس سلسلہ کی امداد کے لئے ...... پائی وہ ماہواری دیتے ہیں۔'' (ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 538)

آپ کو جماعت احمدیہ کے پہلے جلسہ سالانہ منعقدہ 1891ء میں شمولیت کا شرف حاصل ہوا، آپ کا نام شاملین جلسہ کی فہرست مندرجہ کتاب ''آسمانی فیصلہ'' میں موجود ہے۔ (روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 337)

اسی طرح جلسہ سالانہ 1892ء میں بھی شمولیت کا موقع پایا۔ آپ کا نام حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنے 313 کبار صحابہ میں 130 نمبر پر شامل فرمایا ہے۔

حضرت میاں کریم بخش رضی اللہ عنہ آف جمال پور نے جب میاں گلاب شاہ مجذوب کی پیشگوئی بیان فرمائی تو حضرت اقدس علیہ السلام نے اس کا ذکر اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' میں فرمایا۔ ساتھ ہی حضور علیہ السلام نے حضرت میاں کریم بخش صاحبؓ کی راست گوئی کے متعلق آپ کو خط لکھا کہ اہل علاقہ سے اُن کے متعلق گواہی لے لی جائے چنانچہ حضور علیہ السلام نے مورخہ 9؍جون 1891ء کو آپ کے نام مکتوب تحریر فرمایا:

مشفقی اخویم مولوی عبدالقادر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

اس وقت مخلصی میاں عبداللہ صاحب اس غرض سے آپ کے پاس آتے ہیں کہ مَیں نے میاں گلاب شاہ صاحب کی وہ تمام پیشگوئی کتاب ازالۂ اوہام میں درج کر لی ہے مگر ایک کسر اس میں باقی ہے اور وہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہے سو دو سو آدمی کی تصدیق سے میاں کریم بخش کی راست بازی اور صادق القول ہونے کی گواہی لی جائے، جس قدر ایسے آدمی ہوں اُسی قدر بہتر ہو سکیں گے۔۔ اور نیز اگر گاؤں میں اور آدمی میاں گلاب شاہ کے دیکھنے والے باقی ہوں اُن سے اِن کی نسبت بطور گواہی کچھ زیادہ دریافت کیا جائے۔ براہ مہربانی پوری پوری کوشش کر کے اس کام کو انجام دلا دیں، یہ نہایت ضروری ہے۔ فقط خاکسار غلام احمد از لودھانہ (الفضل 13 دسمبر 1942ء صفحہ 3)

چنانچہ آپ نے اہل علاقہ کی یہ گواہیاں تحریر کر کے حضرت اقدس علیہ

السلام کی خدمت میں بھجوائیں جنہیں کتاب ازالہ اوہام میں شامل کیا گیا ہے۔

لدھیانہ کے صحابہ میں حضرت مولوی عبدالقادرؓ نامی ایک اور صحابی کا نام بھی ملتا ہے اور وہ بھی 313 صحابہ میں شامل ہیں جس کی وجہ سے بعض اوقات پہچاننے میں مشکل پیش آتی ہے۔ 313 صحابہ کی فہرست میں 130 نمبر پر آپ کا اور 131 نمبر پر دوسرے صحابی حضرت مولوی عبدالقادر لدھیانوی رضی اللہ عنہ (وفات: 31/دسمبر 1920ء مدفون بہشتی مقبرہ قادیان) کا ذکر ہے۔ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''حضرت مولوی عبدالقادرؓ جن کا ذکر آئینہ کمالات اسلام کے نمبر 61،65، انجام آتھم کے نمبر 130 پر ہے ایک ہی شخص ہے، نمبر 65 ان کے گاؤں کا پتہ ہے۔ بڑے مخلص آدمی تھے، گلاب شاہ کی شہادت کے ذکر میں ان کی شہادت ازالہ اوہام میں ہے اور حضرتؑ نے ازالہ اوہام (میں) بعض مخلص احباب کے ذکر میں جو دوسرے حصہ کے آخر میں ہے نمبر 29 پر ان کا ذکر کیا ہے۔''

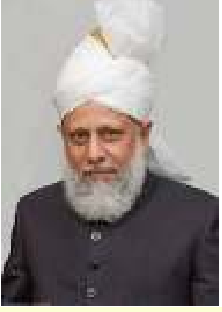
(اصحاب احمد جلد دوم مؤلفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے صفحہ 34 نیو ایڈیشن)

حضرت مولوی عبدالقادر رضی اللہ عنہ بفضلہ تعالیٰ 1/3 حصہ کے موصی تھے، آپ کا وصیت نمبر 527 تھا۔ آپ نے 26/اپریل 1932ء کو 87 سال کی عمر میں وفات پائی اور اپنے گاؤں چنگن میں ہی دفن ہوئے، یادگاری کتبہ بہشتی مقبرہ قادیان میں لگا ہوا ہے۔ (فہرست وفات یافتہ موصیان۔ الفضل 14 جون 1932ء صفحہ 2 کالم 3) آپ کی اہلیہ حضرت حشمت بی بی صاحبہ (وصیت نمبر 1238) نے مورخہ 26/اکتوبر 1947ء کو وفات پائی اور فیصل آباد میں دفن ہوئیں، یادگاری کتبہ بہشتی مقبرہ قادیان میں لگا ہوا ہے۔ (فہرست وفات یافتہ موصیان)

(بحوالہ الفضل آن لائن 17 فروری 2022ء)

وہ مدلل جواب لگتا ہے

عاصی صحرائی



پھول لگتا گلاب لگتا ہے
وہ بہاروں کا خواب لگتا ہے

کس محبت سے بات کرتا ہے
وہ مجسم رُباب لگتا ہے

آسماں کی زبان بولے ہے
وہ الٰہی کتاب لگتا ہے

حسن اُس پر تمام اُترا ہے
مہر اور ماہتاب لگتا ہے

اس کو چندا کہوں کہ میں تارا
وہ حسیں بے حساب لگتا ہے

آندھیوں میں قلعے کی مانند ہے
دُھوپ میں وہ سحاب لگتا ہے

اس کے آگے سوال کیا ٹھہریں
وہ مدلل جواب لگتا ہے

اس سے مل کر مہک نہیں جاتی
ہاتھ اُس کا گلاب لگتا ہے

ہر سطر پر عنائتوں کے حروف
وہ محبت کا باب لگتا ہے

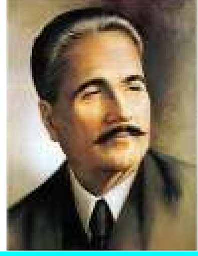
ہم تو بس اس کے ہیں، اسی کے ہیں
وہ ہمیں انقلاب لگتا ہے

جب بھی ہم دور تک نظر ڈالیں
بس وہی کامیاب لگتا ہے

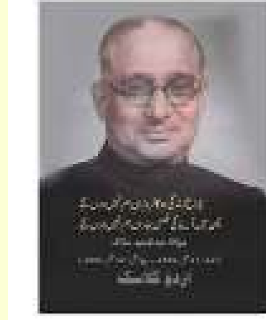
ہم سے عاصیؔ جو اس کے ساتھ چلیں
چاند سا ہم رکاب لگتا ہے



لفظی الہام اور علامہ اقبال



از مکرم مولوی غلام باری صاحب سیف پروفیسر جامعۃ المبشرین



مولانا عبدالمجید صاحب سالک نے ایک کتاب ذکر اقبال کے نام سے شائع کی ہے جسے بزم اقبال نے شائع کیا ہے اس کے صفحہ ۲۴۴ پر الہام لفظی کے عنوان کے ماتحت سالک صاحب لکھتے ہیں:۔

''ایک دفعہ کا ذکر ہے فارمن کرسچن لاہور کا سالانہ اجلاس تھا جس میں علامہ بھی مدعو تھے کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس نے علامہ سے کہا کہ آپ چائے اور اجلاس سے فارغ ہونے کے بعد ذرا ٹھہریئے مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے ڈاکٹر لوکس تقریب سے فارغ ہونے کے بعد علامہ کے پاس آئے اور سوال کیا کہ آیا آپ کے نزدیک آپ کے نبیؐ پر قرآن مجید کا مفہوم نازل ہوا تھا جسے وہ آپ الفاظ میں بیان کر دیتے تھے یا الفاظ بھی نازل ہوتے تھے؟ علامہ نے صاف جواب دیا کہ میرے نزدیک قرآن کی عبارت عربی زبان میں آنحضرت ﷺ پر نازل ہوئی تھی یعنی قرآن کے مطالب ہی نہیں بلکہ الفاظ بھی الہامی ہیں ڈاکٹر لوکس نے اس پر بہت تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ جیسا اعلیٰ پایہ کا فلسفی Verbal Inspiration (الہام لفظی) پر کیونکر اعتقاد رکھ سکتا ہے علامہ نے ارشاد فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب میں اس معاملہ میں کسی دلیل کا محتاج نہیں مجھے تو خود اس کا تجربہ حاصل ہے میں پیغمبر نہیں ہوں محض شاعر ہوں جب مجھ پر شعر کہنے کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو مجھ پر بنے بنائے اور ڈھلے ڈھلائے شعر اُترنے لگتے ہیں اور میں انہیں بعینہٖ نقل کر لیتا ہوں بارہا ایسا ہوا ہے کہ میں نے ان شعروں میں کوئی ترمیم کرنی چاہی لیکن میری کوئی ترمیم اصل اور نازل شدہ شعر میں بہت ہی ہیچ نظر آئی اور میں نے شعر کو جوں کا توں رکھا۔ جس حالت میں ایک شاعر پر پورا شعر نازل ہو سکتا ہے تو اس میں کیا مقام تعجب ہے کہ آنحضرت صلعم پر قرآن کی ساری عبارت لفظ بہ لفظ نازل ہوتی تھی؟ اس پر ڈاکٹر لوکس لاجواب ہو گئے۔

سوال کیا گیا کہ آیا آپ پر شعر کہنے کی کیفیت اکثر طاری ہوتی ہے ؟ فرمایا نہیں ایسی کیفیت سال بھر میں دو تین دفعہ ہوتی ہے لیکن اس وقت مضامین کے ہجوم کی کیفیت وہی ہوتی ہے جیسے کسی ماہی گیر کے جال میں اس کثرت سے مچھلیاں پھنس جائیں کہ وہ پریشان ہو جائے کہ کس کو پکڑوں اور کس کو چھوڑ دوں۔

پھر فرمایا کہ عجیب بات یہ ہے کہ جب طویل مدت کے بعد یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس سے پہلی کیفت کے آخری لمحات میں جو اشعار کہے تھے ان کی طرف ذہن خود بخود منتقل ہو جاتا ہے گویا یہ فیضان کے لمحے ایک ہی زنجیر کی کڑیوں کی حیثیت رکھتے ہیں جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے تو میں ایک قسم کی تکان، عصبی اضمحلال، اور پژمردگی سی محسوس کرتا ہوں۔''

میں نے بغیر کسی تبصرہ کے یہ اقتباس نقل کیا ہے لیکن فقیہان شہر یہ پوچھنے کی جرات کرتا ہوں

۱۔ الہام و وحی جاری ہے یا بند؟

۲۔ یہ قسم جس کے الفاظ بھی خدا کے ہوں (جو علامہ اقبال کو ہوئی تھی) آپ کی اصطلاح میں وحی کی کونسی قسم ہے؟

(ماہنامہ الفرقان، مارچ 1956ء صفحہ 34)

وہابی منافقت کا حالیہ شاہکار نمونہ

(تحریر چوہدری اعظم خان منج فرینکفرٹ)

پچھلے ہفتہ جڑانوالہ میں مسلمان ہجوم نے علماء کی قیادت میں عیسائی بستی کو اپنی عبادت گاہوں سمیت جلا دیا۔امریکن ایمبیسیڈر صاحب اپنے عیسائی بھائیوں کے دکھ میں شریک ہونے پہنچ گئے۔پھر کیا تھا اچانک سے ہر مولوی صاحب کو اسلام کی رواداری کا پہاڑا یاد آ گیا۔طاہر اشرفی جیسا شخص اس سانحہ پر آنسو بہاتے دکھائی دیا۔اور تو اور مستقبل کے چیف جسٹس صاحب بھی جا براجمان ہوئے۔اسی دیکھا دیکھی وہابی مولوی مولانا امیر حمزہ صاحب نے پورا کالم لکھ دیا کہ اس وطن عزیز میں یہ کیا ہو گیا ہم مسلمان اور ہمارا قرآن تو یہ یہ کہتا ہے اقلیتوں کے بارہ میں۔بیانات سن کر تو ایک دفعہ مجھے بھی یہ محسوس یہ ہونے لگا کہ شائد اقلیتوں کے ساتھ یہ انہونی تاریخ میں پہلی بار ہوئی ہے۔مجھے یہ ساری پس مرگ منافقت دیکھ کر شورش کاشمیری صاحب یاد آ گئے،اور ان کے مولانا ظفر علی خان کے صاحبزادے کے بارہ میں کہے الفاظ یاد آ گئے جو انہوں نے کہے تو مولانا اختر علی کے لئے تھے مگر یہ تو آج کے ہر مولوی کی سچی اور پکی تصویر بن گئے ہیں

شورش کاشمیری صاحب نے ہفت روزہ چٹان کے 19 مئی 1952ء کے شمارہ 20 کا ایک ضمیمہ شائع کیا جس کے صفحہ اول پر ''کرم آباد کا کمہار'' کے نام پر مولانا اختر علی کو یوں مخاطب فرمایا:

گلاب و یاسمین سے کھیلتا ہے خار کا بچہ
کرم آباد کی اولاد ناہنجار کا بچہ
وزیروں کی سواری کے لیے دن رات حاضر ہے
وزیر آباد کے ''عالی نسب'' کمہار کا بچہ
صدا یہ آ رہی ہے جعفر و صادق کی تربت سے
کہ ہے اختر علی غدار بن غدار کا بچہ

اسی ضمیمہ کے اداریے میں جناب شورش صاحب فرماتے ہیں:

''اختر علی خاں تمہارے اخبار کی زد سے کون بچا؟ تم نے کسے گالی نہیں دی۔ایک نام بتاؤ جس کا تم نے قصیدہ لکھا ہو اور دوسری دفعہ گالی نہ دی ہو۔اختر علی خاں تمہاری فطرت کے صحیح خدوخال صرف اس ایک فقرے میں سموئے جا چکے ہیں ''تم دولت والے کے پیچھے چلتے اور ڈنڈے والے کے آگے آگے دوڑتے ہو''

شورش صاحب مزید مولانا اختر علی صاحب کی تصویر کشی یوں فرماتے ہیں:

''اختر علی خاں گریباں میں جھانکو۔اپنی موٹائی اور گولائی کو دیکھو۔اپنی چربی کو پگھلاؤ اپنے ضمیر کو ٹٹولو پھر سوچو کہ تم کیا ہو اب ذوالجلال کی قسم! تم سے بڑھ کر ضمیر فروش۔کذاب قوم کا تاجر۔غدار۔دانی الطبع اور خائن آج تک کرہ ارض میں پیدا نہیں ہوا۔تم سالک کے الفاظ میں ''شور دار مٹی کی پیداوار ہو'' محمد علی مرحوم نے تمہارے متعلق کہا تھا ''کمہار کا.....جس کے......پر مٹی لگی دیکھتا ہے اس کے پیچھے ہو جاتا ہے''۔''

(مذہب کا سرطان صفحہ 106 تا 108 زیر عنوان ''جہاد شورش مصنفہ کوثر)

اس مضمون کی منافقت اور شورش کاشمیری صاحب کا تبصرہ آپ کو دگنا مزہ دے گا جب آپ کو یہ پتہ چلے گا کہ اسی ملک میں صرف اور صرف اسی حالیہ سال میں جماعت احمدیہ کی اب تک 17 مساجد اور 13 قبرستانوں کی بے حرمتی کی جا چکی ہے۔مینار توڑے جا رہے ہیں۔قبریں اکھیڑی جا رہی ہیں اور اکثر کام پولیس کی نگرانی میں ہو رہا ہے لیکن چونکہ کوئی ڈالر دینے والا ایمبیڈر نہیں آیا تو مولوی صاحب کو کوئی قرآن کی تفسیر،کوئی عبادتگاہوں کی حرمت،کوئی خدا کے خوف میں آنسو بہانا یاد نہیں آ رہے سچ کہا ہے شورش صاحب نے کہ تمہارا مذہب ہے ڈالر اور تم دولت والے کے پیچھے چلتے اور ڈنڈے والے کے آگے آگے دوڑتے ہو''

اب اس تعارف کے بعد مولوی کا اسلامی رونا پڑھیئے۔دوہرا مزہ آئے گا

قرآن کریم کی تفسیر اور سانحۂ جڑانوالہ

قارئین کرام! جڑانوالہ کے سانحہ میں جس طرح درجنوں گرجوں کو جلایا گیا' نقصان پہنچایا گیا' مسیحی برادری' جو اہلِ کتاب ہے' اس کی عبادت گاہوں کی توہین کی گئی' اس پر قرآن مجید کی سورۃ الحج کی ایک آیت کا ترجمہ ملاحظہ کرتے ہیں اور پھر امام ابن جریرؒ کی مجتہدانہ بصیرت دیکھتے ہیں کہ وہ ہمارے اذہان کے دریچے کیسے کھولتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھوں دور نہ کرتا رہے تو (تارک الدنیا لوگوں) کی خانقاہیں (مسیحیوں کے) گرجے، (یہود کے) سینیگاگ اور (مسلمانوں) کی مسجدیں کہ جن میں اللہ کا بہت زیادہ نام لیا جاتا ہے' ضرور بالضرور گرادی جاتیں'' (الحج:40)۔

لوگو! وہ زمانہ جو مسلمانوں کی سپر پاوری اور عظمت کا دور تھا' زمین پر تمام اقوام پر ان کے غلبے کا زمانہ تھا' اس دور میں امام محمد بن جریر طبریؒ مسلمان حکمران کو اپنی حکمرانی کے اندر جھانکنے کی دعوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے مندرجہ بالا فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو ایسے ظلم کا سوچیں' وہ باز رہیں۔ وقت کا حکمران قرآن کے فرمان کو سامنے رکھ کر اپنی رعایا کو آپس میں ایسے مظالم سے روکے۔ اگر نہ روکا گیا تو وہ ظلم کا ارتکاب کریں گے، منہ زور لوگ دنیا ترک کر دینے والے عبادت گزاروں کی عبادت گاہوں کو ڈھا دیں گے۔ کمزوروں پر قہر بن کر ٹوٹ پڑیں گے۔ ان کے گرجوں کو مسمار کر ڈالیں گے؛ چنانچہ اللہ ذوالجلال کا ذکر وہاں بند ہو جائے گا''۔

اس کے بعد امام ابن جریرؒ وقت کے حکمران کو ایک نصیحت کرتے ہیں، میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس نصیحت کو عربی میں لکھ کر اس کا ترجمہ کروں:

''لا یقهره قاهر و لا یغلبه غالب'' کوئی زور آور انسان یا جتھا حکمران پر منہ زور نہ بن جائے اور نہ ہی کوئی غلبہ پانے والا منہ زور انسان یا ہجوم، حکمران پر غالب ہو جائے۔

اللہ کی قسم! میں نے حافظ ابن جریرؒ کا یہ جملہ پڑھا تو دنگ رہ گیا کہ ہم تو اپنے وطن عزیز میں حکمرانی کا یہی انداز دیکھتے چلے آ رہے ہیں کہ ہجوم نکلتا ہے اور اپنی بات منوا لیتا ہے۔ ایف آئی آر کٹوا لیتا ہے۔ ہجوم سے ڈر کر تھانیدار ایف آئی آر کاٹ لیتا ہے اور مظلوم کو اندر کر دیتا ہے۔ برا ہو ایسی حکمرانی کا اور بربادی ہو ایسے چلن کی جو میرے پیارے دیس میں ایسی رچ بس گئی ہے کہ سمجھ نہیں آ رہی اس کو دیس نکالا کب ملے گا؟

لوگو! امام ضحاکؒ فرماتے ہیں: مذکورہ آیت میں جو اللہ تعالیٰ کے کثرت کے ساتھ نام کا ذکر ہے اس سے مراد وہ سارے عبادت خانے ہیں جن کا قرآن کریم نے ذکر کیا ہے (یعنی وہ مفسرین جو صرف مساجد کو خاص کرتے ہیں اور باقی عبادت گاہوں کو خارج کر دیتے ہیں یہ درست نہیں ہے)۔ امام حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ' جن کی تفسیر ''ابن کثیر'' کے نام سے معروف ہے' وہ سورۃ الحج کی مذکورہ آیت کی شرح میں تابعی مفسرین کے اقوال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: امام قتادہؒ نے کہا: ''صوامع'' سے مراد صابی اور مجوسی لوگوں کے عبادت خانے بھی ہیں۔ یعنی ہمارے اسلاف کس قدر قرآن مجید کی جامعیت پر وسیع نظر رکھنے والے تھے کہ انہوں نے صابیوں اور مجوسیوں کے عبادت خانوں کو بھی اس آیت کے حکم میں شامل کر لیا۔ آج ہم اپنے علاقے برصغیر کو دیکھیں تو ہندوؤں کے آشرم اور سکھوں کے گوردوارے بھی اس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ''الصلوات'' کے بارے میں امام مجاہدؒ کا قول حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں لائے ہیں کہ اس سے مراد اہلِ کتاب اور اہلِ اسلام کی ایسی عبادت گاہیں ہیں جو مسافروں کے لیے راستوں پر بنائی جاتی ہیں؛ البتہ مساجد کا لفظ مسلمانوں کے لیے خاص ہے۔ یاد رہے! صابی مذہب کے لوگ آج بھی عراق میں موجود ہیں' جیسا کہ ہمارے مفسرین نے ان کو ''ستارہ پرست'' کہا۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا ایک فرقہ ستارہ پرست ہو' ان کا ایک فرقہ جو آج بھی بڑی تعداد میں موجود ہے' حضرت نوح علیہ السلام کو مانتا ہے۔ توحید پر ان کے عربی نغمے اور اللہ تعالیٰ کے وہ عربی نام میں نے خود دیکھا اور سن رکھے ہیں کہ جن کو قرآن وحدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے میں اپنے اسلاف' تابعی اور تبع تابعی مفسرین کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں قرآن مجید کا وہ فہم دے کر گئے جو وسیع النظر ہے۔ تنگ نظری ہمارے بعد کے کم فہم لوگوں کا کام ہے جو کم فہم ہی نہیں' کم علم بھی ہیں۔ بدقسمتی سے آج یہ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یہی لوگ ہجوم بناتے ہیں اور پھر اسے اشتعال دلاتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جب تک یہ کلچر اور چلن ختم نہ ہوگا' ہمارے دین اور دیس کی بدنامی کا

سلسلہ جاری رہے گا۔

''سورۃ الحج'' کی آیت 40 کے آخری حصہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''بے شک اللہ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس کے دین کی مدد کرے گا''۔ جی ہاں! یہ جو میں نے ترجمہ کیا ہے یہ حضرت احمد رضا خان بریلویؒ کے ''کنزالایمان'' سے لیا ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیت 40 کے پہلے حصے میں کون سا دین بیان ہوا ہے؟ صاف ظاہر ہے وہ تو سب اہل مذاہب کی عبادت گاہوں کا تحفظ ہے' لہٰذا جو ان کا تحفظ کرے گا' وہ اللہ کی مدد یعنی اللہ کے دین کی مدد کرے گا۔اس لحاظ سے یہ عالی شان ترجمہ ہے۔باقی مترجمین نے بھی اسی طرح ترجمہ کیا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ آج کے جو سخت گیر علمبرداران دین ہیں وہ نہ اپنے ابتدائی بزرگان کرام کے راستے پر ہیں' نہ ساتویں' آٹھویں صدی ہجری کے بزرگان کرام کے راستے اور منہج پر ہیں اور نہ ہی ہمارے موجودہ بزرگان کرام کے منہج و راستے پر ہیں، لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام مسالک کے وہ راہبر و رہنما' جو منبر و محراب کے وارث ہیں' اس بات کو یقینی بنائیں کہ ان کے محراب کا پیکر نہ ہجوم اکٹھا کرے اور نہ بربادی پھیلائے۔کیسا ظلم ہے کہ ہماری مساجد' جو امن کا گہوارہ ہیں' وہاں سے بلند ہوتی آوازیں آج تک کتنے بے گناہوں کی جان لے چکی ہیں۔ذمیوں کے گھروں، املاک اور عبادت گاہوں کو خاکستر کر چکی ہیں۔

آیت نمبر 41 کا ترجمہ یوں ہے ''وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں قابو دیں، تو نماز برپا رکھیں اور زکوٰۃ اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور اللہ ہی کے لیے (ہے) سب کاموں کا انجام''۔اس کے حاشیہ میں نعیم الدین مراد آبادیؒ لکھتے ہیں: اس میں خبر دی گئی ہے کہ آئندہ مہاجرین کو زمین میں تصرف عطا فرمانے کے بعد ان کی سیرتیں ایسی پاکیزہ رہیں گی...اس میں خلفائے راشدین کے عدل کی دلیل ہے۔الغرض سید مودودیؒ ہوں یا مفتی محمد شفیعؒ، وہ ڈاکٹر اسرار احمدؒ کا ترجمہ ہو یا حافظ عبدالسلام بن محمدؒ کا' سب کا ترجمہ اور شرح یہی ہے۔پھر اے وارثان محراب و منبر! ہم سوال کریں اپنے آپ سے کہ ہمارے ہجوم مساجد میں کیے گئے ہمارے اعلانات سے آئے روز بے گناہوں پر حملہ آور کیوں ہوتے ہیں؟''!

کالا پانی

رجل خوشاب قسط اوّل



٭ ہندوستان کی جنگ آزادی کی وہ 'قربان گاہ' جہاں ہر قیدی موت کی خواہش کرتا تھا..وہ کہانی تو آپ کو یاد ہوگی کہ سنہ 1857 میں انگریز انتظامیہ کے خلاف پنجاب میں مزاحمت کرنے والے احمد خان کھرل کی جان لے لی گئی تو ان کے کچھ ساتھیوں کو پھانسی دی گئی، کچھ توپوں کا نشانہ بنے اور باقی 'کالا پانی' بھیجے گئے۔٭ 'کالا پانی' ٭ کی ترکیب برصغیر میں عام طور پر دور دراز مقام کے لیے استعمال ہوتی آئی ہے۔محاورے میں طویل فاصلے کے لیے٭ 'کالے کوس' ٭ جیسے الفاظ عرصے سے رائج ہیں۔قدیم ہندوستانی تصورات تھے کہ وطن سے دور سمندر پار کرتے ہوئے کوئی بھی شخص 'مقدس گنگا' سے الگ ہونے کے باعث اپنی ذات سے محروم ہو جائے گا اور وہ سماج سے نکل جائے گا۔ سیاسی زبان میں کالا پانی سے مراد بحر ہند میں وہ جزیرے ہیں جہاں انگریز حکمران قیدیوں کو جلا وطن کرتے تھے۔کلکتہ سے 780 میل جنوب میں چھوٹے اور بڑے ان تقریباً ایک ہزار جزیروں کا مجموعہ جزائر ٭ 'انڈمان نکوبار' ٭ کہلاتا تھا اور دارالحکومت کا نام ٭ 'پورٹ بلیئر' ٭ رکھا گیا۔تاریخ دان اور محقق وسیم احمد سعید اپنی تحقیق ٭ کالا پانی: گمنام مجاہدین جنگ آزادی 1857' ٭ میں لکھتے ہیں کہ 'انگریزوں نے یہاں اپنا پرچم لہرانے کے علاوہ قیدیوں کی بستی اور نوآبادیات کے لیے سنہ 1789 میں پہلی کوشش کی جو ناکام ہوئی۔بعد میں سنہ 1857 کا ہنگامہ برپا ہوا تو پھانسیوں، گولیوں اور توپ سے انقلابیوں کی جانیں لی گئیں۔عمر قید بھی دی گئی مگر کسی دور دراز مقام پر ایک تعزیری بستی یا قیدیوں کی کالونی کی ضرورت محسوس کی گئی تا کہ انگریزوں کے 'باغی' پھر سے بغاوت یا مزاحمت نہ کر سکیں۔نظر انتخاب ٭ جزائر انڈمان ٭ ہی پر گئی۔جزائر کیچڑ سے بھرے تھے۔ یہاں مچھر، خطرناک سانپ بچھوؤں، جونکوں اور بے شمار اقسام کے زہریلے کیڑوں اور چھپکلیوں کی بھرمار تھی۔فوجی

ڈاکٹر اور آگرہ جیل کے وارڈن جے پی واکر اور جیلر ڈیوڈ بیری کی نگرانی میں 'باغیوں' کو لے کر پہلا قافلہ 10 مارچ سنہ 1858 کو ایک چھوٹے جنگی جہاز میں وہاں پہنچا۔ کھرل کے ساتھی ممکنہ طور پر اسی جہاز میں لے جائے گئے ہوں گے۔ پھر کراچی سے مزید 733 قیدی یہاں لائے گئے اور پھر یہ سلسلہ جاری رہا۔ سعید لکھتے ہیں کہ 'کالا پانی ایک ایسا قید خانہ تھا جس کے در و دیوار کا بھی وجود نہ تھا۔ اگر چار دیواری یا حدود کی بات کیجیے تو ساحل سمندر تھا اور اگر فصیل کی بات کیجیے تب بھی ٹھاٹھیں مارتا ہوا نا قابل عبور سمندر ہی تھا۔ قیدی قید ہونے کے باوجود آزاد تھے لیکن فرار کے سارے راستے مسدود (بند) اور فضائیں مسموم (زہریلی)۔ جب قیدیوں کا پہلا قافلہ وہاں پہنچا تو خوش آمدید کہنے کو صرف پتھریلی و سنگلاخ زمین، گھنے اور سر بفلک درختوں والے ایسے جنگل تھے، جن سے سورج کی کرنیں چھن کر بھی زمین بوس نہیں ہو سکتی تھیں۔ کھلا نیلگوں آسمان، ناموافق اور زہریلی آب و ہوا، پانی کی زبردست قلت اور دشمن قبائل۔ دلی کے ان محقق کے مطابق انڈمان ہی کو ہندوستان کی جنگ آزادی کی قربان گاہ قرار دیا جانا چاہیے۔ فرنگیوں، ان کے مصاحبین، ملازمین اور عملے کے دیگر افراد کے لیے تو خیمے نصب ہو گئے لیکن قیدیوں کو جھگی، جھونپڑیاں اور اصطبل نما احاطے بھی عرصے بعد ہی نصیب ہو سکے۔ جہاں نہ کوئی فرش تھا نہ رہائش کی اشد ضروریات کا کوئی سامان۔ جھونپڑیوں کا یہ حال تھا کہ بارش کے دوران اندر اور باہر یکساں کیفیت ہوا کرتی۔ سارا دن قید با مشقت کی وجہ سے بے پناہ اور نا قابل تصور محنت کرنا، ظلم و تشدد کا شکار رہنا اور پھر بدترین غذا پر قناعت کر کے مسلسل موت کے لیے زندہ رہنا ہی قیدیوں کی قسمت تھی جس کی وجہ سے ہر قیدی موت ہی کا متمنی رہتا تھا کیونکہ مصائب سے نجات کا واحد ذریعہ موت ہی تھی۔ عالمِ دین، غالب کے ہم عصر اور دوست علامہ فضلِ حق خیر آبادی سنہ 1857 کی جنگ آزادی کے پیش رو تھے۔ لکھاری ثاقب سلیم کے مطابق انھوں نے انگریزوں کے خلاف جامع مسجد دلی میں 'جہاد' کا فتویٰ دیا۔ خیر آبادی کو 4 مارچ سنہ 1859 کو قتل پر اکسانے اور بغاوت کے الزام میں بطور شاہی قیدی تا زندگی حبس (قید) بعبور دریائے شور (کالا پانی) اور تمام جائیداد کی ضبطی کی سزا سنائی گئی۔

خیر آبادی نے اپنی کتاب 'الثورۃ الہندیہ' میں قید کا احوال لکھا۔ نیچے دیے گئے چند جملے اسی کتاب سے ترجمہ ہیں "ہر کوٹھری پر چھپر تھا جس میں رنج و مرض بھرا ہوا تھا۔ ہوا بدبودار اور بیماریوں کا مخزن تھی۔ بیماریاں بے شمار خارش وقوبا (وہ مرض جس سے بدن کی کھال پھٹنے اور چھلنے لگتی ہے) عام تھی۔ بیمار کے علاج، تندرست کے بقائے صحت اور زخم کے اندمال کی کوئی صورت نہ تھی۔ دنیا کی کوئی مصیبت یہاں کی المناک مصیبتوں پر قیاس نہیں کی جا سکتی۔ جب کوئی ان میں سے مرجاتا ہے تو خاکروب اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچتا ہوا غسل و کفن کے بغیر اس کے کپڑے اتار کر ریگ کے تودے میں دبا دیتا ہے۔ نہ اس کی قبر کھودی جاتی ہے، نہ نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔' گھنے جنگل میں زنجیروں میں جکڑے قیدیوں کو جزائر راس، ہیولاک اور چتھم پر مشقت کا حکم دیا گیا۔ غیر آباد جزیرے کے جنگلات کی صفائی کی مشقت خیر آبادی اور ان کے ساتھیوں کو کرنا ہوتی تھی۔ رات میں ان غیر آباد علاقوں میں بھی زنجیروں میں قید کر کے رکھا جاتا تھا۔

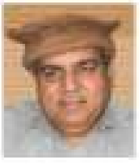
خیر آبادی کہتے ہیں کہ 'اپنی آنکھوں سے دوسرے قیدیوں کو بیمار ہوتے ہوئے بھی بیڑیاں پہنے اور زنجیروں سے کھینچے جاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ ایک سخت، تیز اور غلیظ انسان تکلیفوں پر تکلیفیں پہنچاتا اور بھوکے پیاسے پر بھی رحم نہیں کھاتا۔ صبح و شام اس طرح بسر ہوتی ہے کہ تمام بدن زخموں سے چھلنی بن چکا ہے۔ روح کو تحلیل کر دینے والے درد و تکلیف کے ساتھ زخموں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب یہ پھنسیاں مجھے ہلاکت کے قریب پہنچا دیں۔' فضل حق خیر آبادی نے انڈمان میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ جعفر تھانیسری ریاست ہریانہ کے علاقے تھانیسر سے تھے۔ پہلے سزائے موت اور پھر کالا پانی کی سزا ہوئی۔ اپنی کتاب "کالا پانی المعروف تواریخ عجائب" میں 11 جنوری سنہ 1866 کو جزائر انڈمان کے ساحل پر پہنچنے کا منظر یوں بتاتے ہیں: 'دور سے سمندر کے کنارے کالے پتھر ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے بھینسوں کے جھنڈ کے جھنڈ پانی میں پھر رہے ہوں۔' تب تک وہ علاقہ نسبتاً صاف ہو چکا تھا۔ قیدی جنگلات کی صفائی کے ساتھ ساتھ نئے درخت بھی لگا رہے تھے۔ اس سے پہلے انگریز انتظامیہ نے خواتین قیدیوں کو

بھی وہاں بھیجنا شروع کر دیا تھا۔

خواتین قیدی اور شادی

حبیب منظر اور اشفاق علی کی تحقیق ہے کہ ابتدائی دور میں برطانوی انتظامیہ، شادی اور پھر بچوں کی پیدائش کو قیدیوں کی بحالی اور سدھار کا ایک ذریعہ سمجھتی تھی۔ مدراس، بنگال، بمبئی، شمال مغربی صوبہ، اودھ اور پنجاب وغیرہ سے ایسی خواتین کو بھی انڈمان بھیجا گیا جو سزا کے کچھ سال برطانوی ہندوستان کی جیلوں میں گزار چکی تھیں۔ پورٹ بلیئر کے سپرنٹنڈنٹ نے گورنمنٹ آف انڈیا کو خط لکھا کہ 'پورٹ بلیئر میں خواتین قیدیوں کی تعداد کم ہو رہی ہے اور اگر پچھلے تین سال میں بھیجی جانے والی تعداد سے زیادہ خواتین قیدیوں کو نہ بھیجا گیا تو نہ پانچ سال کی سزا بھگت لینے کے بعد ان کی شادی کا نظام جاری رکھا جا سکے گا اور نہ کاتنے، بننے کے وہ کام ہو سکیں گے جن سے حکومت کو بہت زیادہ بچت ہوتی ہے۔ سیلف سپورٹر قیدی اگر شادی کرنا چاہتے تو وہ ایک مخصوص دن خواتین قیدیوں میں سے کسی ایک کا انتخاب کرتے اور اگر وہ راضی ہوتی تو انتظامیہ ان کی شادی کروا دیتی اور اسے قانونی شکل دے دیتی۔ سیلف سپورٹنگ جوڑے کو ایک سیلف سپورٹنگ گاؤں میں رہنے کو جگہ دے دی جاتی۔ تاہم خواتین قیدیوں کے انڈمان بھجوانے کا سلسلہ چند برس ہی چل سکا۔ سنہ 1897 میں 2447 سیلف سپورٹرز میں 363 خواتین تھیں۔ بیماری اور موت کی شرح خواتین میں بھی زیادہ تھی۔ تھانیسری نے جن کشمیری خاتون سے شادی کی وہ بن بیاہی ماں بننے اور بچے کو مارنے کے جرم میں سزا پا رہی تھیں۔ تھانیسری سترہ سال دس ماہ کے بعد انڈمان سے 9 نومبر سنہ 1883 کو ہندوستان روانہ ہوئے۔ وہ تب وہیں تھے جب سنہ 1872 میں پورٹ بلیئر کے دورے کے دوران وائسرائے آف انڈیا لارڈ میو کو ایک قیدی نے قتل کر دیا تھا۔ فرار کی کوشش پر پھانسیاں دینا پور کی چھاؤنی میں بغاوت کے مجرم قیدی نارائن پہلے شخص تھے جنھوں نے فرار ہونے کی کوشش کی۔ انھیں پکڑا گیا، ڈاکٹر واکر کے سامنے لایا گیا اور پھانسی دے دی گئی۔*

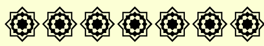
'تاریخ انڈمان جیل'* میں لکھا ہے کہ مارچ سنہ 1868 میں 238 قیدیوں نے فرار ہونے کی کوشش کی۔ اپریل تک وہ سب پکڑے گئے۔ ایک



مکرم اسحق ظفر صاحب

صدسالہ جشنِ خلافت احمدیہ

کڑی دھوپ تھی پر ہمارے لئے، خدا کی محبت کا سایہ رہا
لہو دے کے لو کو بڑھاتے رہے، چمن دل کا یوں جگمگایا رہا
پہاڑوں سے ٹکرا کے بڑھتے رہے، جنوں ایک سر میں سمایا رہا
خلافت کی صورت ہمارے لئے، سدا ابر رحمت ہی چھایا رہا
چلو روح پرورسی تانیں اٹھائے، یہ تائیدِ حق کے ترانے سنائیں
خدا کی عنایت پہ سر کو جھکائے، یہ صدسالہ جشنِ خلافت منائیں



نے خودکشی کر لی اور واکر نے 87 کو پھانسی دینے کا حکم دیا۔ جب پھانسیوں کی خبر کلکتہ پہنچی تو کونسل کے صدر جے پی گرانٹ نے اس پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ایک خط لکھا کہ 'میں پھانسی کے جواز کے طور پر ان کے (واکر کے) خیالات میں سے کسی کو تسلیم نہیں کر سکتا۔' لیکن واکر سرکاری مذمت سے بچ گئے اور گرانٹ کے حکم پر ایسا بندوبست کیا گیا کہ قیدی دوبارہ بھی بھاگنے اور 'عوام کو اکسانے' کے قابل نہ ہوں۔ تاہم قیدی مہتاب اور چیتن 26 مارچ 1872 کو فرار ہو ہی گئے۔ خلیج بنگال میں 750 میل سفر خود ساختہ رافٹس پر کیا۔ ایک برطانوی بحری جہاز کے عملے کو انھوں نے قائل کیا کہ وہ تباہ ہونے والی کشتی کے ماہی گیر ہیں۔ آخر کار انھیں لندن میں سٹرینجرز ہوم فار ایشیاٹکس میں چھوڑ دیا گیا۔ دونوں کو کھلایا گیا، کپڑے پہنائے گئے اور ایک بستر دیا گیا لیکن جب وہ سو رہے تھے تو مالک کرنل ہیوز نے ان کی تصاویر کھینچیں اور حکومت کو بھجوا دیں۔ ایک صبح جب مہتاب اور چیتن بیدار ہوئے تو اپنے آپ کو بیڑیوں میں جکڑا پایا، پھر کچھ دن بعد انھیں ہندوستان جانے والے جہاز پر سوار کر دیا گیا۔

(باقی۔۔۔۔۔۔)

عیدِ قربان پر احمدیوں کا قربانی سے بالجبر روکا جانا

جمیل احمد بٹ

اس عیدِ قربان پر پاکستان میں احمدیوں کو جانوروں کی قربانی سے بالجبر روکا گیا۔ اس معاملے سے متعلق چند پہلوؤں کا کچھ بیان اس مضمون کا موضوع ہے۔

نیا تماشا: وطن عزیز کے سیاسی اور غیر سیاسی صاحبان اقتدار نے اپنے مقاصد اور مفادات کی تقویت اور تکمیل کے لئے ڈوری بندھی کٹھ پتلیوں کے ذریعہ اس عیدِ قربان پر مذہب کارڈ کے استعمال کے پرانے کھیل میں ایک نیا تماشا رچایا۔ اس میں مذہب کا کاروبار کرنے والی ایک سیاسی پارٹی، ایک ہائی کورٹ کی بار ایسوسی ایشن، ایک ڈپٹی کمشنر اور ایک ڈی پی او کے عملے کی سرگرمیوں پر مشتمل ویڈیو کلپس گزشتہ دنوں سوشل میڈیا پر گردش میں رہیں۔ کچھ بعد بعض اور کلپس میں اس جرم میں گرفتار چند احمدیوں کو سادگی اور معصومیت سے اقبال جرم کرتے ہوئے بھی دکھایا گیا۔

اللہ چاہے گا تو یہ مخالف مکر بھی پہلے مکروں کی طرح خاکِ راہ ہو گا اور احمدیوں کو اپنے ربّ میں نہاں ہونے میں مددگار۔

کوششوں کا حاصل: اس سب کوششوں کا حاصل احمدیوں کے خلاف 298 سی کے تحت پنجاب کے اضلاع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں دو، ننکانہ، فیصل آباد اور لاہور میں ایک ایک، کل پانچ مقدمات اور جرم بے گناہی میں اتنے ہی احمدیوں کی اسیری تھی۔ نیز ملک بھر کے احمدیوں کا ارادہ اور نیت کے باوجود قانون کی آڑ میں اللہ کی راہ میں جانوروں کی قربانی سے محروم کیا جانا تھا۔ اس قانون کی تنفیذ کی ایسی کلپس بھی منظر عام پر آئیں جن میں پولیس ایک گھر میں بندھے جانوروں کو گرفتار کر کے لے گئی اور بحق سرکار ضبط کر لیا۔ ایک اور کے مطابق پولیس ایک گھر کے ریفریجریٹر میں رکھا گوشت بھی لے گئی۔ یہ جانور اور گوشت ان لے جانے والوں کے لئے یقیناً حلال رہے ہوں گے کہ

؎ مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے

اللہ تعالی کے فضل سے احمدی راہِ حق میں مالی نقصان اور قید و بند کے امکانات کا مردانہ وار مقابلہ کرتے چلے آئے ہیں۔

آئین میں دی گئی مذہبی آزادی کے منافی: آئین پاکستان کے دوسرے باب کی شق 20 الف کے الفاظ ہیں۔

every citizen shall have the right to (a) profess, practice and propagate his religion;

یعنی ہر شہری کو اپنے عقیدے کے اظہار، عمل اور اشاعت کا حق ہوگا۔

اس آئینی ضمانت سے متصادم 1984 کے آرڈیننس بیس کی شق 298 سی کے تحت احمدی کہلانے والوں کے لیے اپنے عقیدے کے اظہار، اس پر عمل اور اس کی اشاعت کو جرم بنا دیا گیا ہے۔ جن افعال کو قابل سزا جرم قرار دیا گیا ہے ان میں اپنے آپ کو براہ راست یا بالواسطہ مسلمان کہنا یا کسی بھی طریق پر مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنا شامل ہیں۔ اس غیر واضح شق سے ارتکاب جرم کے الزام کے امکانات تو شروع سے ہی لامحدود ہیں لیکن مذکورہ بالا کاروائی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب یہ معاملہ جانوروں کی قربانی تک جا پہنچا ہے۔

پہلے کی طرح اب بھی اللہ تعالی اپنے فضل سے احمدیوں کو اس ناانصافی اور جبر سے عہدہ برآ ہونے کی طاقت اور حوصلہ بخشے گا۔

مذاہب میں قربانیوں کی تاریخ: اللہ کی طرف سے بنی آدم کو قربانی کا حکم قدیم سے ہے جیسا کہ یہ ذکر:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ (مائدہ 5:28)

ترجمہ: اور اُنہیں آدم کے دو بیٹوں کا قصہ سچائی سے سنا۔ جب ان دونوں نے قربانی کی تو ان میں سے ایک کی قربانی قبول کی گئی اور دوسرے کی نہ کی گئی۔

بعد میں سامی مذاہب میں جانوروں کی قربانی کی ابتدا کم وبیش چار ہزار سال قبل ہونے والا وہ عظیم واقعہ ہے جس میں ایک فرمانبردار باپ نے اپنے رویاء کو ظاہری طور پر پورا کرنے کا ارادہ کیا اور بیٹا بھی خوش دلی سے آمادہ ہو گیا تو اللہ نے دونوں کے اس حیرت انگیز جذبہ اطاعت کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ اور علامتی طور پر ایک جانور کی قربانی کو کافی فرمایا۔ بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ گائے کی قربانی کا حکم دیا گیا جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے۔ تورات عبرانی کے مطابق خدا نے بنی اسرائیل کو اور بہت سارے مواقع پر قربانی کرنے اور کرتے رہنے کا حکم دیا ہے۔ قبل اسلام مکہ میں خانہ کعبہ کے حج کے لئے آنے والے سب مشرک عرب قبائل بھی فرض کے طور پر قربانی کرتے تھے۔ پھر دین حق میں بھی اس طریق کو رائج رکھا گیا۔

مختلف مذاہب میں قدیم سے جانوروں کی قربانیوں کے اس جاری سلسلہ کے ہوتے ہوئے آج اسے کسی ایک مذہب سے مخصوص کر دینا ناقابل فہم ہے۔

ادائیگی فرض سے روکے جانے کا عظیم ترین واقعہ: دھونس اور زبردستی کے ساتھ اہل ایمان کو اللہ کے مقرر کردہ فرائض سے روکا جانا پہلے بھی ہوا ہے۔ سن 6 ہجری میں اللہ کے اشارے پر آنحضرت ﷺ کی قیادت میں صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی جمعیت مدینہ سے قربانیوں کے جانوروں کو ہمراہ لئے حج کے ارادہ سے روانہ ہوئی۔ تاہم مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو حج کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ اور وہ جانور جو منیٰ میں قربان کئے جانے تھے مخالفین کی ہٹ دھرمی کے باعث حدیبیہ میں ہی ذبح کئے گئے۔ یہیں وہ تاریخی صلح حدیبیہ ہوئی۔ جس سے اہل اسلام کے لئے آئندہ عظیم کامیابیوں کا سامان ہوا۔

آج احمدی خود کو قربانی سے بالجبر روکے جانے پر سیرت النبی ﷺ کے اس واقعہ کو یاد کر کے اس درد کو اور زیادہ محسوس کر سکتے ہیں جس سے مشرکین کے ہاتھوں حج سے محروم کئے جانے پر آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ اجمعین گزرے ہوں گے۔

اللہ کے ہاں قبولیت: اللہ دلوں کے حال کا جاننے والا ہے۔ اور اعمال کا فیصلہ نیتوں پر ہوتا ہے۔ یہ اظہار اس واقعہ سے خوب ہوتا ہے جس کے مطابق مشہور محدث اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے لائق شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے ایک کشف میں فرشتوں کو یہ گفتگو کرتے سنا کہ اُس سال حج پر آئے چھ لاکھ حاجیوں میں سے کسی کا حج قبول نہیں ہوا۔ گویا ان سب کی ادائیگیِ ارکان اور جانوروں کی قربانیاں رائگاں گئیں۔ جبکہ صرف ایک ایسا حج بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوا جس کے ادا کرنے کے لئے دمشق کا رہائشی وہ غریب بندہ اپنے گھر سے روانہ ہی نہ ہوا تھا۔ کیونکہ اس نے حج کے لئے عمر بھر جمع کردہ اپنا سارا زادِ راہ اپنے ایک ضرورت مند پڑوسی کو دے دیا تھا۔ اور یوں نہ کی جانے والی قربانی قبول ہو گئی۔

کون جانے کہ ان احمدیوں کے جانوروں کی قربانی بھی جو جبر کے سبب باوجود ارادہ کے نہ ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ اِسی طرح قبول فرما لے۔

اصل قربانی: قربانی عربی لفظ قربان سے ماخوذ ہے جس کے لفظی معنی ہیں: کسی شئے کے نزدیک ہونا، قریب ہونا۔ قربانی کے ذریعہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی نزدیکی مطلوب ہوتی ہے، اس لیے اسے قربانی کہتے ہیں۔ نیز اللہ تعالی کا یہ فرمانا دینا کہ قربانی کا گوشت اور خون اللہ تک نہیں پہنچتا بلکہ تقویٰ۔ (حج 22:38) واضح کر دیتا ہے کہ اصل قربانی دلوں کا تقویٰ اور طہارت ہے اور ان کے بغیر ظاہری اعمال آگے جانے والے نہیں۔ دلوں کے تقویٰ اور طہارت ہر پابندی سے آزاد ہمارے اپنے اختیار میں ہے۔ اور ہماری قربانیوں کی مقبولیت، خواہ ظاہری طور پر یہ نہ بھی کی جا سکیں، ہماری اس سعی اور جدوجہد پر موقوف رہے گی جو ہم اللہ کی راہوں کی جستجو میں کرتے ہیں اور اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہیں جس کی طرف حضرت مسیح موعودؑ نے ہمیں ان الفاظ میں متوجہ فرمایا ہے:

”تمہیں خوش خبری ہو کہ قُرب کا میدان خالی ہے ہر ایک قوم دنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اس کی طرف دنیا کو توجہ نہیں۔ وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازہ سے داخل ہونا چاہتے ہیں ان کے لئے موقع ہے کہ اپنے جوہر دکھلائیں اور خدا سے خاص انعام پاویں۔“

(الوصیت روحانی خزائن جلد 20 صفحہ نمبر 308۔309 ایڈیشن 2008ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔



میرے مولبی جی صاحب کی تاریخ پاکستان (قسط نمبر ۱)

(تحریر ذوالکفل اصغر بھٹی مدیر قندیل حق کی خصوصی تحریر)

میرے مولبی صاحب کی تاریخ پاکستان کا صحیح مزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ ہم سوسال پیچھے جاکر مسلمانوں کی سیاسی، معاشی اور معاشرتی حالت کا نظارہ کرلیں تاکہ بقول مولانا ارشدالقادری ایڈیٹر جام نور جمشید پور بھارت۔ ''پریس لٹریچر اور خود ساختہ تحریکوں کے اس موسم برسات'' سے پہلے ،بادسموم اوراس کے گرم تھپیڑوں کا درجہ حرارت کیا تھا تو طنزومزاح کی زبان میں فریضہ دینی بجالانے والے ان مولبی حضرات کی قلابازیوں کا نظارہ دوگنا مزہ دے گا۔(تبلیغی جماعت صفحہ 42 مکتبہ نبویہ رضویہ)

پہلا سین۔۔۔

چین کے مضطرب مسلمان 1856ء سے لے کر 1878ء تک جنگ آزادی میں ناکام ہونے کے بعد سیاسی حیثیت سے ختم کردیئے گئے۔ ۔فرانسیسیوں کی نگاہیں مراکش پر تھیں۔ایران نزع کے عالم میں تھا۔۔۔جزائر شرق الہند پر ڈچ غلبہ کے سبب مسلمانوں کی حالت قابل رحم تھی۔افغانستان کے خارجی امور کا کنٹرول 1879ء سے انگریز کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔۔۔برصغیر ہند میں 1857ء کے ہنگامہ کے بعد اسلام کے جھنڈے سرنگوں ہوچکے تھے۔۔۔ملایا پر انگریز قابض ہوچکے تھے۔

(ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال زندہ رود صفحہ 101 بحوالہ بین الاقوامی امور کا جائزہ جلد اول مطبوعہ 1925ء از جے ٹائیونبی صفحہ 33 تا 37 بحوالہ اقبال اور احمدیت از شیخ عبدالماجد صفحہ 174۔175)

دوسرا سین۔۔۔قومی نوحہ

مسلم حکومتوں کی اس دردناک صورت حال میں مسلمان علماء،صوفیاء، طلباء،امراءاورعوام کیا کررہے تھے۔اس کا نوحہ مجدد دوراں حکیم الامت محدث دہلوی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ سے سنیئے جو رورو کر چیخ چیخ کر کبھی ایک کو کبھی دوسرے کو مدہوشی سے بیدار کررہے تھے۔

''میں ان پیرزادوں سے جو کسی استحقاق کے بغیر دادا کی گدیوں پر بیٹھے ہیں کہتا ہوں کہ یہ کیا دھڑے بندیاں تم نے کر رکھی ہیں؟ کیوں تم میں سے ہر ایک اپنے طریقہ پر چل رہا ہے اور کیوں اس طریقہ کو سب نے چھوڑ رکھا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا تھا۔تم میں سے ہر ایک امام بن بیٹھا ہے۔اپنی طرف لوگوں کو بلا رہا ہے اور اپنے آپ کو ہادی ومہدی سمجھتا ہے حالانکہ وہ ضال مضّل ہے ہم ہرگز ان لوگوں سے راضی نہیں جو دنیا کے فوائد کی خاطر لوگوں سے بیعت لیتے ہیں یا اس لیے علم حاصل کرتے ہیں کہ اغراض دنیوی حاصل کریں۔۔یہ سب راہزن ہیں دجال ہیں

کذاب ہیں خود بھی دھوکے میں ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکہ دے رہے ہیں

میں ان طالب علموں سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں کہ بے وقوفو!تم یونانیوں کے علوم اور صرف ونحو معانی میں پھنس گئے۔۔۔جان رکھو یہ ہرگز دین کا طریقہ نہیں ہے۔

میں ان متقشف واعظوں،عابدوں اور خانقاہ نشینوں سے کہتا ہوں کہ اے زہد کے مدعیو!تم ہر وادی میں بھٹک نکلے اور ہر رطب ویابس کو لے بیٹھے۔تم نے لوگوں کو موضوعات اور اباطیل کی طرف بلایا۔تم نے خلق خدا پر زندگی کا دائرہ تنگ کردیا۔

میں امراء سے کہتا ہوں کہ تمہیں خدا کا خوف نہیں آتا۔تم فانی لذتوں کی طلب میں مستغرق ہوگئے اور رعیت کو چھوڑ دیا کہ ایک دوسرے کو کھا جائے۔علانیہ شرابیں پی جارہی ہیں۔اور تم نہیں روکتے۔زناکاری،شراب خوری اور قمار بازی کے اڈے پر سرعام بن گئے ہیں۔جس کو تم ضعیف پاتے ہو اسے کھا جاتے ہو اور جسے قوی پاتے ہو چھوڑ دیتے ہو۔کھانوں کی لذت ،عورتوں کے نازوانداز،کپڑوں اور مکانوں کی لطافت،بس یہ چیزیں ہیں جن

میں تم ڈوب گئے ہو۔

میں ان فوجیوں سے کہتا ہوں ۔۔۔ پیسہ کمانے کے لیے سپاہی کا پیشہ کرتے ہو۔ بھنگ اور شراب پیتے ہو۔۔۔ بندگان خدا پر ظلم ڈھاتے ہو، اور تمہیں کبھی اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ حرام کی روٹی کمارہے ہو یا حلال کی۔ خدا کی قسم تمہیں ایک روز دنیا سے جانا ہے پھر اللہ تمہیں بتائے گا کہ کیا کرکے آئے ہو۔

میں ان اہل حرفہ اور عوام سے کہتا ہوں کہ تم میں سے امانت و دیانت رخصت ہوگئی ہے اپنے رب کی عبادت سے تم غافل ہوگئے ہو اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگے ہو۔۔۔ اور مدار صاحب اور سالار صاحب کی قبروں کا حج کرتے ہو۔۔۔ یہ تمہارے بدترین افعال ہیں تم میں سے جو کوئی شخص خوشحال ہوجاتا ہے وہ اپنے لباس اور کھانے پر اتنا خرچ کرتا ہے کہ اس کی آمدنی کے لیے کافی نہیں ہوتی۔۔۔ یا پھر وہ شراب نوشی اور کرایہ کی عورتوں میں اپنی معاش اور معاد دونوں کو ضائع کرتا ہے۔

پھر میں مسلمانوں کی تمام جماعتوں کو عام خطاب کرکے کہتا ہوں کہ اے بنی آدم تم نے اپنے اخلاق کھودیئے۔ شیطان تمہارا محافظ بن گیا عورتیں مردوں پر حاوی ہوگئی ہیں۔۔۔ اور حلال تمہارے لئے بدمزہ بن گیا ہے۔

(تفہیمات الالہیہ جلد اول صفحہ 214 تا صفحہ 219 بحوالہ تجدید احیائے دین مصنفہ جناب مودودی صاحب صفحہ 97 تا 101)

تیسرا سین۔ مرحوم امت مسلمہ کے مقابل دیگر مذاہب کی بیداری

''تاریخ مذاہب میں 19ویں صدی کا نصف آخر اور 20ویں صدی عیسوی کا آغاز خصوصی اہمیت کا حامل ہے یہ وہ دور ہے کہ جب تمام روئے زمین پر ایک طرف تو بڑے بڑے مذاہب کے درمیان گہری سنجیدگی اور انہماک کے ساتھ نظریاتی جنگ لڑی جارہی تھی اور دوسری طرف احیائے علوم اور تہذیب نو کے نتیجہ میں مذہبی اور غیر مذہبی نظریات باہم دِگر بڑی شدت کے ساتھ برسر پیکار تھے۔

اول الذکر مقابلہ میں عیسائیت، اسلام اور ہندومت کا مجادلہ خاص طور پر قابل ذکر ہے ان تینوں مذاہب کی باہمی جنگوں کے لیے ہندوستان ہی بہتر اکھاڑا ثابت ہوسکتا تھا چنانچہ ایسا ہی ہوا اور 18ویں صدی کے نصف آخر میں سرزمین ہند میں ان تینوں مذاہب کے درمیان وسیع پیمانے پر تاریخی اہمیت کی نظریاتی جنگیں لڑی گئیں اور یہ سلسلہ کسی نہ کسی رنگ میں اب تک جاری ہے۔

سرزمین ہند میں ان تینوں مذاہب کے مابین مذہبی جنگوں کے جو بکثرت محرّکات موجود تھے ان کا مختصراً جائزہ حسب ذیل ہے۔

1۔ احیائے علوم اور تہذیب نو نے عموماً مذہب اور خصوصاً عیسائیت کو جو چیلنج دیا تھا اس کے نتیجہ میں عیسائی پادریوں میں مقابلے اور مدافعت کا ایک نیا جوش پیدا ہونے کے علاوہ انہیں عیسائیت کے لئے نئی منڈیوں کی بھی تلاش تھی اور نوآبادیات سے بہتر انہیں کوئی اور جگہ اس غرض کو پورا کرنے کے لیے نظر نہ آتی تھی۔ انگریزی حکومت کا سورج نصف النہار پر تھا اور حکومت کے مذہب کو جونفسیاتی برتری حاصل ہوتی رہی ہے وہ پوری شان کے ساتھ عیسائیت کو ہندوستان میں حاصل تھی۔ نیز اس مذہب کو اختیار کرنے کے نتیجے میں جو اقتصادی اور اقتداری فوائد حاصل ہوسکتے تھے ان کی تصویر بہت دلربا تھی۔ لہٰذا زمین ہندوستان عیسائیت کے پھیلاؤ کے لیے خاص کشش کا موجب بنی۔

2۔ انگریزی حکومت کے مفادات بھی اسی امر سے وابستہ تھے کہ ہندوستانی ذہن جلد از جلد اور زیادہ سے زیادہ عیسائی نظریات کے تابع ہوکر حکومت کے استحکام میں ممدومعاون ثابت ہو۔

3۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے تین صدسالہ سیاسی اقتدار کا خاتمہ ہندو مت کے لیے خوش آئند خوابوں کا تحفہ لے کر آیا تھا۔

i۔ ازسرنو مہاشٹر کے قیام کا تصور ذہنوں میں جنم لینے لگا تھا اور اس کے طبعی نتیجہ کے طور پر غیر قوموں کو شدی کے ذریعہ ہندومت میں جذب کرنے کا تصور بھی پیدا ہورہا تھا۔

ii۔ ہندومت تہذیب وتمدّن کے احیاء کے منصوبے بن رہے تھے۔ پس یہ ضرور تھا کہ سابق آقاؤں یعنی مسلمان حکمرانوں کی تہذیب وتمدن کے نقوش مسمار کرکے انہیں مقامات پر ہندو تہذیب کی نئی عمارتیں بلند کی جائیں۔

iii۔ ہندو مفکرین کے ذہنوں میں ایسی سیاسی تحریکات جنم لے رہی تھیں جو بعض صورتوں میں کھلم کھلا مسلم کش عزائم کی آئینہ دار تھیں۔ اور یہ منصوبے پروان چڑھ رہے تھے کہ ہندوستان پر سوائے ہندو کے کسی کو راج کا حق نہیں

اور مسلمانوں کو بزور شمشیر مغلوب کرلینا ان کا مذہبی اور پیدائشی حق ہے‘‘۔
ان تینوں میں سے سب سے کمزور اور قابل رحم حالت مسلمانوں کی تھی مسلمانوں کے کیمپ میں سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ ان میں ایک قومی مذہبی قیادت کا فقدان تھا اور وہ اندرونی اختلافات میں الجھے ہوئے تھے‘‘۔

مولوی ابو الحسن ندوی اپنی کتاب ’’قادیانیت‘‘ میں بالاخر اس دور کے حوالے سے یہ لکھتے نظر آتے ہیں:

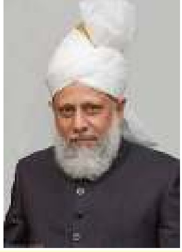
’’یہ دیکھنا چاہے کہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں اس (عالم اسلام) کی حالت کیا تھی اور اس کے حقیقی کیا مسائل ومشکلات تھے۔اس عہد کا سب سے بڑا واقعہ جس کو کوئی مورخ اور کوئی مصلح نظر انداز نہیں کرسکتا یہ تھا کہ اسی زمانہ میں یورپ نے عالم اسلام پر بالعموم اور ہندوستان پر بالخصوص یورش کی تھی۔اس کے جلو میں جو نظام تعلیم تھا وہ خدا پرستی اور خدا شناسی کی روح سے عاری تھا۔جو تہذیب تھی وہ الحاد اور نفس پرستی سے معمور تھی۔عالم اسلام۔ایمان علم اور مادی طاقت میں کمزور ہوجانے کی وجہ سے نوخیز و مسلح مغربی طاقت کا آسانی سے شکار ہوگیا۔

دوسری طرف عالم اسلام مختلف دینی واخلاقی بیماریوں اور کمزوریوں کا شکار تھا۔اُس کے چہرہ کا سب سے بڑا داغ وہ شرک جلی تھا جو اس کے گوشہ گوشہ میں پایا جاتا ہے قبریں اور تعزیے بے محابا پج رہے تھے۔غیر اللہ کے نام کی صاف صاف دہائی دی جاتی تھی بدعات کا گھر گھر چرچا تھا۔خرافات وتوہمات کا دور دورہ تھا یہ صورت حال ایک ایسے دینی مصلح کا تقاضا کررہی تھی جو اسلام کے اندر سے جاہلیت کے اثرات کا مقابلہ اور مسلمانوں کے گھروں میں اس کا تعاقب کرے۔

اس کے ساتھ ساتھ بیرونی حکومت اور مادہ پرست تہذیب کے اثر سے مسلمانوں میں ایک خطرناک اجتماعی انتشار اور افسوس ناک اخلاقی زوال رونما تھا۔اخلاقی انحطاط فسق وفجور کی حد تک تعیش۔اسراف نفس پرستی کی حد تک۔حکومت اور اہل حکومت سے مرعوبیت ذہنی غلامی اور ذلت کی حد تک۔۔

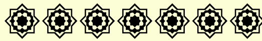
اس وقت ایک ایسے مصلح کی ضرورت تھی جو اس اخلاقی وذہنی انحطاط کی بڑھتی ہوئی روکو روکے۔

اس سب کے علاوہ اور سب سے بڑھکر عالم اسلام کی بڑی ضرورت یہ تھی کہ



عاصی صحرائی

پیارے حضور تجھکو یہ میرا سلام ہے
ہم مقتدی ترے تو، ہمارا امام ہے
پہلو میں تیرے آقا یہ کیسا سرور ہے
لذت بڑھا رہا ہے خلیفہ وہ جام ہے
مسرور نے ہمیں تو ہے مسرور کردیا
قربان اس پہ جاؤں کہ پیارا یہ نام ہے
ے کش بنا دیا ہے ترے عشق نے مجھے
لیتا ہے کش پہ کش یہ جو تیرا غلام ہے
میری طرف سے سب کو مبارک ہو دوستو
منزل یہ عشق کی ہے یہیں بس قیام ہے
سودے ہیں یہ دلوں کے یہ روحوں کا میل ہے
میری تو زندگی کا یہ حاصل کلام ہے
تو روبرو ہوا ہے جو عاصی کے سیدی
قیمت مری بڑھی ہے بڑھا میرا دام ہے



انبیاء علیہم السلام کے طریق دعوت کے مطابق اس امت کو ایمان اور عمل صالح اور اس صحیح اسلامی زندگی اور سیرت کی دعوت دی جائے جس پر اللہ تعالیٰ نے فتح ونصرت دشمنوں پر غلبہ اور دین ودنیا میں فلاح وسربلندی کا وعدہ فرمایا ہے‘‘۔
(قادیانیت صفحہ 217 تا 220 بحوالہ احمدیت صفحہ 376 تا 380)

چوتھا سین۔۔۔دردمند مسلمانوں کی آہ وزاری

جماعت احمدیہ کے شدید ترین مخالف چوہدری محمد حسین ایم۔اے بالاخر یہ فریاد کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔

۞ ’’یارب ہمیں یا تو اتنی لمبی عمر دے کہ ہم اس رحمۃ للعالمین کا زمانہ دیکھیں۔ہم پر رحم فرما اور اسے ابھی بھیج اگر یہ وقت اس کے ظہور کا نہیں تو اور کونسا ہوگا‘‘۔(کاشف مطالعہ قادیانی صفحہ 35)

۞ مولوی شکیل احمد سہسوانی 1892ء میں اپنے رب کے حضور یوں فریاد گزار نظر آتے ہیں۔

دین احمد کا زمانہ سے مٹا جاتا ہے نام
قہر ہے اے میرے اللہ یہ ہوتا کیا ہے
کس لئے مہدی برحق نہیں ظاہر ہوتے
دیر عیسیٰ کے اترنے میں خدایا کیا ہے
عالم الغیب ہے آئینہ ہے تجھ پر سب حال
کیا کہوں ملت اسلام کا نقشہ کیا ہے

(الحق الصریح فی حیاۃ المسیح صفحہ 133)

۞ ایک اور عالم دین خدا تعالیٰ کے حضور یوں اپنی بے بسی کا اظہار ''خون حرمین'' نامی کتاب میں فرماتے ہیں۔

''خدارا ایسی بے بسی اور نازک حالت میں اپنے نام لیواؤں پر رحم کرتے ہوئے امام اخرالزماں کو جلد بھیجئے تا کہ ضعیف الایمان امت کے ایمان اور ایقان میں پھر بالیدگی کی روح پیدا ہو۔اور ضلالت کا فقدان ہو۔یا رسول اللہ اب عقل اور اسباب ظاہری کا سہارا جاتا رہا۔

اے نبی اللہ بتایئے کہ شکستہ دل اور زخموں سے چور امت اپنے درد کی دوا کہاں پائے گی۔اور کیونکر امام موعود علیہ السلام کے حضور اپنی فریاد پہنچائے گی۔

(صفحہ 20۔21 بحوالہ صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام مصنفہ مولانا جلال الدین شمس)

تفاصیل کو قدرے کم کر کے آگے بڑھتے ہیں۔

جب وہ دور تھا۔۔۔اس ہنگامہ خیز و مصیبت زدہ دور میں جماعت احمدیہ 1889ء میں طلوع ہوتی ہے اور اسلام کی حمایت میں ''فتح نصیب جرنیل'' بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

(از مولانا ابوالکلام آزاد اخبار وکیل 28 مئی 1908ء)

چنانچہ اس دور میں جب

۞ جماعت احمدیہ کے بانی ''عیسائی پادریوں کو ولایت تک شکست دے رہے تھے''۔

(دیباچہ مولوی نور محمد نقشبندی چشتی مالک اصح المطابع دہلی صفحہ 30 پر مولوی اشرف علی تھانوی ترجمۃ القرآن)

۞ دہریت، آریہ دھرم، سکھ مت، جین مت کے محاذوں پر اسلامی تعلیمات کا دفاع کر رہے تھے۔(مرزا حیرت دہلوی کرزن گزٹ یکم جون 1903ء)

۞ شیعہ، سنی، وہابی، دیوبندی، چکڑالوی وغیرہ کے فرقہ کے لوگوں سے تعداد میں کم ہوتے ہوئے بھی لاکھوں روپیہ خرچ کر کے اپنے خرچ پر تبلیغی مشن غیر اسلامی ممالک میں بھیج رہے تھے۔

(ماہنامہ جدو جہد لاہور جولائی 1958ء)

۞ تحریک شدھی میں ہندوؤں کو دندان شکن جواب دینے پر مسلمان احمدی بھائیوں کے خلوص، ایثار اور ہمدردی پر فخر کر رہے تھے۔ (زمیندار 8 اپریل 1923ء)

۞ حضرت مرزا صاحب کے ایک اہم مرید حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خاں برصغیر کی مسلم سیاست میں ایک چمکتا ہوا ستارہ بن کر ٹمٹما رہے تھے اور آل انڈیا مسلم لیگ کی صدارت کی کرسی پر براجمان اور گول میز کانفرنسوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے مسلم موقف کو واشگاف پیش کر رہے تھے اور مسلم دنیا کے اکابرین انہیں عصائے موسیٰ قرار دے رہے تھے۔(ماہنامہ طلوع اسلام مارچ 48ء صفحہ 14)

۞ جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ کشمیر کمیٹی بنا کر کشمیریوں کی حمایت میں سردھڑ کی بازی لگا رہے تھے جس سے کشمیر قوم ''دفعتاً جاگ اٹھی تھی''۔(اقبال اور احمدیت صفحہ 416)

۞ جماعت احمدیہ، تمام مسلم مذہبی جماعتوں میں سے واحد مسلم جماعت تھی جو مسلم لیگ کی حمایت میں مصروف تھی۔

۞ جماعت کے امام احمدی پاکستان بنانے اور مسلم لیگ کو کامیاب کرانے کی دوڑ دھوپ میں پیش پیش تھے۔

۞ حضرت قائد اعظم ملاؤں کے اعتراض کے باوجود جماعت احمدیہ کو مسلم ووٹر قرار دے رہے تھے۔

۞ بلکہ حضرت مرزا صاحبؑ کے مشہور مؤید صحابی حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خاں کو ان کی وطن دوست خدمات کی وجہ سے بانی پاکستان حضرت قائداعظم ، اپنا روحانی بیٹا قرار دے رہے تھے۔

۞ پھر پون صدی پر مشتمل جنگ جب عروج پر پہنچ کر اختتامی تقریب کی صورت میں منعقد ہوتی ہے تو باونڈری کمیشن کے سامنے مسلم ملک پاکستان کی حدود کے تعیّن کے لیے بانی پاکستان ایک احمدی سپوت کو پیش کر رہے تھے۔

تب اس وقت احمدی لوگوں کا کردار اور مقام اکابرین مسلم زعماء کے نزدیک کیا تھا؟

اور آج جبکہ وطن عزیز کو بنے 76 سال ہو چکے ہیں وطن عزیز تعمیر کرنے والے مسلم لیگی دارِفانی سے کوچ کر چکے ہیں۔۔۔عرب کے صحراؤں میں تیل کی دولت لہریں مار رہی ہے۔۔۔ابوظہبی، کویت، ایران اور سعودی عرب کی مدد سے بہت مسلم تنظیمیں طاقت اور کلاشنکوف کے ساتھ میدان میں موجود ہیں۔

ایسے میں احمدی جماعت کی کیا تصویر ہے؟

تصویر کے ان تیزی سے بدلتے ہوئے مناظر کو ہی میں نے قلابازیوں کا نام دیا ہے۔تصویر کے تیزی سے بدلتے ہوئے رنگ یقینا مقابلہ سے عجز کی رفتار کو ظاہر کر رہے ہیں

قلابازی نمبر 1 کل 1864ء

ساتھیو! سفر کا آغاز سیالکوٹ سے کرتے ہیں۔مرزا صاحب اپنی جوانی کے ایام اسی سیالکوٹ میں گزار رہے ہیں۔

انٹرویو لینے اور گن سن معلوم کرنے کے لیے آپ کے پڑوسی، اور مشہور عالم دین جناب شمس العلماء مولانا میر حسن صاحب کے گھر چلتے ہیں۔

یادرہے جناب میر حسن صاحب ڈاکٹر علامہ اقبال کے استاد ہیں اور ”ڈاکٹر صاحب انہیں اپنا اور مرشد تسلیم کرتے ہوئے ان کی بے حد عزت کرتے تھے“۔(زندہ رود صفحہ 573)

۞ وہ خدا کے خاص بندے تھے جو کبھی کبھی دنیا میں آتے ہیں۔

(شمس العلماء جناب میر حسن صاحب کی رائے)

آپ 1864ء کا ذکر کرتے ہوئے اپنے پڑوسی کے بارے میں فرماتے ہیں۔

”حضرت مرزا صاحب 1864ء میں بتقریب ملازمت سیالکوٹ شہر میں تشریف لائے۔اور قیام فرمایا چونکہ آپ عزلت پسند اور پارسا اور فضول، لغو سے مجتنب اور محترز تھے۔اس لیے عام لوگوں کی ملاقات جو اکثر تضیع اوقات کا باعث ہوتی ہے آپ پسند نہیں فرماتے تھے۔

مرزا صاحب کو اس زمانہ میں مذہبی مباحثہ کا بہت شوق تھا چنانچہ پادری صاحبان سے اکثر مباحثہ رہتا تھا۔۔۔وہ دنیوی اشغال کے لیے بنائے (ہی) نہیں گئے تھے سچ ہے ہر کسے را بہر کارے سوختند“

حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں میں جو اس عامی پر معاصی کے غریب خانہ کے بہت قریب ہے۔عمرا نامی کشمیری کے مکان پر کرایہ پر رہا کرتے تھے۔کچہری سے جب تشریف لاتے تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے تھے۔بیٹھ کر، کھڑے ہوکر، ٹہلتے ہوئے تلاوت کرتے تھے۔اور زار زار رویا کرتے تھے۔ایسی خشوع اور خضوع سے تلاوت کرتے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔

(حیاۃ طیبہ از شیخ عبدالقادر صفحہ 32 مطبوعہ 1959ء)

ایک دفعہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی سیالکوٹ میں مولانا سے ملے تو آپ نے چشم پر آب ہوکر فرمایا:

”افسوس ہم نے ان کی قدر نہ کی۔ان کے کمالات روحانی کو بیان نہیں کرسکتا۔ان کی زندگی معمولی انسان کی زندگی نہ تھی بلکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو خداتعالیٰ کے خاص بندے ہوتے ہیں اور دنیا میں کبھی کبھی آتے ہیں۔

(مکتوب 26 نومبر 1922ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد اول صفحہ 136)

آج 7 ستمبر 74 کے بعد

یہ 20 فروری 1987ء کا دن ہے مولانا میر حسن نے یہ بات شغلاً کہی تھی ورنہ اصل راز یہ ہے کہ مرزا صاحب دشمن قرآن۔دشمن اسلام اور فتنہ گر تھا۔۔۔ایک پاکستانی اہل حدیث عالم دین 100 سال بعد اندر کی خصوصی رپورٹ سناتے ہیں۔

پاکستانی سینٹ کی غلام گردشوں میں گھوم پھر کر اسلام کا نام سربلند کرنے والے سینٹر پروفیسر حافظ ساجد میر صاحب ایم۔اے ناظم اعلیٰ جمیعت اہل حدیث سیالکوٹ ٹھیک 123 سال بعد اپنی خصوصی رپورٹ میں انکشاف فرماتے ہیں۔

”ماضی قریب میں جن لوگوں نے اسلام کے نام پر فتنہ گری کی اور اسلامی

عقائد کا حلیہ تبدیل کرنے کی سازش میں پیش پیش رہے ان میں مرزا غلام احمد قادیانی کا نام نمایاں ہے۔

(تقدیم حنفیت اور مرزائیت صفحہ 15 مصنفہ مولانا عبدالغفور اثری مطبع زاہد بشر)

چہ دلا وراست دز دے کہ بکف چراغ دار

قلابازی نمبر 2 کل جب 1880 تھا

مرزا صاحب قادیان واپس آ کر تصنیف کے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے چنانچہ آج ہی آپ کی پہلی تصنیف چھپ کر بازار میں آئی ہے۔

آیئے بازار چلتے ہیں اور مشہور مسلم اخبار ''منشور محمدی'' میں اس کتاب کے بارے میں نامور عالم دین ومفکر اور مشہور صحافی اور مدیر اخبار مذکور کا اداریہ ملاحظہ کرتے ہیں۔

۞ مرزا صاحب عالم اسلام، حامی دین اور نبوت عربی اور قرآنی دلائل کے مصدق ہیں۔ آپ نے خدا کی تائیدانہ حمایت سے قرآن کے کلام اللہ ہونے پر وہ کتاب تحریر کی ہے جس کی اک عرصے سے آرزو تھی۔ مولوی محمد شریف صاحب بنگلوری

مولوی محمد شریف صاحب نے ''جاء الحق وزھق الباطل'' کا عنوان لگا کر مرزا صاحب اور ان کی تصنیف کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

''منافقوں اور دشمنوں کے سارے حملے دین اسلام پر ہو رہے ہیں ادھر دہریہ پن کا زور۔ ادھر لا مذہبی کا شور۔ کہیں برہمو سماج اپنے مذہب کو صوفیانہ تقریروں سے دین اسلام پر غالب کیا چاہتے ہیں۔ ہمارے عیسائی بھائیوں کی پوری ہمت تو اسلام کے استیصال پر مصروف ہے۔ اور ان کو اس بات پر یقین ہے کہ جب تک آفتاب اسلام اپنی پر تاب شعاعیں دنیا پر ڈالتا رہے گا تب تک عیسوی دین کی ساری کوششیں بیکار اور تثلیث تین تیرہ رہے گی۔ غرض سارے مذاہب اور تمام دین والے یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح دین اسلام کا چراغ گل ہو۔

مدت سے ہماری آرزو تھی کہ علماء اسلام سے کوئی حضرت جن کو خدا نے دین کی تائیدانہ حمایت کی توفیق دی ہے۔ کوئی کتاب ایسی تصنیف یا تالیف کریں جو موجودہ زمانہ کی حالت کے موافق ہو۔ اور جس میں دلائل عقلیہ اور براہین نقلیہ، قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے پر آنحضرت ﷺ کی ثبوت نبوت پر قائم ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ آرزو بھی بر آئی یہ وہی کتاب ہے جس کی تالیف یا تصنیف کی مدت سے ہم کو آرزو تھی''۔ (منشور محمدی بنگلور 25 رجب 1300ھ)

اور پھر خوشی سے مسلمانوں کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

ثبوت قرآن ونبوت میں بے نظیر کتاب، عقلی دلیلوں کا انبار۔ دشمن کی اب نہ گریز کی طاقت نہ انکار کی۔ مخزن صداقت۔ برقِ خرمن اعدائ۔ مخزن ہدایت

''کتاب براہین احمدیہ ثبوت قرآن ونبوت میں ایک ایسی بے نظیر کتاب ہے جس کا ثانی نہیں۔ مصنف نے اسلام کو ایسی کوششوں اور دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ ہر مصنف مزاج یہی سمجھے گا کہ قرآن کتاب اللہ اور نبوت پیغمبر آخر الزماں حق ہے۔ دین اسلام منجانب اللہ اور اس کے پیرو حق آگاہ ہے۔ عقلی دلیلوں کا انبار ہے، خصم کو نہ جائے گریز اور نہ طاقت کا انکار ہے۔ جو دلیل ہے بین ہے جو برہان ہے روشن ہے۔ آئینہ ایمان ہے۔ لب لباب قرآن ہے ہادی طریق مستقیم مشعل راہ تقویم۔ مخزن صداقت۔ معدن ہدایت۔ برق خرمن اعداد۔ عدو سوز ہر دلیل ہے مسلمانوں کے لیے تقویت کتاب الجلیل ہے۔ ام الکتاب کا ثبوت ہے۔ بے دین حیران ہے مبہوت ہے''۔ (منشور محمدی بنگلور 25 رجب 1300ھ)

آج 7 ستمبر 74 کے بعد

یہ اگست 98ء کا مہینہ ہے مولوی محمد شریف صاحب لگتا ہے کہ مولوی کم اور صحافی زیادہ تھے اور صحافی تو جھوٹ بولتے ہی رہتے ہیں جبکہ ''اصلی سچ'' وہی ہے جو ہم آج کے مولوی آپ کو بتا رہے ہیں کہ:

''مرزا صاحب نے نصاریٰ کے اشارے پر تصانیف اسلامی شریعت کو مسخ کرنے کے لیے لکھیں۔ وہ حامی دین کہاں یورپ کے سیاسی شاطروں کے اشارے پر ناچنے والا اور اتحاد امت کو تباہ کرنے والا تھا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے عظیم مبلغ مولانا منظور احمد بگوی نے ٹھیک 118 سال بعد اپنی خصوصی جاسوسی رپورٹ بعنوان ''مرزائی مشن کا نصب العین'' میں درج ذیل انکشاف کر کے ''صدیوں پرانے توہمات کو یکسر ننگا کر دیا'' آپ کا انکشاف اور اس کی سنسنی خیزی ملاحظہ ہو۔

''قادیان کے ایک گمنام قصبہ سے مرزا غلام احمد قادیانی نے سلسلہ تصانیف شروع کیا چنانچہ مرزا صاحب نے جو کچھ کیا۔۔۔سب کی غرض وغایت نصاریٰ کی خدمت اور اسلامی تعلیم کو مسخ کرنا تھا۔۔۔یہ جماعت ایک سیاسی گروہ ہے جو اتحاد اسلام کی تحریک کو تباہ کرنے کے لیے تیار کی گئی ہے۔

مرزا صاحب نے جو کچھ بھی کیا یورپ کے سیاسی شاطروں کے اشارہ پر کیا۔

(ہفت روزہ ختم نبوت 7 تا 13 اگست 98 صفحہ 10)

اہل نظر، ذوق نظر خوب ہے لیکن جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا

قلابازی نمبر 3 کل 1320ھ

دوستو اب مرزا صاحب دعویٰ ماموریت کر چکے ہیں۔اس حوالے سے ہمیں کسی ولی اللہ کی محفل میں چلنا چاہیے۔ولی اللہ سے ملنا ہے تو سرائیکی سرزمین تو خدا پرستوں اور صوفیاء کا مشہور گڑھ ہے وہیں چلئے۔

لو دوستو!

''شہباز طریقت وشہنشاہ ولایت'' حضرت خواجہ غلام فرید چشتی آف چاچڑاں شریف کی محفل ہے۔لاکھوں اہل سنت والجماعت بریلوی مکتبہ فکر مسلمانوں کے روحانی پیشوا کے سامنے مرزا قادیانی کا ہی ذکر ہو رہا ہے اچھا ہوا موقعہ پر آگئے۔اب ہم بھی سنتے ہیں اور دوسروں کو بھی سناتے ہیں۔

مرزا قادیانی بڑا نیک مرد، ہدایت کی تلقین کرنے والا۔عابد اور خدمت دین میں کمر بند لندن، فرانس تک تبلیغ اسلام کر کے صلیب کو توڑ رہا ہے۔وہ پکا مسلمان اور ضروریات دین کا ہرگز منکر نہیں۔

ممتاز اہل حدیث عالم دین مولانا عبدالغفور اثری نے حنفی مسلک کے خلاف مشہور کتاب بعنوان حنفیت اور مرزائیت شائع کی۔اس میں آپ صفحہ 47-48 پر حضرت غلام فریدؒ کا یہ ارشاد درج فرماتے ہیں۔

مولانا رکن الدین حنفی چشتی لکھتے ہیں:

''مقبوس 27 اس سال 1314ھ بروز منگل بوقت عشاء 29 شعبان کو حضرت اقدس کی زیارت اور قدم بوسی کی دولت حاصل ہوئی۔مرزا غلام احمد قادیانی کا ذکر ہوا اور اس کی تردید ومنکرین کی مذمت کی بات چھڑ گئی۔ایک عقلمند شخص جو وہاں حاضر مجلس تھا اس نے مرزا صاحب کی صفت وثناء کی حضور خواجہ غلام فرید ابقاء اللہ تعالیٰ بقاءہٗ بہت زیادہ خوش ہوئے۔

بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ مرزا صاحب تمام اوقات خدا کی عبادت، نماز یا تلاوتِ قرآن شریف میں گزارتے ہیں۔اس نے دین کی حمایت میں کمر باندھی ہوئی ہے۔یہاں تک کہ اس نے دنیا کی ملکہ جو لندن میں رہتی ہے کو بھی دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت دی ہے اور روس وفرانس وغیرہ کے بادشاہوں کو بھی دعوت اسلام دی ہے اور اس کی تمام محنت وکوشش یہی ہے کہ صلیب اور تثلیث کا عقیدہ مٹائے جو سراسر کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو قائم کرے۔علمائے وقت کو دیکھو کہ مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر ایسے شخص کے درپے ہو گئے ہیں جو بڑا نیک مرد اور اہل سنت وجماعت سے ہے اور صراط مستقیم پر ہے اور ہدایت کی تلقین کرتا ہے اس پر کفر کا فتویٰ لگا رہے ہیں۔اس کا عربی کلام دیکھو جس کا مقابلہ کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے اور اس کی تمام کلام حقائق ومعرفت وہدایت سے بھری ہوئی ہے اور وہ اہل سنت وجماعت کے عقائد اور ضروریات دین کا ہرگز منکر نہیں۔ارشادات فریدی حصہ سوئم صفحہ 69-70 مطبوعہ آگرہ 1320ھ۔

(بحوالہ حنفیت اور مرزائیت مطبع زاہد بشیر پرنٹر ہجویری پارک ریٹی گن روڈ لاہور 47-48)

7 ستمبر 1974 کے بعد آج یعنی 1998ء میں

''پیر غلام فرید صاحب بھی تو آخر پیر ہی ہیں اور وہ بھی بریلویوں کے اور ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں یہ پیر تو ہوتے ہی کم علم اور توہم پرست ہیں نہ وہ ہماری طرح زیرک تھے اور نہ ان کی ''گہرائی'' تک نظر اس لئے ان کو چھوڑیں وہ کیا جانیں اندر کی باتیں جبکہ ہم بتاتے ہیں اصل راز اور وہ یہ ہے کہ

مرزا صاحب دشمن اسلام اور مستعمرین مغرب کے سرمایہ سے تیار کردہ تھے اور یہ تبلیغ بھی کوئی خفیہ کھیل ہے۔ایک مجاہد ختم نبوت مولانا نورالحق نور ناظم ختم نبوت صوبہ سرحد ورکن مرکزی مجلس شوریٰ کی ''ٹھیک ایک صدی بعد خصوصی رپورٹ'' جسے ہفت روزہ ختم نبوت رسالہ نے اپنی زینت بنایا ہے

''مرزا غلام احمد قادیانی کو اغیار کے اشارہ پر عالم اسلام میں تفریق ڈالنے اور مسلمانوں کو جہاد سے متنفر کر کے ان کو یورپ کی ہوس ملوکیت کا شکار بنانے کے لیے قائم کیا گیا تھا اور فرقہ مرزائیہ ہرگز مذہبی گروہ نہیں بلکہ مستعمرین مغرب

کے سرمایہ سے تیار کردہ ایک خطرناک پولیٹکل محکمہ ہے جو مذہب کے پردہ میں عالم اسلام کو کفر کے زیر نگیں کرنے کا فریضہ پچاس سال سے پوری تندہی سے سرانجام دے رہا ہے۔اور غیر ممالک میں تبلیغ کے بہانے سے خفیہ سیاسی مقاصد کی تکمیل کے سوا انہیں اور کچھ بھی مدنظر نہیں''۔

(مولانا منظور احمد بگوی ہفت روزہ ختم نبوت 7 تا 13 اگست 1998ء صفحہ 10)

ہاں یہ بات تو سو فیصد سچ کہ زہر اگلنے، بم پھاڑنے اور اکابر کی گستاخی کرنے کی جو جسارت آج آپ میں ہے وہ ماضی کے ان بزرگوں میں کہاں!

قلابازی نمبر 4 کل 1892ء

مرزا صاحب آج کل پھر لاہور میں ہیں۔آپ کے دعویٰ ماموریت پر تین سال گزر چکے ہیں۔ان 3 سالوں میں آپ نے دفاع اسلام کے لیے کیا کیا اس کا جائزہ بھی ہو جائے اور اس کے ساتھ ساتھ مستند علماء دین کی مذہبی مصروفیات کو بھی ایک نظر دیکھ لیتے ہیں۔صحیح صحیح خبر حاصل کرنے کے لیے مشہور مسلم اخبار ''پیسہ'' کے دفتر میں چلتے ہیں۔

22 فروری 1892ء کا دن ہے پیسہ اخبار کے اداریے میں کچھ مرزا صاحب کا ذکر ہے ملاحظہ کیجئے۔

مرزا صاحب پر کفر کا فتویٰ ظلم ہے۔ان کی تو تمام کوشش عیسائیت اور آریہ دھرم کے خلاف اسلامی دفاع میں وقف ہیں قال اللہ اور قال الرسول کے تابعدار شخص کے پیچھے نہ جانے کیوں مولوی پڑ گئے ہیں۔مولوی محبوب عالم صاحب کی دکھی تحریر:

''مرزا صاحب دو ہفتے سے لاہور میں تشریف رکھتے تھے اور لاہور کی خاص وعام طبائع کو اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے کہ کسی وجہ سے سیالکوٹ کو چلے گئے ہیں ہر شخص گھر میں، دوکان میں، بازار میں، دفتر میں، مرزا صاحب اور ان کے دعویٰ مماثلت مسیح کا ذکر کرتا ہے۔

مرزا صاحب کے حق میں جو کفر کا فتویٰ دیا گیا ہے ہم کو اس سے سخت افسوس ہوا ہے۔کوئی مسلمان زنا کرے۔چوری کرے۔الحاد کا قائل ہو۔شراب پئے اور کوئی کبیرہ گناہ کرے کبھی علماء اسلام اس کی تکفیر پر آمادہ نہیں سنے گئے۔مگر اک باخدا مولوی کو جو قال اللہ اور قال الرسول کی تابعداری کرتا ہے بعض جزوی اختلافات کی وجہ سے کافر گردانا جاتا ہے۔

ہم نہیں کہتے کہ ہر شخص مرزا صاحب کی ہر ایک بات تسلیم کر لے لیکن یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے مولوی صاحبان اپنی اس لیاقت اور ہمت کو غیر مسلموں کے مقابلے میں صرف کریں جواب مرزا صاحب کے مقابلے میں صرف ہو رہی ہے۔اگر اہل ہنود خصوصاً آریہ لوگ عیسائی لوگ مرزا صاحب کی مخالفت میں زور وشور سے کھڑے ہو جاتے تو ایسا بے جا نہ تھا۔

مرزا صاحب کی تمام کوششیں آریہ اور عیسائیوں کی مخالفت میں اور مسلمانوں کی تائید میں صرف ہوئی ہیں جیسا کہ ان کی مشہور تصنیفات براہین احمدیہ سرمہ چشم آریہ اور دیگر رسائل سے واضح ہے''۔

(22 فروری 1892ء اخبار پیسہ لاہور 2 شنبہ)

آج 1996ء (ٹھیک 104 سال بعد یہ دوبارہ فروری کا مہینہ ہے)

جھوٹ بلکہ سفید جھوٹ یقیناً مولوی صاحب نے یہ کارنامہ رشوت لے کر کیا ہوگا جبکہ اصل اور حقیقی بات یہ ہے کہ قادیانیوں نے تو آج تک کبھی ہندوؤں اور عیسائیوں کو تبلیغ کی ہی نہیں بلکہ ان کی تو بغل میں گھسے ہوئے ہیں۔

ممتاز دیوبندی عالم دین امیر علی قریشی مہاجر مدنی جو زیادہ وقت عرب امارات، کویت اور سعودی عرب کے تیل کے کنووں کے پاس گزارنے کی وجہ سے اپنے آپ کو مہاجر لکھتے اور سمجھتے ہیں۔چنانچہ اسی پردیس کے سفر کے دوران آپ نے ایک خاص تحقیق کی اور اپنی اس لازوال ریسرچ کے ذریعہ بہتوں کے منہ بند کر دیئے ہیں۔

عظیم عالم دین کی عظیم ریسرچ ملاحظہ ہو

''عجیب بات یہ ہے کہ ان (قادیانیوں ناقل) کی یہ کوششیں مسلمانوں ہی میں ہیں ہندوؤں اور نصاریٰ میں اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کرتے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کا مقصد مسلمانوں کو کافر بنانا ہے جو لوگ پہلے سے کافر ہیں انہیں راہ پر ڈالنا ان کے مقاصد کے خلاف ہے''۔

مزید ارشاد ہے:

''عجیب بات ہے کہ قادیانیوں کا سارا نزلہ قرآن پر ایمان لانے والوں پر ہی ہے۔اور انہیں سے دشمنی ہے ۔اگر یہ لوگ قادیانی کو نہیں مانتے تو

یہود و نصاریٰ بھی تو نہیں مانتے لیکن ان سے کوئی دشمنی نہیں ہے ان کی بغل میں گھسے ہوئے ہیں''۔

(ہفت روزہ مہارت لاہور 27 جنوری تا 2 فروری 1996ء صفحہ 16)

مشہور مسلمان شاعر سودا کا ایک شعر بہت یاد آرہا ہے:

شیخ جی کی بانگ وصلوٰۃ اوپر تو اے ناصح نہ جا
خانہ قصاب میں بھی تو روزوشب تکبیر ہے

کہیں یہ بات درست تو نہیں

دوستو اک لمحہ کے لیے رک کر انصاف کو آواز دیجئے اور ضمیر کی آواز پر کان دھریئے۔اب بھی اگر ذہن کا کوئی گوشہ تاریک رہ گیا ہو تو میرے ساتھ آگے بڑھیئے اور نئے سالوں میں نئی منزلوں کے نظارے اور بدلتی ہوئے تصویروں کا مزید رنگ ملاحظہ ہو۔

قلابازی نمبر 5 کل 1893ء

مرزا صاحب دعویٰ مسیحیت کر چکے ہیں۔اور بقول ان کے وہ صلیب کو توڑنے آئے ہیں۔پادریوں سے مناظرے کر رہے ہیں۔اور سلطنت برطانیہ کے زوال کی بھی پیشگوئی کر رہے ہیں۔

اس موقعہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ

مرزا صاحب کے اول المکفر عظیم عالم دین صحافی،وکیل اہل حدیث او رممتاز دانشور جناب مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے پاس چلتے ہیں۔اور نظارہ کرتے ہیں کہ وہ کس طرح سے انگریزوں کا مار مار کر بھرکس نکال رہے ہیں اور انگریزوں کے ''اشارے پر ناچنے والے'' مرزا صاحب کس طرح سے یاس کی تصویر بنے کھڑے ہیں۔

ہے ناں مزیدار آئیڈیا مگر یاد رہے آج 1893ء کا سال ہے۔

''اے انگریز سرکار یہ مرزا باغی ہے خیر خواہ نہیں تمہاری تباہی کی پیشگوئی کرتا ہے۔اور تمہیں خدا کا نافرمان بھی لکھتا ہے۔اسے پکڑو اور جیل میں ڈالو۔میں تمہارے ساتھ ہوں۔گواہیاں میں دوں گا۔شیخ العجم مولوی محمد حسین بٹالوی کی 100 سال قبل دھائی۔

''اے حضرات پوادر(پادری کی جمع) آپ بھی بے غیرتی میں قادیانی کے پیرو ہو چلے ہو کیوں اس پر عدالت میں استغاثہ دائر نہیں کرتے اور اس کو جیل کی سیر نہیں کراتے''۔(اشاعۃ السنۃ نمبر 1 جلد نمبر 16 صفحہ 8،1893ء)

ایک اور موقعہ پر اپنی سرکار سے یوں عرض کرتے ہیں۔

گورنمنٹ کے حضور یہ مودبانہ التماس ہے کہ کادیانی کو۔۔۔خیر خواہ سلطنت نہ سمجھ لے۔اور اس کی کارستانیوں پر جو سول اینڈ ملٹری گزٹ اور اشاعۃ السنۃ نے گورنمنٹ کے حضور میں پیش کی ہیں چشم پوشی نہ کرے اور اس کے دعویٰ خیر خواہی پر گورنمنٹ اس سے یہ سوال کرے کہ اگر تم خیر خواہ سلطنت ہو اور بغاوت گورنمنٹ سے بری ہو تو تمہاری پیشگوئی ہشت سالہ(سلطنت برطانیہ تاہشت سال۔بعد ازاں ایام ضعف واختلال) سے کیا غرض ہے اور تمہارے اس فقرہ(صفحہ 601 کتاب وساوس اسلام)

''کہ جب انسان نافرمان ہو جاتا ہے۔تو مالک حقیقی کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو بلاتوسل،رسل نافرمانوں کے مالوں کو تلف کرے اور ان کی جانوں کو معرض خطر میں پہنچا دے یا کسی رسول کے واسطے سے یہ تجلی قہری نازل کرے'' کے کیا معنی ہیں؟

مگر اس سوال کے وقت اپنے ملک وسلطنت کے وفادار ایڈووکیٹ ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ کو بھی سامنے کھڑا کر لے پھر دیکھیئے کہ اس سوال کے جواب میں قادیانی سے دعویٰ خیر خواہی وعدم بغاوت قادیانی کا سچا ہونا ثابت ہوتا ہے یا جھوٹا ہوتا۔(اشاعۃ السنۃ نمبر 12 جلد نمبر 16 صفحہ 376)

آج یعنی 10 اگست 1990ء

یہ بات تو مولانا نے دل لگی کرتے ہوئے شغلاً ارشاد فرمائی تھی اپ تو جانتے ہی ہیں کہ مولانا بہت اچھا مذاق فرما لیتے تھے جبکہ اصل میں مرزا قادیانی انگریز کے کھڑے کیئے ہوئے تھے اور مولوی بٹالوی صاحب انگریز کے جانی دشمن تھے۔مسلک اہل حدیث کے ترجمان ''الاسلام'' کی اندر کی رپورٹ یوں بتاتے ہیں:

جناب پروفیسر میاں محمد یوسف رپورٹ کی تفاصیل یوں فرماتے ہیں؛

''فرنگی شاطروں کو مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کے لیے کچھ ایسے ایجنٹ اور آلہ کار درکار تھے جو یہ فریضہ سرانجام دے سکیں اور مسلمانوں کی

طرف سے انگریزوں کے خلاف نفرت کی فضا کو سازگار کر سکیں۔اس مقصد کی تکمیل کے لیے انہیں مرزا غلام احمد قادیانی اور مولوی احمد رضا خاں بریلوی جیسے آدمی مل گئے جنھوں نے انگریز کے ادنیٰ اشارے پر مسلمانوں میں ان مفاسد وفتن کو جنم دیا جن کا خمیازہ اب تک امت مسلمہ بھگت رہی ہے۔انہوں نے انگریز سرکار کا حق نمک ادا کرتے ہوئے سب پہلے تو جہاد کی منسوخی کا فتویٰ صادر فرمادیا''۔

(فتنوں کا سد باب مقلدیت یا غیر مقلدیت ہفت روزہ الاسلام لاہور صفحہ 8 ،10 اگست 1990ء)

کیا کسی نے خوب کہا ہے

صد سالہ دور چرخ ہے ساغر کا ایک جام
نکلے جو میکدہ سے تو دنیا بدل گئی

قلابازی نمبر 6 کل دسمبر 1896ء

یہ 26،27،28،29 دسمبر 1896ء کے دن ہیں۔

دوستو!اس وقت ہم آپ کو لاہور میں منعقد ہونے والے ایک عظیم الشان جلسہ کے پنڈال میں لئے چلتے ہیں۔

یہ''جلسہ مذاہب عالم کے نام سے منعقد کیا گیا ہے۔اور مقصد یہ ہے کہ تمام مذاہب کے چوٹی کے علماء صرف اپنے مذہب کی خصوصیات بیان فرمائیں۔

برصغیر کے تقریباً تمام مذاہب کے نمائندہ علماء دین پوری تیاری کے ساتھ اپنے اپنے مذہب کے دفاع کے لیے پنڈال میں موجود ہیں۔

اس قیمتی اجتماع کے موقعہ پر مرزا صاحب کسی کونے کھدرے میں چھپے اُس وقت کیا کر رہے تھے؟اور آج 100 سال گزرنے کے بعد نئے جاسوس محققین کی ریسرچ کے مطابق کیا کر رہے تھے یہی تصویر دکھانے میں آپ کو اس جلسہ گاہ میں لایا ہوں۔

''سامعین کی خاص دلچسپی مرزا غلام احمد قادیانی کے لیکچر میں تھی اسلام کی حمایت وحفاظت میں ماہر اور کامل ہیں''۔

۞ ان لیکچروں میں سب سے عمدہ لیکچر جو جلسہ کی روح رواں تھا مرزا غلام احمد قادیانی کا لیکچر تھا۔۞ مرزا صاحب کی قرآنی تفسیر پر سب لٹو ہو گئے۔آپ نے اسلام کا بول بالا کر دیا۔۞ اگر اس جلسہ میں حضرت مرزا صاحب کا مضمون نہ ہوتا تو اسلامیوں پر غیر مذاہب والوں کے روبرو ذلت وندامت کا قشقہ لگ جاتا۔۞ مرزا صاحب نے وکالت اسلام کا حق ادا کر دیا۔۞ مرزا صاحب نے اسلامی پہلوانی کا پورا حق ادا کر دیا۔۞ مرزا صاحب کے لیکچر سے اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔۞ یہ مضمون سب پر بالا رہا۔۞ مرزا صاحب کے لیکچر پر خلقت اس طرح آ آ گری جیسے شہد پر مکھیاں۔۞ مولوی محمد حسین بٹالوی کا لیکچر بالکل معمولی اور ملائی خیالات تھے۔جس پر بہت سے لوگ ہال سے اٹھ کر ہی چلے گئے اسی وجہ سے لیکچر پورا کرنے کے لیے چند منٹ بھی زائد نہ دیئے گئے۔

۞ مرزا صاحب کے لیکچر کو مکمل کرنے کے جلسہ میں پورا ایک دن بڑھا دیا گیا۔۞ مرزا صاحب کے لیکچر میں بے شمار معارف وحقائق وحکم واسرار کے موتی چمک رہے تھے۔۞ بلکہ اختتام مضمون پر حق معاندین کی زبان پر یوں جاری ہو چکا تھا کہ اب اسلام کی حقیقت کھلی''۔

نوٹ: مندرجہ بالا اقتباس صرف سول اینڈ ملٹری گزٹ۔''چودھویں صدی اخبار''اخبار جنزل وگوہر آصفی'' کی اشاعت یکم فروری 1897ء اور 24 جنوری 1897ء سے لئے گئے۔ہیں ورنہ

''جلسہ مذاہب عالم پر آراء'' کے نام سے 300 صفحات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہے دیکھئے مصنفہ حنیف محمود صاحب اسی طرح سے دیکھیں صداقت مسیح موعود مصنفہ عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ وغیرہ وغیرہ۔

آج نومبر 1998ء

مندرجہ بالا سب جھوٹ اور بکواس، نہ مرزا صاحب وکیل اسلام اور نہ ہی قرآن کے معارف جاننے والے بلکہ مراق کا مریض شخص تھا۔تخریب کار۔بلکہ قرآن کی بے حرمتی کرتا رہا۔

ٹھیک 102 سال بعد مجاہد ختم نبوت مولانا شاہ عالم صاحب کی لاثانی ریسرچ رپورٹ۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا ترجمان ہفت روزہ ختم نبوت میں مولانا شاہ عالم صاحب نے

''قرآن مجید میں مرزا قادیانی کی لفظی تحریفات''

کے نام سے ایک اہم ترین خفیہ رپورٹ درج فرمائی ہے درج۔خفیہ یہ اس

لیئے ہے کہ اس میں مرقوم معلومات صرف مولانا کو ہی معلوم ہو سکی ہیں۔ رپورٹ حاضر ہے۔

ارشاد ملاحظہ ہو:

''مرزا قادیانی پر مراقی اثرات کے ساتھ ساتھ حکومت انگلینڈ کی اپنے حق میں پشت پناہی اور حمایت کا ایسا نشہ سوار تھا کہ اس عمل داری میں تخریب اسلام کے لیے وہ سب کچھ کرنے پر آمادہ تھا جو اس کے پہلوں سے نہ ہو سکا تھا''۔

الفاظ قرآنی کی تحریف توڑ مروڑ اور بے حرمتی کا شرمناک ارتکاب کرتا رہا''۔(ختم نبوت 6 تا 12 نومبر 1998ء صفحہ 6)

اسے کہتے ہیں

ساری خدائی ایک طرف مولوی کی تحقیق اک طرف

قلابازی نمبر 7 کل 1900 تا 1907

عیسائیوں میں تبلیغ کا ذکر ہو رہا ہے تو برصغیر سے باہر دور دراز دنیا کے دوسرے کنارے پر خالصتاً عیسائی ملک امریکہ چلتے ہیں جہاں ایک شخص ڈاکٹر جان الیگزینڈر ڈوئی بڑے زور شور سے اسلام کے خلاف زہر اگل رہا ہے اور عیسائیت کی تبلیغ ایک بالکل نئے انداز سے کرنے میں مصروف ہے۔

تو آیئے امریکہ چلتے ہیں۔ڈاکٹر الیگزینڈر کا تعارف، مشن اور پھر حضرت بانی جماعت مرزا غلام احمد قادیانیؑ کے ساتھ جنگ کا منظر دیکھتے ہیں۔

تعارف

نام ڈاکٹر الیگزینڈر ڈوئی۔ یہ شخص عیسائی تھا۔قوی اور طاقتور تھا خوشحال تھا۔دولت مند تھا۔اسلام کا سخت دشمن ،مغرور متکبر اور سرورِ کائنات فخر موجودات ﷺ کی بے انتہاء تحقیر و توہین کرنے والا۔ نیویارک ڈیلی ٹربیون نے اپنی 14 جولائی 1903ء کے پرچہ میں اس کی دولت کا اندازہ کئی ملین ڈالرز لکھا تھا۔اور خود اس کی ذاتی اخبار ''لیوز آف ہیلنگ'' نے اس کی دولت کا اندازہ 14 ملین ڈالر سے زیادہ ظاہر کیا تھا۔

اس نے ایک عظیم الشان شہر ''صیحون'' نام سے جھیل مشی گن کے کنارے آباد کیا۔ جہاں اسے پوری حکومت حاصل تھی اور اس کے متعلق 6 ستمبر 1902 کے رسالہ منسی میگزین جلد 27 میں مسٹر گرور ٹاؤن سینڈ لکھتا ہے

''جھیل مشی گن کے کنارے پر ایک جدید شہر کی ابتداء کر کے مسٹر ڈوئی ایک تحصیل کو ہی نہیں بلکہ ایک ریاست کو ایک قوم کو ایک براعظم کو ایک نصف کرہ کو بلکہ ساری دنیا کو کنٹرول کرنے کا ارادہ رکھتا ہے''

مقام و مرتبہ

ڈاکٹر الیگزینڈر ڈوئی کا کہنا تھا کہ یسوع مسیح اب جلد ہی دنیا میں ظہور کر کے پوری دنیا کو عیسائی بنانے کے لیئے آسمان سے نیچے آیا ہی چاہتے ہیں لیکن انہوں نے مجھے پہلے ماحول کو سازگار کرنے کے لیئے ''نبی'' ''مبشر'' اور ''بادشاہ'' بنا کر بھجا ہے ۔اخبار لکھتا ہے

''پہلا ایلیاء تو ایک نبی تھا۔دوسرا ایلیاء یعنی زکریا کا بیٹا بھی آبائی طور پر ایک مبشر تھا مگر تیسرا ایلیاء نبی بھی ہے مبشر بھی اور بادشاہ بھی''

(رسالہ انڈی پنڈنٹ 19 اپریل 1906)

مشن

26 مئی 1900 کو اپنے اخبار ''لیوز آف ہیلنگ'' میں لکھتا ہے

''میں محمد (ﷺ) کے جھوٹوں کا نفرت کے ساتھ تصور کرتا ہوں (خاکش بدہن) اگر میں ان جھوٹوں کو تسلیم کر لوں تو مجھے یہ ماننا پڑے گا کہ اس مجمع میں یا خدا کی زمین کے کسی قطعہ پر ایک عورت بھی ایسی نہیں جو غیر فانی روح رکھتی ہو''

اس طرح مزید 15 اگست 1903 کے پرچہ میں اپنے مشن کے بارے میں لکھتا ہے

'' محمڈن ازم کا لب لباب عورت کی تذلیل ہے اور اس کے لیئے ابدی روح سے محرومیت ہے۔۔۔۔زائن کے لیئے ضروری ہے کہ وہ انسانیت کے دامن سے اس گھناؤنے دھبے کو دھو ڈالے یروشلم سے اس ملعون جھنڈے کو ہمیں اتارنا ہوگا۔ہلال اور صلیب کے درمیان ایک جنگ عظیم قریب نظر آ رہی ہے''

مرزا صاحب اور ڈاکٹر ڈوئی کے درمیان نقارہ جنگ

مرزا صاحب کو جب اس امریکی نبی اور مبشر کے افکار معلوم ہوئے تو آپ نے لکھا کہ ''یہ شخص۔۔۔اسلام کا سخت درجہ دشمن ہے۔۔اور آپ ﷺ کو کاذب اور مفتری خیال کرتا اور گندی گالیاں دیتا ہے۔(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ 69)

اور اعلان کرتا ہے کہ تمام مسلمان ہلاک ہوجائیں گے۔کعبہ ویران ہوجائے گا اور چونکہ اس زمانہ میں اسلام کے دفاع اور کسر صلیب اور قتل خنزیر کے لیے معبوث کیا گیا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ ان خنازیر میں سے ایک یہ بھی ہے جنہوں نے میرے ہاتھ سے قتل ہونا ہے چنانچہ آپ نے اس کو مباہلے کے لیے بلایا اور اس کے لیے بددعا کی۔اور فرمایا ''یقیناً سمجھو کہ اس کے صیحون پر جلد تر آفت آنے والی ہے''۔

نوٹ: مرزا صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو کیا پیغام دیا۔ڈاکٹر صاحب نے جوابی کیا ارشاد فرمایا کس کس اخبار نے دونوں کے دلائل مباہلہ کے اعلانات شائع کئے یہ 7 سالوں پر پھیلی داستان ہے جس کا مفصل ذکر تاریخ احمدیت اور صداقت مسیح موعودؑ مصنفہ عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ میں موجود ہے۔ہم اس حصے کو چھوڑ کر جنگ کے اختتام کی طرف بڑھتے ہیں۔

امریکی عیسائی نبی اور مرزا صاحب کی جنگ کا انجام

ڈاکٹر جان الیگزینڈر نہایت ذلت اور حسرت کے ساتھ 9 مارچ 1907ء کو حضرت مرزا صاحب کی زندگی میں ہی مر گیا۔اس کی لڑکی جس سے وہ محبت رکھتا تھا جل کر مر گئی۔اس کی بیوی اور لڑکا اس کی زندگی میں علیحدہ ہو گئے اور پھر لڑکا بھی لاولد ہونے کی حالت میں مر گیا۔اس کا شہر صیحون اس کی جائیداد اس کا مال ودولت اس کی عزت وحشمت اس کے مرید اور ان کی قیادت سب اس سے کھوئے گئے اس کی وفات پر شکاگو ٹربیون نے 10 مارچ 1907ء کی اشاعت میں لکھا:

''یہ خود ساختہ پیغمبر بغیر کسی اعزاز کے اور بالکل کسمپرسی کی حالت میں مر گیا۔۔۔اس کے بستر موت پر اس کا کوئی قریبی عزیز نہیں آیا''۔

رسالہ انڈی پنڈنٹ نے 14 مارچ 1907ء کو اس کی وفات کے حوالے سے لکھا:

وہ اپنی مذہبی اور مالی طاقت میں آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا کمال کو پہنچا مگر پھر یک لخت نیچے گرا۔اس حال میں اس کی بیوی اس کا لڑکا اس کا چرچ سب اس کو چھوڑ چکے تھے''۔

اس جنگ پر امریکن اخبارات کا تبصرہ

امریکہ کے مشہور اخبار THE TRUTH SEEKER نے 15 جون 1907 کے پرچہ کے ایڈیٹوریل میں زیرعنوان پیغمبروں کی جنگ لکھا: (ترجمہ)

''ڈوئی (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) مفتریوں کا بادشاہ سمجھتا تھا اس نے نہ صرف یہ پیشگوئی کی تھی کہ اسلام صیحون کے ذریعہ تباہ کر دیا جائے گا بلکہ وہ ہر روز یہ دعا بھی کیا کرتے تھے کہ ہلال (اسلامی قومی نشان) جلد از جلد نابود ہوجائے۔جب اس کی خبر ہندوستانی مسیح کو پہنچی تو اس نے اس ایلیائے ثانی کو للکارا کہ وہ مقابلے کو نکلے اور دعا کریں کہ جو ہم دونوں میں سے جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں مر جائے قادیانی صاحب نے پیشگوئی کی اگر ڈوئی نے اس چیلنج کو قبول کر لیا تو وہ میری آنکھوں کے سامنے بڑے دکھ اور ذلت کے ساتھ اس دنیا سے کوچ کرے گا اور اگر اس نے اس چیلنج کو قبول نہ کیا تو تب اس کا اختتام صرف کچھ توقف اختیار کر جائے گا۔موت اس کو پھر بھی جلد پالے گی اور اس کے صیحون پر بھی تباہی آئے گی۔یہ ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی کہ صیحون تباہ ہوجائے اور ڈوئی (حضرت) احمد (علیہ السلام) کی زندگی میں مر جائے۔مسیح موعود کے لیے یہ ایک خطرے کا اقدام تھا کہ وہ لمبی زندگی کے امتحان میں اس ایلیائے ثانی (ڈوئی) کو بلائیں کیونکہ دونوں میں سے چیلنج کرنے والا کم وبیش 15 سال زیادہ عمر رسیدہ تھا اور ایک ایسے ملک میں جو پلیگ اور متعصب مذہبی دیوانوں کا گھر ہو۔حالات اس کے مخالف تھے مگر آخر کار وہ جیت گیا''۔

اس وقت مرزا صاحب کا ردِّعمل

آپ نے عیسائیوں کے مبلغ ڈاکٹر ڈوئی کی وفات پر فرمایا:

''چونکہ میرا اصل کام کسر صلیب ہے سو اس کے مرنے سے ایک بڑا حصہ صلیب کا ٹوٹ گیا کیونکہ وہ تمام دنیا سے اول درجہ پر حامی صلیب تھا جو پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا تھا اور کہتا تھا کہ میری دعا سے تمام مسلمان ہلاک ہوجائیں گے اور اسلام نابود ہوجائے گا۔اور خانہ کعبہ ویران ہوجائے گا۔سو خدا تعالیٰ نے میرے ہاتھ اس کو ہلاک کیا۔۔۔میں جانتا ہوں کہ اس کی موت سے پیشگوئی قتل خنزیر والی بڑی صفائی سے پوری ہوگئی کیونکہ ایسے شخص سے زیادہ خطرناک کون ہوسکتا ہے کہ جس نے جھوٹ طور پر پیغمبری کا دعویٰ کیا اور خنزیر کی طرف

جھوٹ کی نجاست کھائی۔

پس میں قسم کھا سکتا ہوں کہ وہی خنزیر کی طرح تھا جس کے قتل کی آنحضرت ﷺ نے خبر دی تھی کہ مسیح موعود کے ہاتھ پر مارا جائے گا۔۔۔ چنانچہ وہ میری زندگی میں ہلاک ہوا۔ اس سے زیادہ کھلا کھلا معجزہ جو نبی ﷺ کی پیشگوئی کو سچا کرتا ہے اور کیا ہوگا''۔

نوٹ: یاد رہے اُس وقت برصغیر پر انگریز قابض تھے جن کا مذہب عیسائیت تھا اور مذکورہ خنزیر بھی عیسائی تھا اب آگے دیکھیے۔

آج 1973ء

جھوٹ سراسر جھوٹ بالکل واہیات اور لغو قصہ نہ ڈوئی نامی کسی آدمی نے ایسا دعویٰ کیا نہ صیحون نامی دنیا میں کوئی شہر۔ کہاں قادیان اور کہاں امریکہ نہ ٹرتھ سیکر نامی کوئی اخبار دنیا صحافت میں نکلی جبکہ اصل اور حقیقی بات یہ ہے کہ 1869ء میں انگریزوں نے ایک کمیشن برصغیر بھیجا جو سال بھر ریسرچ کرتا رہا واپس جا کر 1870ء میں ''وائٹ ہاؤس لندن'' میں کانفرنس بلائی گئی جس میں کمیشن مذکور اور پادری شامل تھے فیصلہ ہوا کہ کوئی ظلی نبی کھڑا کیا جائے تاکہ وہ مسلمانوں کی کمر ہمیشہ کے لیے توڑ دے۔ ایسا غدار مل جائے تو وہ داخلی انتشار پھیلا دے گا۔

ٹھیک 73 سال بعد مجاہدین ختم نبوت کا سنسنی خیز انکشاف

1973ء کا سال دنیا جاسوسی میں ہمیشہ سنہری لفظوں سے لکھا اور یاد کیا جاتا رہے گا۔ کیونکہ اس سال مجلس تحفظ ختم نبوت کے فوجی ماہرین نے بعض ایسے قیمتی حقائق اور خفیہ معارف کو کھوج نکالا جو اگر سامنے نہ آتے تو برصغیر کی تاریخ اور دنیا کے جغرافیہ سے متعلق آج تک لوگوں کو پتہ ہی نہ چلتا کہ امریکہ لندن کا ایک شہر ہے اور براعظم امریکہ کا ایک حصہ براعظم یورپ میں واقع ہے۔

یقیناً جب ریسرچ پوری ایمان داری اور خلوص سے کی جائے تو دنیا کا ہر کام ممکن ہوسکتا ہے اور اگر محقق عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان سے بہرہ مند ہوں تو انکشافات یقینی امر ہیں۔ تفصیل کچھ یوں ہے کہ مئی 1967ء میں جمیعۃ العلماء اسلام سرگودھا کی طرف سے ایک انگریزی پمفلٹ بعنوان

SOME THING TO PONDER OVER

کے نام سے شائع ہوا اور اسے خفیہ طور پر تقسیم کیا گیا۔

1973ء میں مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان نے اپنی مطبوعہ روداد بابت سال 1392ھ میں صفحہ 3۔4 پر اس کا خاص ذکر کیا۔ اور اس کے ترجمہ کی اشاعت کو اپنے کارناموں میں شمار کیا۔

علاوہ ازیں شورش کاشمیری صاحب ایڈیٹر چٹان نے اپنے رسالہ ''عجمی اسرائیل'' میں اس کا خاص ذکر کیا۔ بعد میں اس کے اردو اور عربی ترجمہ ہزاروں کی تعداد میں دنیا میں پھیلائے گئے۔ اور اسی طرح 1974ء میں قومی اسمبلی کے روبرو بھی اسی مقدس ریسرچ کو پیش کر دیا گیا۔ ریسرچ ملاحظہ ہو۔

''1869ء میں انگریزوں نے ایک کمیشن لنڈن سے ہندوستان بھیجا تاکہ وہ انگریز کے متعلق مسلمان کا مزاج معلوم کرے اور آئندہ کے لیے مسلمان کو رام کرنے کے لیے تجاویز مرتب کرے اس کمشن نے ایک سال ہندوستان میں رہ کر مسلمانوں کے حالات معلوم کئے۔

1870ء میں وائٹ ہاؤس لندن میں کانفرنس منعقد ہوئی جس میں کمشن مذکور کے نمائندگان کے علاوہ ہندوستان میں متعین مشنری کے پادری بھی دعوت خاص پر شریک ہوئے جس میں دونوں نے علیحدہ علیحدہ رپورٹ پیش کی۔ جو کہ ''دی ارائیول آف برٹش ایمپائر ان انڈیا'' کے نام سے شائع کی گئی۔

''رپورٹ سربراہ کمشن سر ولیم ہنٹر

مسلمانوں کا مذہباً عقیدہ یہ ہے کہ وہ کسی غیر ملکی حکومت کے زیر سایہ نہیں رہ سکتے اور ان کے لیے غیر ملکی حکومت کے خلاف جہاد کرنا ضروری ہے جہاد کے اس تصور سے مسلمانوں میں ایک جوش اور ولولہ ہے اور جہاد کے لیے ہر لحہ تیار ہیں۔

رپورٹ پادری صاحبان

یہاں کے باشندوں کی ایک بہت بڑی اکثریت پیری مریدی کے رجحانات کی حامل ہے اگر اس وقت ہم کسی ایسے غدار کو ڈھونڈنے میں کامیاب ہوجائیں جو ظلی نبوت کا دعویٰ کرنے کو تیار ہوجائے تو اس کے حلقہ نبوت میں ہزاروں لوگ جوق در جوق شامل ہوجائیں گے۔

ہم اس سے پہلے برصغیر کی تمام حکومتوں کو غدار تلاش کرنے کی حکمت عملی

سے شکست دے چکے ہیں وہ مرحلہ اور تھا اس وقت فوجی نقطعہ نظر سے غداروں کی تلاش کی گئی تھی لیکن اب جبکہ ہم برصغیر کے چپہ چپہ پر حکمران ہو چکے ہیں۔۔۔تو ان حالات میں ہمیں کسی ایسے منصوبے پر عمل کرنا چاہیے جو یہاں کے باشندوں کے داخلی انتشار کا باعث ہو"۔

دوستو ان عظیم ترین علماء دین سے میں یہ سوال بھی نہیں کروں گا کہ

۞ 1869ء میں برصغیر آنے والے کمیشن کے ممبران کون کون تھے۔کس کس سے یہ ملے اور کہاں کہاں گئے؟

۞ یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ ہزار ہا تاریخ دانوں کو اس کمشن کی برصغیر آمد کا راز کا کیوں معلوم نہ ہو سکا؟

۞ یہ بھی نہیں پوچھوں کہ اتنا اہم راز آپ نے کس دستاویز سے لیا؟

۞ یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ وائیٹ ہاؤس براعظم یورپ میں ہے یا ہزاروں میل دور براعظم امریکہ میں؟

۞ یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ "ظلی نبی" کی خالص اسلامی اصطلاح اور غیر مانوس پادریوں کو کیسے معلوم ہوئی؟

۞ یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ انگریزوں نے اپنے حمایتیوں کے لیے غدار کا لفظ کیوں استعمال کیا؟

۞ یہ بھی نہیں پوچھوں گا کہ "دی ارائیول آف برٹش ایمپائر ان انڈیا" نامی کوئی کتاب تو دنیا میں کبھی چھپی ہی نہیں

ہاں مگر یہ ضرور پوچھوں گا کہ شاہ لولاک کی عظیم ختم نبوت کا تحفظ کرنے والے عظیم مبلغ جھوٹ ہی بول کر پیٹ بھرنا ہے تو دنیا میں کئی کاروبار اور کئی دھندے ہیں "ختم نبوت" جیسے پوتر لفظ کا سہارا کیوں؟

شرمِ نبی ، خوف خدا ، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

قلابازی نمبر 8 کل 1889ء تا 1908ء

دوستو مرزا صاحب نے 1889ء میں دعویٰ ماموریت کیا اور 1908ء میں فوت ہو گئے۔اس عرصہ میں آپ نے 85 کتب لکھیں۔برصغیر کے طول وعرض کے دورے کیے سکھوں، ہندوؤں، آریہ مت، جین مت، دہریت اور باقی مسلمان فرقوں کے ساتھ۔زبانی اور تحریری چومکھی جنگ لڑی۔

آپ کو "وہائٹ ہاؤس لندن" والے انگریزوں نے "ظلی نبی" بنا کر کھڑا کیا تھا۔"آپ مسلمانوں میں تخریب کاری کرنے کے لیے آئے تھے"۔کیا اس عرصہ میں کوئی مسلمان صوفی۔ولی اللہ۔گدی نشین۔پیر فقیر اور خدا والا بھی آپ کے "جھانسے" میں آیا یا سبھی "علماء دین شرع متین اور فضیلۃ الشیخ آپ کے کفر کے واقف ہو گئے تھے۔

آپ لوگ ملہم ہونے کا دعویٰ کرتے ہو آؤ اور خدا سے پوچھ لو کون خدا والا ہے آپ لوگوں کی پیشگوئیاں سچی نکلیں تو ایک دم میری ساری جماعت آپ کے ساتھ شامل ہو جائے گی۔

حضرت مرزا صاحب نے تمام علماء دین کے سامنے خدائی فیصلے کو رکھا کہ آؤ اور خدا سے فیصلہ کروا لیتے ہیں چنانچہ آپ اشتہار دیتے ہوئے لکھا:

"آپ لوگ ملہم کہلاتے ہیں۔استجابت دعا کا بھی دعویٰ ہے چند پیشگوئیاں جو استجابت دعا پر بھی مشتمل ہوں بذریعہ اشتہار شائع کردیں اور اس طرف سے میں بھی شائع کردوں۔ایک برس سے زیادہ میعاد نہ ہو پھر آپ لوگوں کی پیشگوئیاں سچی نکلیں تو ایک دم ہزار ہا لوگ میری جماعت کے آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔(روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 544 بحوالہ تحفہ غزنویہ)

تکفیر باز مولوی نہ تو تکفیر سے باز آئے اور نہ ہی کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے جبکہ دوسری طرف بہت سے صوفیاء اور گدی نشین اس دعویٰ کے ساتھ مرزا صاحب کے مرید ہو گئے کہ ان کو خود خدا نے الہاماً یہ خبر دی ہے کہ مرزا صاحب ہی مہدی دوراں اور امام برحق ہیں آیئے دونوں کا موازنہ کریں۔

مشہور علماء جنہوں نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی صداقت کا اقرار کیا

۞ حضرت مولانا نورالدین بھیروی شاہی حکیم بادشاہ جموں وکشمیر ۞ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹی ۞ حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب سابق مدرس دارالعلوم دیوبند و مظاہر العلوم سہارن پور ۞ حضرت مولانا برہان الدین جہلمی ۞ حضرت مولانا محمد احسن صاحب امروہی ۞ حضرت مولانا فضل الدین صاحب کھاریاں ۞ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب میرٹھی ۞ حضرت مولانا انوار حسین خاں صاحب شاہ آباد ضلع ہردوئی ۞

حضرت مولانا حافظ سید علی میاں شاہ جہان پوری ۞ حضرت مولانا قاضی خلیل الدین احمد صاحب رازی ۞ حضرت مولانا غلام حسین صاحب لاہور گمٹی والے ۞ حضرت مولانا حسن علی صاحب واعظ (جنہوں نے تمام ہندوستان میں دورہ کرکے تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کیا تھا۔اور جن کی تبلیغی سرگرمیاں تمام ہندوستان میں مشہور تھیں۔ ۞ حضرت مولانا حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی ۞ حضرت مولانا امام الدین صاحب گولیکی ضلع گجرات ۞ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل جلال پوری ۞ حضرت مولانا محمد دلپذیر صاحب بھیروی مشہور پنجابی شاعر ۞ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب لدھیانوی حنفی ۞ حضرت مولانا عبدالماجد صاحب بھاگل پوری ۞ حضرت مولانا عبدالواحد صاحب آف براہمن بڑیہ بنگال ۞ حضرت مولانا فضل الدین صاحب بھیروی ۞ حضرت حافظ روشن علی صاحب جنہوں نے قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کیا ۞ حضرت مولانا میر محمد سعید حیدرآبادی ض حضرت مولانا غلام نبی خوشابی عزیز الواعظین ۞ حضرت مولانا حافظ سید علی شاہ جہان پوری ۞ حضرت مولانا غلام امام شاہ جہانپوری ۞ حضرت سید حامد شاہ سیالکوٹی جو شمس العلماء اور علامہ اقبال کے مرشد مولانا میر حسن کے بھتیجے تھے جن کی وفات پر مولانا نے فرمایا تھا کہ آج ہمارے خاندان سے تقویٰ رخصت ہوگیا''۔(ذکر اقبال از مولانا عبدالمجید سالک صفحہ 287) ۞ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی ۞ حضرت مولانا غلام حسن صاحب پشاوری ۞ حضرت مولانا قاضی امیر حسین بھیروی ۞ حضرت مولانا محمد سعید طرابلسی ۞ حضرت مولانا تفضّل حسین فرید آبادی وغیرہ ہم

مشہور پیر اور گدی نشین

۞ پیران پیر اور گدی نشینوں میں سے حضرت خواجہ غلام فرید صاحب آف چاچڑاں شریف جو سابق ہز ہائی نس نواب صاحب آف بہاولپور کے پیر تھے اور جن کے لاکھوں مرید ریاست بہاولپور اور سندھ میں موجود ہیں۔

صوبہ سرحد

۞ حضرت پیر صاحب آف کوٹھہ شریف جنہوں نے خدا سے خبر پاکر امام مہدیؑ کی آمد۔امام مہدی کا نام اور علاقہ تک اپنے مریدوں کو بتادیا اور فرمادیا کہ اب ہمارا وقت ختم ہوگیا ہے۔

۞ حضرت پیر سراج الحق جمالی نعمانی یوپی جو کہ کئی پشت سے پیر تھے آپ مولوی رشید احمد آف گنگوہی کے رشتہ دار بھی تھے۔برصغیر کی چند مشہور پیر ہستیوں میں آپ کا نام مبارک بھی تھا۔

۞ حضرت صوفی احمد جان لدھیانوی۔

مولوی عبدالغفور اثری ''حنفیت اور مرزائیت'' میں آپ کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''23 مارچ 1889ء کو لدھیانہ میں حنفیوں کے مشہور پیر صوفی احمد جان کے مکان پر بیعت ہوئی یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے مرزا کے اعلان بیعت سے قبل ہی اپنی پیری مریدی کا سلسلہ ترک کرکے مرزا کی بیعت کا اظہار ان لفظوں میں کیا تھا:

ہم مریضوں کی ہے تمہیں پہ نظر
تم مسیحا بنو خدا کے لیے صفحہ 1 2

اسی طرح حضرت پیر سراج الحق صاحب کی نشاندہی اثری صاحب یوں فرماتے ہیں:

''1889ء کو غالی مقلد حنفیوں کے مشہور پیر سراج الحق نعمانی سہارن پوری نے قادیان پہنچ کر مسجد مبارک میں بیعت کی''۔(صفحہ 21)

۞ حضرت پیر حافظ روشن علی جن کا انگریزی ترجمہ قرآن کریم برصغیر میں بہت مقبول ہوا۔

۞ حضرت پیر برکت علی صاحب نوشاہی آف رنمل شریف ضلع گجرات

کہاں کی دعا اور کہاں کا استخارہ میں تو صرف اپنے غصہ کا اظہار گالیاں دے کر ہی کروں گا۔میرے دل میں اس فتنے نے زخم کردیا ہے جس سے ہر وقت خون ٹپکتا رہتا ہے۔(امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری)

عظیم مجاہد ختم نبوت۔محدث العصر مجدد امت مولانا یوسف لدھیانوی سید الطائفہ مطب العالم امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری کی ذات گرامی کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اس فتنہ کے استیصال کے لیے یوں تو بہت سے اکابر نے زریں خدمات سرانجام دیں لیکن جس شخصیت کو اس دور کی قیادت و امامت تفویض ہوئی وہ امام

العصرحضرت مولانا محمد انورشاہ کشمیری کی ذات گرامی تھی۔حضرت شاہ صاحب کو قادیان فتنہ نے کس قدر بے قرار کر رکھا تھا؟ بہتر ہوگا کہ ہم یہ روئیداد غم حضرت بنوری سے سنیں۔

امت کے جن اکابر نے اس فتنہ کے استیصال کے لیے محنت کی ہے ان میں سب سے امتیازی شان حضرت امام العصر مولانا محمد انورشاہ کشمیری دیوبندی کو حاصل تھی اور دارالعلوم دیوبند کا پورا اسلامی اور دینی مرکز انہیں کے انفاس مبارکہ سے اس شجرہ خبیثہ کی جڑوں کو کاٹنے میں مصروف رہا۔

اس ''امتیازی شان'' کے حامل ''امام العصر'' کے ''انفاس مبارکہ'' درج کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں خود حضرت رحمۃ اللہ سے سنا ہے کہ'' جب یہ فتنہ کھڑا ہوا تو مجھے چھ ماہ تک نیند نہیں آئی اور یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ کہیں دین محمدی کے زوال کا باعث یہ فتنہ نہ بن جائے۔۔۔میں نے خود اپنی زندگی میں کسی بزرگ اور عالم کو اتنا دردمند نہیں دیکھا جتنا حضرت امام العصر کو۔ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دل میں زخم ہوگیا ہے جس سے ہروقت خون ٹپکتا رہتا ہے جب مرزا کا نام لیتے تو فرماتے ۔(۔آگے گالیاں درج ہیں۔)۔فرماتے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ گالیاں دیتا ہے فرمایا کہ ہم اپنی نسل کے سامنے اپنے اندرونی درددل کا اظہار کیسے کریں ہم اسی طرح قلبی نفرت اور غیظ وغضب کا اظہار کرنے پر مجبور ہیں''۔

(ہفت روزہ ختم نبوت 18 تا 24 دسمبر 1992 صفحہ 11)

دین کی دنیا میں مقابلہ گالیاں دے کر ؟؟ شائد اپنے ایسے ہی اکابر کی حرکات سے عاجز آ کر شورش کاشمیری صاحب نے کہا تھا

زباں بگڑی قلم بگڑا ،روش بگڑی ، چلن بگڑا
خود اپنے ہاتھ سے کافر گروں کا پیرہن بگڑا
چلا تکفیر کا جھکڑ کہ شرق و غرب کانپ اٹھے
اٹھی دشنام کی آندھی مزاج اہرمن بگڑا

قلابازی نمبر 9 کل 28 مئی 1908ء

یہ 28 مئی 1908ء کا دن

اسی مئی میں چند دن پہلے مرزا صاحب فوت ہو چکے ہیں۔آیئے اس حوالے سے اخبارات کا جائزہ لیتے ہیں کہ ''وہائٹ ہاؤس لندن'' مارکہ اس شخص نے ''مسلمانوں میں کتنا انتشار پھیلایا'' اور ''مسلمانوں کی کس قدر کمر توڑی''۔

سب سے پہلے مشہور دیوبندی عالم دین امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے دفتر ''وکیل'' اخبار چلتے ہیں۔کیونکہ مولانا مرزا صاحب کے جنازے کے ساتھ شرکت کے لیے ''امرتسر سے لاہور آئے اور یہاں سے بٹالہ تک شرکت کر کے ابھی ابھی تازہ حالات وواقعات معلوم کر کے واپس لوٹے ہیں۔

(یاران کہن صفحہ 42 ازمولانا عبدالمجید سالک ایڈیٹر انقلاب)

وہ بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر زبان جادو آواز حشر جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے وہ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا شخص جو اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتا رہا۔عیسائیت کے پرخچے اڑا دیئے۔ان کا طلسم دھواں بن کر اڑا دیا۔آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑیں۔ایسا یادگار لٹریچر جو ہماری آنے والی نسلوں کو گراں بار احسان رکھے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مولانا ابوالکلام ازاد

''وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لیے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔جو شور قیامت ہو کر خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا۔۔۔دنیا سے اٹھ گیا مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جائے ایسے شخص جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہوا ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔یہ نازش فرزندان تاریخ بہت کم منظر عام پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔مرزا صاحب کی اس رفعت نے ان کے بعض دعاوی اور معتقدات کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو۔ہاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا ہے کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہوگیا ہے اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ اسلام کی اس شاندار مدافعت کو جو ان کی ذات کے ساتھ وابستہ تھی خاتمہ ہوگیا ہے ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے

ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جائے مرزا صاحب کا لٹریچر مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔اس لٹریچر کی قدرو قیمت آج جبکہ وہ اپنا فرض پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ایک طرف حملوں کے اعتداد کی یہ حالت تھی کہ ساری مسیحی دنیا اسلام کی شمع عرفان کو سرراہ منزل مزاحمت سمجھ کے مٹا دینا چاہتی تھی۔اور دوسری طرف ضعف مدافعت کا یہ عالم تھا کہ توپوں کے مقابل پر تیر بھی نہ تھے۔اور حملہ اور مدافعت دونوں کا قطعی وجود ہی نہ تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ مدافعت عیسائیت شروع ہوئی جس کا ایک حصہ مرزا صاحب کو حاصل ہوا۔اس مدافعت نے عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑائے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا۔اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہوکر اڑنے لگا۔غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گراں بار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہوکر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا۔

اس کے علاوہ وہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب کا سلسلہ جو کسی درجہ تک وسیع ہوجائے ناممکن ہے کہ یہ تحریریں نظرانداز کی جاسکیں۔آئندہ امید نہیں کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص ہو جو اپنی اعلیٰ خواہشیں محض اس طرح مذاہب کے مطالعہ میں مصروف کردے''۔(اخبار وکیل 28 مئی 1908ء)

آج 7 ستمبر 74ء کے بعد

آپ تو جانتے ہی ہیں مولانا کا مالی ہاتھ کافی تنگ تھا اور تنگ دستی میں بندہ چڑ چڑا ہوجاتا۔بس ایسے ہی ایک دن چڑ چڑے ہوگئے اور یہ بات لکھ ڈالی ورنہ ایسی کوئی بات نہیں جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ فتح نصیب جرنیل کہاں وہ تخریب کار جرنیل تھے۔اسلام کے علمی ذخیرہ میں خاک اضافہ کیا کبھی کوئی مسئلہ حل نہ کیا بلکہ انتشار ہی پھیلایا۔کیا اس فساد پر ہم اس کے شکر گزار رہوں۔

ٹھیک 86 سال بعد ایک اور مبلغ ختم نبوت کا ایک اور ہی انکشاف

ختم نبوت کے عظیم مبلغ مولانا ابوعمار زاہدالراشدی جو خطیب تو گوجرانوالہ کی ایک مسجد میں ہیں مگر آپ بعض مصروفیات کی بناء پر مئی، جون، جولائی اور اگست لندن میں گزارتے ہیں اسی طرح سے امریکہ اور دیگر ممالک کی ایمبسیوں میں بھی آپ کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔اسی ''چلت پھرت'' کے دوران آپ نے بھی ریسرچ کا کام شروع کر دیا تو حیرانگی کی انتہاء نہ رہی کہ آپ کے ہاتھ بھی بعض اہم اور قیمتی انکشافات آگئے۔

مغربی ممالک کی ایمبسیوں اور یورپ سے حاصل ہونے والے اہم راز ملاحظہ ہوں۔

''پاکستان میں ایک قادیانی کو کانٹا چبھتا ہے تو واشنگٹن کو تکلیف ہوتی ہے۔ایک مرتبہ سابق امریکی سفارت کار رچرڈ کی جہلم کے قریب چک سکندر کی فائلیں دیکھ رہے تو میں نے ان سے پوچھا کہ یہ آپ کیا دیکھ رہے ہیں تو انہوں نے کہا کہ وہاں قادیانیوں اور مسلمانوں کا جھگڑا ہوا ہے مجھے اس کی رپورٹ واشنگٹن بھیجنا ہے''۔(روزنامہ خبریں کیم نومبر 94 صفحہ 7)

پھر مزید فرماتے ہیں

''قادیانی امت دور حاضر کے ان گروہوں میں سے جنہیں مغربی استعمار نے ملت اسلامیہ کو فکری انتشار سے دوچار کرنے کے لیے پروان چڑھایا ہے اور جو استعمار کے فکری وسیاسی مقاصد کے لیے بدستور استعمال ہو رہے ہیں''۔
(ملت اسلامیہ کے خلاف قادیانی سازشیں صفحہ 1 ناشر ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد چنیوٹ)

مولانا ابوالحسن ندوی

آپ بھی کسی تعارف کے محتاج نہیں۔عظیم مبلغ ختم نبوت ہونے کے ساتھ ساتھ آپ محقق، صحافی اور ریسرچ سکالر بھی ہیں۔آپ نے اپنی تحقیق کو ''قادیانیت'' کے نام سے شائع فرمایا تھا جو اس قدر مقبول ہوئی کہ مارشل لاء گورنمنٹ نے اس کے انگریزی تراجم پوری دنیا میں پھیلا دیئے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''مولانا ابوالکلام آزاد کا منہ بند کرنے کے لیے'' اصل راز کو پیش کر دیا جائے تاکہ عوام کہیں ٹھوکر نہ کھا جائیں۔

''مرزا غلام احمد نے درحقیقت اسلام کے علمی اور دینی ذخیرہ میں کوئی ایسا اضافہ نہیں کیا جس کے لیے اصلاح وتجدید کی تاریخ ان کی معترف ہو اور مسلمانوں کی نسل جدید ان کی شکر گزار ہو۔انہوں نے نہ تو کوئی عمومی خدمت دین انجام دی جس کا نفع دنیا کے سارے مسلمانوں کو پہنچے نہ وقت کے جدید مسائل میں سے کسی مسئلہ کوحل کیا۔نہ ان کی تحریک موجودہ انسانی تہذیب کے لیے جوسخت مشکلات اورموت وحیات کی کشمکش سے دوچار ہےکوئی پیغام رکھتی ہے۔نہ اُس نے یورپ اور ہندوستان کے اندراسلام کی تبلیغ واشاعت کا کوئی قابل ذکرکارنامہ انجام دیا ہے۔اس کی جدوجہد کا تمام تر میدان مسلمانوں کے اندر ہےاوراس کا نتیجہ صرف ذہنی انتشاراورغیرضروری کشمکش ہے''۔

(قادیانیت صفحہ 223)

اسے کہتے ہیں اصل ریسرچ یا بقول فیض:

وہ بتوں نے ڈالے ہیں وسوسے کہ دلوں سے خوف خدا گیا
وہ پڑی ہیں روز قیامتیں کہ خیال روز جزا گیا
جو نفس تھا خارِ گلو بنا جو اٹھے تھے ہاتھ لہو ہوئے
وہ نشاط آہ سحر گئی وہ وقار دستِ دعا گیا
جو طلب پہ عہد وفا کیا تو وہ قدر رسمِ وفا گئی
سر عام جب ہوئے مدعی تو ثواب صدق وصفا گیا

قلابازی نمبر 10 کل 1908ء

آج 30 مئی 1908ء کا دن ہے''وکیل'' کے دفتر میں صرف دودن کے وقفے سے آج ہم پھر میں حاضر ہیں۔کچھ مزید مرزا صاحب کے بارے میں ارشادفرمانا چاہ رہے ہیں چلئے 30 مئی 1908ء کی اشاعت میں درج ایک مقالہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

مرزا صاحب سچے پاک باز مسلمان اور حامی دین اسلام۔اسلام ان پر گہرا چھایا ہوا تھا۔حقیقت اسلام اورحمایت اسلام میں ان کی نادر تصانیف وجد پیدا کردیتی ہیں۔

''جب کہ ان کی عمر 35،36 سال کی تھی ہم ان کوغیرمعمولی مذہبی جوش میں سرشار پاتے ہیں وہ ایک سچے اور پاک باز مسلمان کی طرح زندگی بسر کرتا ہے اس کا دل دنیوی کششوں سے غیر متاثر ہے وہ خلوت میں انجمن اور انجمن میں خلوت کا لطف اٹھانے کی کوشش میں مصروف ہے ہم اسے بےچین پاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی کسی چیز کی تلاش میں ہے جس کا پتہ فانی دنیا میں نہیں ملتا اسلام اپنے گہرے رنگ کے ساتھ اس پر چھایا ہوا ہے کبھی وہ آریوں سے مباحثہ کرتا ہے کبھی حمایت اور حقیقت اسلام میں وہ بسیط کتابیں لکھتا ہے 1886ء میں بمقام ہوشیار پور جو مباحثات انہوں نے کیے ان کا لطف اب تک دلوں سے محو نہیں ہوا۔غیر مذاہب کی تردید میں اور اسلام کی حمایت میں جو نادر کتابیں انہوں نے تصنیف کی تھیں ان کے مطالعہ سے جو وجد پیدا ہوا وہ اب تک نہیں اترا''۔(وکیل 30 مئی 1908ء)

آج 7 ستمبر 74ء کے بعد

مانا کہ آپ کا ہاتھ تنگ تھا اور آپ غربت سے چڑ چڑے بھی ہو گئے تھے مگر اتنی بھی کیا غربت کہ بندہ مسلسل جھوٹ ہی بولنے لگ جائے۔کاش کوئی اس وقت مولانا کی مالی امداد کردیتا اور یوں مولانا اتنا گندہ بیان دینے سے بچ جاتے جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے اس کا دور کا بھی تعلق نہ تھا۔انگریز کے اشارے پر کھڑا ہوا اور قریب تھا اسلام کی عظیم الشان محل زمین بوس کردیتا۔بابیوں اور بہائیوں کا پیروکار گپ باز آخر کار ملحد ہو گیا۔

ٹھیک 75 سال بعد ایک اور مبلغ ختم نبوت کا اور ہی انکشاف

دوستو یوں تو بہت سارے مورخین کے انکشافات جدیدہ آپ نے ملاحظہ کئے مگر جو بات خادم الحدیث مولانا محمد یوسف بن محمد زکریا البنوری الحسینی نے پیدا کی ہے وہ آپ کو کہیں اور نظر نہیں آئے گی۔گویا کہ آپ نے اہم اور اصلی راز حاصل کرنے کے لیئے ''تاریخ کا سینہ پھاڑ'' ہی دیا ہے۔

آپ کی محقق اور نظر عمیق نے بعض ایسے جواہر دریافت فرمائے ہیں جو آنے والا جدید محققین کے لیے سنگ میل کا کام دیں گے۔زریں انکشافات ملاحظہ ہوں۔

''امت مرحومہ قرونِ اولیٰ سے آج تک ہمیشہ ایسے فتنوں سے دوچار ہوتی رہی ہے جو اس کی ترقی واشاعت کی راہ میں کوہ گراں بنتے رہے اگر پروردگار عالم کی رحمت شامل حال ہوکر اس کی حفاظت وبقا کا ذریعہ نہ بنتی تو آج ملت

اسلامیہ کے اس عظیم الشان محل کی بنیادیں زمین بوس ہو چکی ہوتیں۔قرون آخیرہ کا سب سے بڑا فتنہ مرزا غلام احمد قادیانی کا ظہور ہے جب برطانیہ نے ہند پر تسلط جمایا تو اس کے ایماء اشارے اور اس کی سازش سے مشرقی پنجاب کے ایک قصبہ ''قادیان''ضلع گورداسپور میں اس فتنہ کا ظہور ہوا۔

چنانچہ یہ قرآن کریم سے آیات چن کر انہیں اپنے اوپر چسپاں کرتا، باطنیوں اور زندیقوں کی طرح قرآنی آیات کی تشریح وتعبیر کرتا۔اور اپنی کلام میں بابیوں اور بہائیوں کی پیروی کرتا رہا۔۔اس نے لوگوں کے سامنے پرفتن اور مبالغہ آمیز گپیں ہانکیں اور کفر والحاد کی وادی میں اتر گیا''۔

(قادیانی اور ان کے عقائد مصنفہ شیخ مولانا منظور احمد چنیوٹی تقدیم صفحہ 6۔7)

واہ تحقیق ایسی ہی ہو کہ بندہ پھڑک کے رہ جائے یا بقول فیض

ان کو اسلام کے لٹ جانے کا ڈر اتنا ہے
اب وہ کافر کو مسلمان نہیں کرنے دیتے
دل میں وہ آگ فروزاں ہے عدو جس کا بیاں
کوئی مضمون کسی عنوان نہیں کرنے دیتے

قلابازی نمبر 11 کل 1908ء

آج یکم جون 1908 کا دن ہے۔مولانا ابوالکلام آزاد کی تو خیر چھوڑیئے۔دہلی چلتے ہیں۔یہاں سے مشہور عالم دین وصحافی اور برصغیر کی ممتاز روحانی شخصیت مرزا حیرت دہلوی ''کرزن گزٹ'' کے نام سے اخبار نکالتے ہیں اس کے دفتر چلتے ہیں۔

لیجئے یکم جون 1908ء کے شمارے میں مرزا صاحب کا ذکر موجود ہے ملاحظہ کیجئے۔

مرزا صاحب نے عیسائیت اور آریہ دھرم کا منہ بند کر دیا۔مخالفین اسلام کے لچر اعتراضات کی دندان شکن جواب دیئے اور خدمت اسلام کا حق ادا کر دیا۔مرزا حیرت دہلوی

''مرحوم کی وہ اعلیٰ خدمات جو اس نے آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں اسلام کی کی ہیں وہ واقعی بہت ہی تعریف کی مستحق ہیں اس نے مناظرہ کا بالکل رنگ ہی بدل دیا اور جدید لٹریچر کی بنیاد ہندوستان میں قائم کر دی۔نہ بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ ایک محقق ہونے کے ہم اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے آریہ اور بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلے میں زبان کھول سکتا۔جو بے نظیر کتابیں آریوں اور عیسائیوں کے مذاہب کے رد میں لکھی گئی ہیں اور جیسے دندان شکن جواب مخالفین اسلام کو دیئے گئے آج تک معقولیت سے ان کا جواب الجواب ہم نے تو نہیں دیکھا سوائے اس کے کہ آریہ نہایت بدتہذیبی سے اسے یا پیشوایان اسلام یا اصول اسلام کو گالیاں دیں۔مگر اس کے قلم میں اس قدر قوت تھی کہ آج سارے پنجاب بلکہ سارے ہند میں اس قوت کا کوئی لکھنے والا نہیں۔ایک پرجذبہ اور قومی الفاظ کا انبار اس کے دماغ میں بھرا رہتا تھا۔واقعی اس کی بعض عبارتیں پڑھنے سے ایک وجد کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے''۔

(کرزن گزٹ یکم جون 1908ء)

آج 7 ستمبر 74ء کے بعد یہ اگست 1998ء ہے۔

صاف سی بات ہے کہ ایک تو وہ مرزا تھے اور دوسرے حیرت۔میں نے ان کو دیکھا ہے اکثر حیرت ہی میں ڈوبے رہتے تھے۔اسی طرح حیرت میں ڈوبے ڈوبے کسی دن یہ حیرت انگیز بیان دے بیٹھے ہونگے ہی۔جبکہ اصل حقیقت ان کو کہاں پتہ۔مرزا صاحب نے کہاں کی خدمت اسلام کی خواہ مخواہ آریوں کو گالیاں دیں اور جوابی طور پر ان سے اسلام کو گالیاں دلوائیں۔تردید کے بہانے دشنام دہی کی جس کا نتیجہ اقوام ہند میں تشتت وانتشار کی صورت ظاہر ہوا۔

ٹھیک 100 سال بعد ایک اور مبلغ ختم نبوت کا جدید ترین انکشاف

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت حضوری باغ روڈ ملتان وہ عظیم درس گاہ ہے جس میں تحقیق کے وہ نادر اور سائنٹفک اصول سکھائے جاتے ہیں جس کی مثال بیرونی دنیا میں دیکھنا یقیناً ''پاگل پن ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ اس درس گاہ کے ریسرچ سکالر جب بھی غوطہ لگاتے ہیں تو واپسی پر تحقیق کی دنیا میں ایسے انکشافات کا اضافہ ہوتا ہے جو نہ صرف ان کی عرق ریزی اور لگن کا منہ بولتا ثبوت ہوتے ہیں۔بلکہ باقی ''بے عقل

مورخین'' کے لیے عبرت کا درس بھی۔آیئے مولانا منظور احمد بگوی کی ایسی ہی لاثانی تحقیق کوملاحظہ کرتے ہیں۔

''مذہب کے پردہ میں مسلمانوں پر ایسا خطرناک حملہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔مسلمانوں کی غیرت وحمیت کوفنا کرنے کے لیے کامیاب حربہ استعمال کیا گیا۔اس کے لیے تبلیغ اسلام کا مرحم ایجاد کیا گیا اور جی بھر کر مذاہب کو گالیاں دینے کا شغل اختیار کیا گیا۔۔۔مرزا قادیانی نے غیر مذاہب خصوصاً آریہ اور عیسائیوں کے خلاف تردید کے بہانہ دشنام دہی کا سلسلہ شروع کر دیا۔اس طرح ہندوستان میں نئے علم کلام کی بنیاد ڈال دی جس کا نتیجہ اقوام ہند کے درمیان تشتت وانتشار کی صورت میں ظاہر ہوا۔بانیان مذاہب کی توہین کا بدلہ یے گنبد کی صدا جیسی کہی ویسی سنی

کے مصداق پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آریہ وعیسائی مصنفین کی دریدہ دہنی کی شکل اختیار کرنے لگا اور جب مرزا صاحب کی ذات پر بھی حملے ہونے لگے تو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو گیا''۔

(ہفت روزہ ختم نبوت 7 تا 13 اگست 93ء صفحہ 10)

اے ماہرین ریسرچ بہت مبارک ہو تم کو

ستم کی آگ کا ایندھن بنے دل پھر سے وادلہا
یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں خداوندا
بنا پھرتا ہے ہر اک مدعی پیغام بر تیرا
ہر اک بت کو صنم خانے میں دعویٰ ہے خدائی کا
خدا محفوظ رکھے از خداوندانِ مذہب ہا
چلا پھر سوئے گردوں کاروانِ نالہ شب ہا

(فیض)

قلابازی نمبر 12 کل 1908ء

بات لمبی ہو رہی ہے اس لیے ''روزنامہ صادق الاخبار''روزنامہ زمیندار اور رسالہ ''تہذیب النسائ'' کے ایڈیٹران سے اجتماعی طور پر ملاقات کر لیتے ہیں۔اور اسی طرح مغربی تعلیم سے روشن علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ کا نقطعہ نظر بھی شامل کر لیتے ہیں تا کہ اس دور کو سمیٹ کر آگے بڑھ سکیں۔

''مرحوم اسلام کا بڑا پہلوان''۔''پکا مسلمان''،''مقدس اور برگزیدہ بزرگ''۔شاندار تصانیف نے مخالفین اسلام کو دندان شکن جواب دے کر ساکت کر دیا۔حمایت اسلام کا تصنیف کے ذریعہ حق ادا کر دیا۔

۞ ''صادق الاخبار'' ریواڑی لکھتا ہے

''مرزا صاحب نے اپنی پرزور تقریروں اور شاندار تصانیف سے مخالفین اسلام کو ان کے لچر اعتراضات کے دندان شکن جواب دے کر ہمیشہ کے لیے ساکت کر دیا اور ثابت کر دکھایا کہ حق حق ہی ہے۔اور واقعی مرزا صاحب نے حق حمایت اسلام کا کما حقہ ادا کر کے خدمت دین اسلام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔انصاف متقاضی ہے کہ ایسے اولوالعزم،حامی اسلام اور معین المسلمین،فاضل اجل،عالم بے بدل کی ناگہانی اور بے وقت موت پر افسوس کیا جائے''۔(بحوالہ تشحیذ الاذہان جلد 3 نمبر 10 صفحہ 382)

۞ سید ممتاز علی صاحب امتیاز ایڈیٹر رسالہ ''تہذیب النسوان'' لاہور

''مرزا صاحب مرحوم نہایت مقدس اور برگزیدہ بزرگ تھے اور نیکی کی ایسی قوت رکھتے تھے جو سخت سے سخت دلوں کو تسخیر کر لیتی تھی وہ نہایت باخبر عالم،بلند ہمت مصلح اور پاک زندگی کا نمونہ تھے ہم انہیں مذہباً مسیح موعود تو نہیں مانتے لیکن ہدایت وراہنمائی مردہ روحوں کے لیے واقعی مسیحائی تھی۔

(بحوالہ تشحیذ الاذہان جلد 3 نمبر 10 صفحہ 383)

۞ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ

''مرحوم ایک مانے ہوئے مصنف اور مرزائی فرقہ کے بانی تھے 1874ء سے 1876ء تک شمشیر قلم عیسائیوں،آریوں اور برہمو صاحبان کے خلاف خوب خوب چلایا آپ نے 1880ء میں تصنیف کا کام شروع کیا آپ کی پہلی کتاب اسلام کے ڈیفنس میں تھی جس کے جواب کے لیے آپ نے 10 ہزار انعام رکھا تھا۔

آپ نے اپنی تصنیف کردہ 80 کتابیں پیچھے چھوڑی ہیں جس میں سے 20 عربی زبان میں ہیں۔مرحوم بے شک اسلام کا ایک بہت بڑا پہلوان تھا''۔

(بحوالہ اخبار بدر 20 اگست 1908ء)

۞ منشی سراج دین والد مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر اخبار زمیندار نے اخبار زمیندار میں لکھا:

’’مرزا غلام احمد صاحب 1860ء یا 1861ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے اس وقت آپ کی عمر 22۔23 سال کی ہوگی اور ہم چشمد ید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔کاروبار ملازمت کے بعدان کا تمام وقت مطالعہ دینیات میں صرف ہوتا تھا۔آپ بناوٹ اور افتراء سے بری تھے مسیح موعود یا کرشن کا اوتار ہونے کے دعاوی جو آپ نے کئے ان کو ہم ایسا ہی خیال کرتے ہیں جیسی کہ منصور کا دعویٰ انا الحق تھا۔۔گوہمیں ذاتی طور پر مرزا صاحب کے دعاوی یا الہامات کے قائل اور معتقد ہونے کی عزت حاصل نہ ہوئی مگر ہم ان کو ایک پکا مسلمان سمجھتے تھے‘‘۔(بحوالہ اخبار زمیندار اوخرمئی 1908ء بحوالہ ایک فتح نصیب جرنیل صفحہ 46)

آج 7 ستمبر 74ء کے بعد

نوٹ: ملک میں اس وقت جنرل ضیاء الحق صاحب کی مارشل لاء موجود ہے آپ نے صرف اور صرف اسلام نافذ کرنے کے لیے 90 دن کو 11 سال میں تبدیل کرلیا ہے۔اور تخریب کاران قادیان کو لگام دینے کے لیے’’امتناع قادیانیت آرڈنینس‘‘ جاری کرکے ان کو کسی بھی مسلمانوں کی سی حرکت سے روک دیا ہے۔اسی طرح سے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت سمیت باقی تمام مذہبی تنظیموں کے مایہ ناز غوطہ خور ریسرچ سکالرز کو اسلام آباد میں بلوالیا ہے۔

تاکہ متفقہ طور پر تحقیق کو اس کی’’آخری حد‘‘ تک پہنچا کر’’قادیانی تابوت میں آخری کیل ٹھونک دیا جائے‘‘۔

لیجئے انتظار ختم ہوا’’قادیانیت اسلام کے لیے سنگین خطرہ‘‘ کے نام سے وائٹ پیپر شائع بھی ہوگیا ہے اور اسے خطیر رقم خرچ کرکے پوری دنیا میں بھی پھیلادیا گیا ہے۔

۞ مرزا صاحب کی تحریر خشک غیر دلچسپ پھسپھی اور صرف گالیوں اور اپنے دشمنوں کو کوسنے سے بھری ہوئی ہیں اسلام آباد سے دریافت شدہ جدید ترین سنسنی خیز انکشاف

’’مرزا صاحب کی تحریروں کو پڑھنا خشک اور غیر دلچسپ مشغلہ ہوتا ہے کیونکہ ان کی تحریروں میں نہ تو علمی رنگ ہوتا ہے نہ ادبی چاشنی۔مسائل سے نمٹنے کا ان کا انداز بڑا ہی پھسپھا تھا اور ان کی تحریر تیسرے درجے کی زمانہ وسطیٰ کی تحریروں کی طرح تھی وہ اپنے مخالفین کو دل کھول کر کوستے اور کبھی کبھی گالیاں دینے سے بھی دریغ نہ کرتے ان کی بہت سی تحریریں نام نہاد پیشگوئیوں سے بھری پڑی ہیں جو ان کے مخالفین کی موت کے بارے میں ہوتی ہیں‘‘۔
(قادیانیت اسلام کے لیے سنگین خطرہ صفحہ 13)

دوستو سوچتا ہوں جب وقت کا پنچھی صدیوں کی اڑان بھرے آگے نکل جائے گا اور جب کسی وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی مجبوری صلیب پر لٹک نہ رہی ہوگی اور جب قصر صدارت میں کسی جنرل ضیاء الحق کی 90 دن کو 11 سال میں بدلنے کی ترکیبیں زیر غور نہ ہوگی۔

تب تاریخ کا ادنیٰ طالب علم ہمارے ان نامور غوطہ خور محققین کو کن الفاظ سے یاد کرے گا۔

مقتل میں نہ مسجد نہ خرابات میں کوئی
ہم کسی کی امانت میں غمِ کارِ جہان دیں
شاید کوئی ان میں سے کفن پھاڑ کے نکلے
اب جائیں شہیدوں کے مزاروں پہ اذان دیں
فروغ گلشن و صورت ہزار کا موسم
پس نظر رکھو وہ لحہ جب اہل قفس سے سامنا ہوگا

قلابازی نمبر 13 کل 1923ء

آج کل ہندوستان میں ہندو دھرم بڑی تیزی سے مسلمانوں کو ہندو بنانے میں مصروف ہیں۔مشہور اخبار پرتاب فخریہ اعلان کررہا ہے۔

’’نواح آگرہ میں راجپوتوں کو تیز رفتاری سے شدھ کیا جارہا ہے اور اب تک چالیس ہزار تین سوراجپوت، ملکانے گوجر اور جاٹ ہندو ہوچکے ہیں‘‘

اس خوفناک واردت میں دشمنان اسلام یعنی’’وائٹ ہاؤس لندن مارکہ‘‘لوگوں کی تو خوشی کی انتہا نہ رہی ہوگی۔آخر ایسا کیوں نہ ہوان کا کام ہندو جوکررہے تھے۔ایسے حالات میں خوشی سے بغلیں بجانا ایک فطرتی بات ہوگی۔

لیکن کیا حالات ایسے ہی تھے؟اسلام کی بربادی پر جماعت احمدیہ مضطرب تھی یا خوشی سے جشن منارہے تھے تصویر کا دوسرا رخ جو بھی سامنے آئے اسے

خوف خدا کے تحت لوح دل پر نقش ضرور کیجئے گا۔

مسلمانان جماعت احمدیہ اسلام کی انمول خدمت کر رہے ہیں

مشہور زمانہ زمیندار 24 جون 1923ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

''جو حالات فتنہ ارتداد کے متعلق بذریعہ اخبارات علم میں آ چکے ہیں ان سے صاف واضح ہے کہ مسلمانان جماعت احمدیہ اسلام کی انمول خدمت کر رہے ہیں۔ جو ایثار اور کمربستگی، نیک نیتی اور توکل علی اللہ ان کی جانب سے ظہور میں آیا وہ اگر ہندوستان کے موجودہ زمانہ میں بے مثال نہیں تو بے اندازہ عزت اور قدردانی کے قابل ضرور ہے۔ مزید دکھ سے یہ اعلان بھی کرتے ہیں جو ہمارا اصل مدّعا ہے۔ جہاں ہمارے مشہور پیر سجادہ نشین حضرات بے حس وحرکت پڑے ہیں اس اولوالعزم جماعت نے عظیم الشان خدمت کر کے دکھا دی ہے''۔ (24 جون 1923 زمیندار)

15 مارچ 23ء

جماعت احمدیہ جس خلوص کے ساتھ تبلیغ کر رہی وہ دوسری جماعتوں میں نظر نہیں آتی

مشہور اخبار ''مشرق'' گورکھپور 15 مارچ 1923ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

''جماعت احمدیہ نے خصوصیت کے ساتھ آریہ خیالات پر بہت بڑی ضرب لگائی ہے اور جماعت احمدیہ جس ایثار اور درد سے تبلیغ واشاعت کی کوششیں کرتی ہے وہ اس زمانہ میں دوسری جماعتوں میں نظر نہیں آتی''۔

29 جون 23ء

قادیانی احمدی جس طرح سے مورچہ زن ہیں ان کی مثال متقدمین کے سوا ملنا مشکل ہے

29 جون 23ء کو زمیندار نے شدھی کے محاذ پر کام کرنے والے اپنے ایک دوست کا خط یوں شائع ہو کیا:

''قادیانی احمدی، اعلیٰ ایثار کا مظاہرہ کر رہے ہیں ان کا تقریباً ایک سو مبلغ امیر وفد کی سرکردگی میں مختلف دیہات میں مورچہ زن ہے۔ ان لوگوں نے نمایاں کام کیا ہے۔ یہ جملہ مبلغین بغیر تنخواہ اور سفرخرچ کے کام کر رہے ہیں۔ ہم گو احمدی نہیں لیکن احمدیوں کے اعلیٰ کام کی تعریف کئے بغیر رہ نہیں سکتے جس اعلیٰ ایثار کا ثبوت جماعت احمدیہ نے دیا ہے اس کا نمونہ سوائے متقدمین کے مشکل سے ملتا ہے''۔ (زمیندار 29 جون 1923ء)

آج 7 ستمبر کے بعد

سر تا پیر جھوٹ کی کہانی جو نا معلوم مولانا ظفر علی نے کتنے پاؤنڈ کے بدلے گھڑی جبکہ قادیانیت اسلام دشمن، امت مسلمہ سے ہمیشہ غداری کی۔ صیہونیوں اور استعمار سے مل کر اسلام کی بیخ کنی کی۔ دشمن طاقتوں کے سرمائے سے تخریب کاری میں مصروف ہیں۔ ٹھیک 51 سال بعد ماہرین ختم نبوت کی مرتبہ کردہ نئ



''تجھے دل میں اتارا ہے''

منیر احمد باجوہ

ہر دردِ محبت نے ہم کو یہاں مارا ہے
دل ڈھونڈے صنم تجھکو تُو آنکھ کا تارا ہے
آئے ہیں تیرے در پر دل نے یہی چاہا تھا
یاں آ کے کہا دل نے ہاں تُو ہی ہمارا ہے
اس عشق کی بازی کا آساں نہیں سر کرنا
گہرائی سمندر کی اور دور کنارا ہے
یاں عشق کی دنیا میں ہوتا ہے سدا ایسا
''پربت ہے رواں دیکھو ٹھہرا ہوا دریا ہے''
بن تیرے جگر جانم اک پل نہ ہی چین آئے
نہیں بس میں ہمارے بھی تجھے دل میں اُتارا ہے
اس دور خرابی میں ہر سمت تباہی ہے
بپھرے ہوئے طوفاں میں اک تُو ہی کنارہ ہے
جا ڈوب اطاعت میں کیا کرتا ہے ساحل پر
دے ہاتھ میں ہاتھ اپنا تیرا اللہ سہارا ہے
محبوب کے سینے میں رکھ جاں سے عزیز اے دل
منیر کی نظروں میں وہ جگ سے پیارا ہے

تاریخ۔

یہ 14 اپریل 1974ء ہے فاتح ربوہ وکیل ختم نبوت مولانا منظور احمد چنیوٹی جو کبھی کبھی اپنے ساتھ فضیلۃ الشیخ کا لاحقہ بھی استعمال کرتے ہیں آپ اپنی تصنیف مبین میں تحقیق زریں بعنوان ''قادیانی اوران کے عقائد'' کے نام سے ایک قرارداد بھی شامل کی ہے جو درج ذیل ہے۔

قادیانی دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

''قادیانیت وہ باطل مذہب ہے جو اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لیے اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہے اس کی اسلام دشمنی ان چیزوں سے ظاہر ہے۔

قادیانی برطانوی استعمار کی پروردہ ہے اوراس کے زیر سایہ سرگرم عمل ہے قادیانیوں نے امت مسلمہ کے مفادات سے ہمیشہ غداری کی ہے اور استعمار اور صیہونیت سے مل کر اسلام دشمن طاقتوں سے تعاون کیا ہے اور یہ طاقتیں بنیادی اسلامی عقائد میں تحریف وتغیر اوران کی بیخ کنی میں مختلف طریقوں سے مصروف عمل ہیں۔

ا۔معابد کی تعمیر جن کی کفالت اسلام دشمن طاقتیں کرتی ہیں۔

ب۔ اسکولوں۔تعلیمی اداروں اور یتیم خانوں کا کھولنا جن میں قادیانی اسلام دشمن طاقتوں کے سرمائے سے تخریبی سرگرمیوں میں مصروف ہیں''۔

(قادیانی اوران کے عقائد صفحہ 62 ادارہ مرکزیہ دعوت وارشاد چنیوٹ)

ماتم کس کا کریں تعصب کا یا اس نالائق پریس کا جو 1923ء میں وجود ناہنجار بن کر پیدا ہوگیا تھا۔میرا خیال ہے بعد والا نظریہ زیادہ درست ہے۔

امت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر
اسلام ہے فقیہو ! ممنون بہت تمہارا (حالی)

قلابازی نمبر 14 کل 1925ء

(یاد رہے ابھی حکمران انگریز ہیں)

ممتاز دیوبندی امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے حضور احمدیوں کے کافر یا مسلمان ہونے کے بارے میں سوال ہوا۔

جواب کیا ارشاد ہوا اس کا ملاحظہ کرنے سے پہلے یہ ذہن میں رہے مولانا امام الہند کے نام سے سند مانے جاتے ہیں۔

شرعی فتویٰ 1925ء

احمدی مسلمان ہیں۔امت مسلمہ میں داخل ہیں۔انہیں کافر کہنے والا سخت خطا کار انکو نماز اور مسجد سے روکنا گناہ وظلم ہے۔۔از مولانا ابوالکلام آزاد

''استفسار۔کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مرزا غلام احمد کے پیروکار کافر ہیں یا نہیں؟ کیا مسلمان کو حق ہے کہ ان کو مسجد میں جانے اور نماز پڑھنے سے روکے۔(سائل نور محمد از ٹاٹانگر)

الجواب''بلاشبہ اس جماعت کے بعض عقائد صحیح نہیں ہم ان عقائد ومسائل میں انہیں حق پر نہیں سمجھتے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انہیں کافر سمجھا جائے۔وہ یقینا مسلمان ہیں اور امت مسلمہ میں داخل اور وہ تمام حقوق رکھتے ہیں جو کسی مسلمان فرد یا جماعت کو شرعاً حاصل ہیں جو شخص انہیں کافر کہتا ہے وہ نہایت سخت خطا کا مرتکب ہوتا ہے اور اس غلو وتشدد میں مبتلا ہے جو مسلمانوں کے لیے تمام مصیبتوں اور بربادیوں کا باعث ہو چکا ہے عام مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے مفسدوں کی بات پر کان نہ دھریں اور تمام کلمہ گو جماعتوں کے ساتھ اتفاق اور رواداری کا سلوک کریں باقی رہا دوسرا سوال تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو شخص ان کو مسجد میں جانے اور نماز پڑھنے سے روکتا ہے وہ سخت گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ہر مسلمان کو خواہ وہ کسی فرقہ یا جماعت کا ہو پورا پورا حق حاصل ہے کہ مسجد میں جائے اور خدا کی عبادت کرے کسی مسلمان کا حق نہیں کہ اس کو روکے اگر روکے تو گناہ وظلم کا مرتکب ہوگا ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیھا اسمہ۔(بحوالہ اخبار''دعوت الاسلام'' دہلی جلد نمبر 2 شمارہ نمبر 1 4 مجریہ 17 شوال 1341)

آج 7 ستمبر 74ء کے بعد

مولانا ابوالکلام آزاد سخت مرزائی نواز،اور شرعی احکام سے کلیۃً نابلد تھے ورنہ یہ فتویٰ کبھی نہ دیتا جبکہ اصل شرعی فتویٰ یہ ہے کہ قادیانی نہ صرف کافر،بلکہ مرتد بلکہ زندیق جن کو مساجد میں کہاں گھسنے دینا ان کا قتل لازم ہے۔61 سال بعد مجلس تحفظ ختم نبوت کا اصلی فتویٰ

22 شعبان بروز جمعہ 2 مئی 36 کو اسٹیل ٹاؤن کراچی میں ایک جلسہ ہوا جس میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی راہنما رئیس المبلغین وناظم التبلیغ

مولانا عبدالرحیم اشعر نے 61 سال کے بعد اپنے پیرو مرشد دیو بندی راہنما کے فتویٰ کی جگہ درج ذیل نیا فتویٰ ''چالو'' فرمایا ہے احباب نوٹ کر لیں تا کہ غلطی نہ ہو جائے۔ نئی تحقیق سے حاصل نیا فتویٰ ملاحظہ ہو۔

''قانون کی زبان میں قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں۔ یہ علامہ اقبال کا مطالبہ تھا جو منظور کیا گیا۔ شریعت کا فیصلہ یہ ہے کہ قادیانی مرتد و زندیق ہے جس کی سزا شریعت میں قتل ہے۔

آپ نے کہا یہ پاکستان ہے ایک وقت تھا کہ جب قادیانی کو کافر کہنے پر 6 مہینے کی سزا ملتی تھی اب حالات وہ نہیں رہے اب ربوہ کی سرزمین میں ہماری آواز قادیانیوں پر اور ان کے نام نہاد قصر خلافت کے سر پر گونج رہی ہے''۔
(ہفت روزہ ختم نبوت 23 تا 29 مئی 1986ء صفحہ 24,21)

پھر حشر کے سامان ہوئے ایوان ہوس میں
بیٹھے ہیں ذوی العدل گنہگار کھڑے ہیں
ہاں جرم وفا دیکھئے کس کس پہ ہے ثابت
وہ سارے خطا کار سرِ دار کھڑے ہیں (فیض)

آزادی کی موسم برسات میں جھوم اٹھنے والے دوستو ذرا سنبھل کے، ذرا سوچ کے، زیادہ خوشی بعض اوقات عقل ماؤف کر دیتی ہے۔

قلا بازی نمبر 15 کل 1926ء

''وائٹ ہاؤس لندن'' والے انگریزی استعمار نے ''مال وزر کے بل بوتے'' پر جس گروہ کو کھڑا کیا تھا تا کہ وہ

''اتحاد عالم کو پارہ پارہ کر دیں اور جہاد کے خطرہ سے دنیائے عیسائیت کو نجات دلا کر انہیں جوع الارض کے علاج کے لیے نئے نئے ممالک کی تسخیر میں مدد دیں''۔ (ہفت روزہ ختم نبوت 7 تا 13 اگست 98 صفحہ 9)

انہوں نے کس کس محاذ پر اسلام کو نقصان پہنچایا 1926ء کے رواں جاری سال میں مَیں نے ''مشاہیر امت'' اور ''سربراہان اسلام'' کے حوالے سے اس کا جائزہ لیا تو یہی بات میری اگلی مشکل بن گئی۔

دنیائے اسلام کی تاریخ میں اتنا بے باک جھوٹ یہ جون 1926ء ہے

احمدی مسلمان اور احمدیت اسلام کو قوت دینے آئی ہے۔ دوسرے مسلمانوں سے بڑھ کر احمدی اسلام کی سچی اور پر جوش خدمت کر رہے ہیں۔ مولانا عبدالحلیم شرر

مولانا عبدالحلیم شرر نے ''بابیت اور احمدیت'' سے عقائد کا تقابلہ جائزہ کیا تو وہ دیانتداری کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچے کہ

''بابیت اسلام کے مٹانے کو آئی اور احمدیت اسلام کی قوت دینے کے لیے اور اسی کی برکت ہے کہ باوجود چند اختلافات کے احمدی فرقہ والے اسلام کی جیسی سچی اور پرجوش خدمت ادا کرتے ہیں دوسرے مسلمان نہیں کرتے''۔
(رسالہ دلگداز جون 1926ء)

یہ دسمبر 1926ء ہے

احمدی لوگوں کو گھر بیٹھ کر برا بھلا کہہ لینا آسان ہے مگر یہی جماعت ہے جو یورپ میں اشاعت اسلام میں مصروف ہے۔۔۔۔ مولانا ظفر علی خاں

مولانا ظفر علی خاں نے جب جماعت احمدیہ کی یورپین عیسائیوں میں تبلیغ کی لگن دیکھی تو آپ بے اختیار یہ کہنے پر مجبور ہو گئے۔

''ہم مسلمانوں سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ دنیا میں اپنے دین مقدس کو پھیلانے کے لیے کیا جدوجہد کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان آباد ہیں کیا ان کی طرف سے ایک بھی قابل ذکر تبلیغی مشن مغربی ممالک میں کام کر رہا ہے؟ گھر بیٹھ کر احمدیوں کو برا بھلا کہہ لینا نہایت آسان ہے لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہی ایک جماعت ہے جس نے اپنے مبلغین انگلستان میں اور دیگر یورپین ممالک میں بھیج رکھے ہیں۔ کیا ندوۃ العلماء دیوبند، فرنگی محل اور دوسرے علمی اور دینی مرکزوں سے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ تبلیغ واشاعت حق کی سعادت میں حصہ لیں کیا ہندوستان میں ایسے متمول مسلمان ہیں جو چاہیں تو بلاوقت ایک ایک مشن کا خرچ اپنی گرہ سے دے سکتے ہیں یہ سب کچھ ہے لیکن افسوس کہ عزیمت کا فقدان ہے۔ فضول جھگڑوں میں وقت ضائع کرنا اور ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنا آج کل مسلمانوں کا شعار بن چکا ہے اللہ تعالیٰ اس بے راہ قوم پر رحم کرے۔ (زمیندار دسمبر 1926ء)

آج 7 ستمبر 74ء کے بعد

مولانا ظفر علی خاں کا بیان شرم ناک ہی نہیں گمراہ کن بھی ہے جبکہ مولانا عبد

الرحیم شرر جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے آپ کافی حد تک شریر تھے اور شغلاً ایسی شرارتیں کرتے رہتے تھے ان کا مندرجہ بالا بیان بھی انہوں نے شرارتاً ہی دیا تھا احمدی خواہ مخواہ پھولے نہیں سمارہے جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ قادیانی، اسلام دشمن بلکہ دشمنی میں بہت آگے جا چکے ہیں۔ کہاں کی تبلیغ یہ تو مسلمان صفوں میں انتشار پھیلا رہے ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالمالک۔ ٹھیک 68 سال بعد پاکستان کے شہر لاہور میں شاہین ختم نبوت کا نیا انکشاف۔

اکتوبر 1994ء کے آخر میں روزنامہ خبریں نے لبرٹی فورم میں تمام مکتبہ فکر کے ممتاز علماء دین کو ''قادیانیت اور ان کے اسلام دشمنی'' پر بات کرنے کی دعوت دی جس پر لبیک کہتے ہوئے تقریباً 50 کے قریب غوطہ خور محقق اور ریسرچ سکالر اس فورم میں قدم رنجہ فرما ہوئے۔

شیخ الحدیث مولانا عبدالمالک نے اپنی تحقیق لاثانی کو یوں بے نقاب کیا ہے۔ ''قادیانی اسلام دشمنی میں بہت آگے نکل گئے ہیں۔ علماء کرام نے امتناع قادیانیت کا قانون بنوایا مگر جو کامیابی انہیں ملنی چاہیئے تھی وہ نہ مل سکی قادیانیت کی پشت پناہی امریکہ کر رہا ہے اور اسے قادیانیوں کی صورت میں مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لیے ایک بہترین قوت ملی ہوئی ہے۔ جسے وہ خوبصورتی سے استعمال کر رہا ہے۔ بدقسمتی سے ہماری پالیساں امریکہ ہی کی تیار کی ہوئی ہوتی ہیں اور ان پالیسیوں کی تیاری میں قادیانیوں کا بڑا عمل دخل ہے دوتہائی اکثریت رکھنے والی حکومت کا خاتمہ بھی قادیانی سازش کا نتیجہ ہے''۔

(روزنامہ خبریں یکم نومبر 94ء صفحہ 7)

نثار میں تیری گلیوں کے اے وطن کہ جہاں
چلی ہے رسم کوئی نہ سر اٹھا کے چلے
جو کوئی چاہنے والا طواف کو نکلے
نظر چرا کے چلے جسم و جاں بچا کے چلے

شاباش! کارزاروفا میں لیلائے وطن کے عشاق کو یہی صلہ ملنا چاہیے۔

(جاری ہے)



پاکستان میں ظلم کا دور

(فضل الرحمان بسمل سابق امیر جماعت احمدیہ بھیرہ)

یہ ظلم کا ہے دور کہ آقا ہوئے دور
یاں تاب نہیں جانے کی ہم بیٹھے ہیں مجبور
کثرت کے سہارے پہ ہوا شوخ ہے ملا
اب بنا بیٹھا ہے وہ تھا جو مشقفور
مرزائی کرو قید کہ یہ کلمہ ہے پڑھتا
آذاں بھی نہ دے گا یہ ہے بن گیا دستور
اسلامی حکومت کا کرشمہ یہ عجب ہے
جاہل وہ "ٹکر منگ" بھی عالم ہوا مشہور
ہم خرچ کریں مال کہ دیں پائے ترقی
یہ کام مخالف کو ہمارے نہیں منظور
سچ جھوٹ میں اب فیصلہ کرے گا مباہلہ
آئیں تو مقابل پہ وہ کیوں ہوئے مفرور
گستاخی و بے ہودگی سے ہی بات کرتے ہیں
تہذیب سے عاری ہیں یہ سب ہو گئے بے نور
دکھلاوے کے صوفی ہیں یہ زاہد یہ ملانے
بے ذوق نمازی نہیں ہیں مستقل حور
اللہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا
ہیں قاعدے حکمت خدا وند کے مستور
دیکھو وہ بلا آئی تھی اللہ کی طرف سے
فرعون کا ثانی وہ مرا گر کے ہوا چور
یہ بد بخت ہیں سب چھوٹے بڑے گالیاں دیتے
بس نیش زنی کرنا ہی ہے فطرت زنبور
مایوس نہ ہو بسمل کم حوصلہ ہر گز
بدلے گا یہ دن اللہ جو ہے منتقم و غیور
لا ریب جلا ڈالے گی سب خرمن اعداء
وہ ایک تجلّی جو نظر آئے سر طور



اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

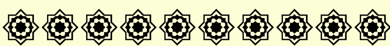
(عرفان احمد خان۔ جرمنی)



درویش گذشتہ تین ہفتوں سے مسلسل حالت سفر میں ہے۔ سفر کے دوران ہی ایک خبر نظروں سے گزری کہ جزائر طوالو کے برطانیہ میں اعزازی سفیر جناب ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز کو امسال حج کے موقع پر شاہی مہمانوں کی فہرست میں شامل ہونے کی سعادت حاصل رہی۔ سعودی وزارت حج ہر سال چنیدہ مسلمان شخصیات کو سعودی بادشاہ کی طرف سے حج پر مدعو کرتی ہے جن کو شاہی مہمان شمار کیا جاتا ہے۔ ان کے حج کے تمام انتظامات کرنا سعودی حکام کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ عام طور پر مسلم سربراہان حکومت اور ڈپلومیٹ کو یہ اعزاز حاصل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر افتخار احمد ایاز ایک عرصہ سے اپنی سماجی اور حقوق انسانیت کے لئے کی جانے والی خدمات کی بدولت ہر سال حکومت برطانیہ سے اعزاز حاصل کرتے ہیں۔ ان کو 'سر' کا خطاب ملنا بھی ان کی سماجی خدمات کو مملکت برطانیہ کی بادشاہت کی طرف سے حقیقت کا اعتراف ہے۔ امسال پاکستان کے صدر مملکت جناب عارف علوی بھی شاہی مہمانوں کی فہرست میں شامل تھے۔ بہر حال یہ ایک اعزاز کی بات ہے جس خوش نصیب کو بھی یہ اعزاز حاصل ہو قابل مبارک باد ہے۔ اللہ کا خاص انعام ہے۔ لیکن پاکستان کے بعض مذہبی حلقوں کو ڈاکٹر سر افتخار ایاز صاحب کو حاصل ہونے والا یہ انعام ہضم نہیں ہوسکا۔ وہ مذہبی تنظیمیں جن کی زندگی کا نچوڑ احمدیت کی مخالفت اور احمدیوں کے راستوں میں رکاوٹیں کھڑی کرنا ہے وہ حج کے موقعہ پر کسی احمدی کا شاہی مہمان ہونا کیونکر برداشت کر سکتے تھے۔ اپنے مقصد حیات میں ناکامی پر شرمندہ ہونا کسی طور ممکن نہ تھا؟ چنانچہ اس نیک اور احسن اقدام پر سعودی ولی عہد اور پاکستان میں سعودی سفیر کو بھجوائے جانے والے دو احتجاجی مراسلے درویش کی نظر سے گزرے ہیں۔ ممکن ہے اس غلاظت میں ہاتھ پلید کرنیوالوں کی تعداد دو سے زائد ہو اور سفر کی وجہ سے راہ گیر لاعلم ہو۔ پاکستان شریعت کونسل کے امیر مولانا مفتی محمد رویس خان ایوبی نے ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان آل سعود کو عربی زبان میں احتجاج مراسلہ ارسال کیا ہے۔ پاکستان شریعت کونسل نام بڑا اور درشن چھوٹا والا معاملہ ہے۔ یہ کوئی سرکاری ادارہ نہیں اور نہ علماء کی طرف سے تسلیم شدہ شرعی کونسل ہے۔ اس کو آپ خود ساختہ کونسل کا نام دے سکتے ہیں۔ اس کالم کو لکھنے سے قبل کونسل کے سیکرٹری اطلاعات عبدالروف محمدی سے جو میری ٹیلیفونک گفتگو ہوئی اس کے مطابق اس کونسل کی بنیاد 1989ء میں مولانا فداالرحمان جو مولانا عبد اللہ درخواستی کے صاحبزادے ہیں نے رکھی تھی۔ ادارہ کی کوئی ویب سائٹ نہیں۔ اسلامی خدمات فیس بک پر بیان جاری کرنے تک محدود ہیں۔ 34 سال میں فالوورز کی تعداد 4272 سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ رویس صاحب آزاد کشمیر، جنرل سیکرٹری زاہد الراشدی گوجرانوالہ میں اور سیکرٹری اطلاعات عبد الرؤف محمدی اسلام آباد میں اپنے روٹی پانی کے لئے مسجد سنبھالے ہوئے ہیں۔ محمد بن سلمان کے نام احتجاج 22 جولائی کو جاری کیا۔ اس سے قبل 22 جون کو مدارس کی رجسٹریشن سے متعلق بیان جاری ہوا اور 28 مئی کو سودی نظام کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کیا۔ یہ ہے کل تین ماہ کی کارکردگی۔ اس لیے کونسل کے بڑے نام سے کسی قاری کو متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ پاکستان شریعت کونسل مردہ گھوڑا ہے جو حسد کی آگ بھڑکا کر سادہ ان پڑھ مسلمانوں کو اپنے زندہ ہونے کے دھوکہ میں مبتلا رکھنا چاہتا ہے۔ احمدی کے شاہی مہمان ہونے پر دوسرا احتجاجی مراسلہ مجلس احرار اسلام ملتان سے ان کے امیر سید محمد کفیل بخاری نے جاری کیا ہے۔ یہ سعودی سفیر متعین اسلام آباد کے نام اردو زبان میں لکھا جانے والا خط ہے۔ اس خط میں مجلس احرار نے اپنے پرانے رونے روئے ہیں۔ ناکامی اور نامرادیوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ یہ جماعت اپنے امیر عطاء اللہ شاہ بخاری کے فن خطابت کی

بدولت زندہ رہی۔تعمیر کی بجائے رخنہ کی پالیسی اس کے منشور کا حصہ رہی ہے۔روز اوّل سے مجلس احرار کا شماران جماعتوں میں ہوتا ہے جو دلیل کی بجائے دھونس اور دھاندلی پر یقین رکھتی ہیں اور احمدیت کو مقابلہ اسی راہ کو اپنا کر کرنا چاہتی ہیں۔اسی لیے اپنے ارادوں میں ناکام ہیں۔ممتاز ادیب مختار مسعود اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''آواز دوست'' میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے ملاقات کے احوال میں لکھتے ہیں۔دو گھنٹے کی طویل ملاقات کے بعد جب شاہ جی نے جانے کی اجازت چاہی تو میں نے عرض کی کہ اگر قیامت کے روز اللہ میاں آپ سے پوچھا کہ اے وہ شخص جس کو میں نے زبان و بیان پر پوری دسترس دے رکھی تھی اپنی زندگی کا حسب پیش کرو تو آپ ناکام تحریکوں کے سوا کیا پیش کریں گے۔اس پر شاہ جی یکا یک خاموش ہوگئے۔پاکستان شریعت کونسل ہو یا مجلس احرار پاکستان اور دوسری احمدیت مخالف جماعتیں جو ڈاکٹر سر افتخار ایاز کے بطور شاہی مہمان حج کرنے پر معترض ہیں ان کو ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے کہ ایک صدی سے زائد کی مخالفت،رکاوٹوں اور قانون سازیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے احمدیوں کے لئے حج کے راستے آسان کر دیتا ہے۔ایک احمدی کا حج کے موقع پر شاہی مہمان بننا ایک پیغام امید ہے کہ رکاوٹیں کھڑی کرنے والے ناکام رہیں گے اور خدا تعالیٰ کی تقدیر احمدیوں کے لیے حج کرنے کے راستے آسان کر دے گی۔تمہاری سو سال کی محنت ان قرآنی تعلیمات کے برخلاف ہے جن میں احکام حج بیان کیے گئے ہیں۔اسی لیے وہ زمانے میں معزز ہیں مسلماں ہو کر اور تم خوار ہوئے تارک قراں ہو کر

اب گوروں کے غلام ان کالوں سے بھی آزادی لیں گے۔چلیں آئیں گے دوبارہ پاکستان کیطرف۔مجھے بتائیں ٹرینڈنگ ٹاپک ہے اس وقت خان صاحب کے حوالے سے۔خان صاحب کو جو سزا ہوئی ہے وہ میرٹ پہ ہے؟میں سمجھتا ہوں کہ خان صاحب کو اگر گھڑی چوری کرنے پر یا بیچنے پر سزا دی ہے۔میں کہوں گا کہ یہ جوڈیشری کا فیصلہ ہے ہم اس کو تسلیم کرتے ہیں۔لیکن آپ اتنی غیرت کریں کہ جو ملک بیچ چکے ہیں آپ ان کو بھی سزا دیں۔ہم اس فیصلہ کو بھی تسلیم کرنے پر تیار ہیں۔آپ کا یہ بیان حق ہے یا مخالف ہے؟کس طرف لے کے جانا چاہیں گے آپ اس کو؟میں بہت straight forward ہوں۔ایک بندے کو گھڑی چوری کرنے پر سزا مل سکتی ہے۔تو ملک چوری پر سزا کیوں نہیں مل رہی؟سوال میرا بہت straight forward ہے۔ایک بندہ ہے۔اُس کا اتنا سا مسئلہ ہے اور ایک بندہ ہے جس کے چار سو بلین آپ معاف کروا کر بیٹھ گئے ہیں اپنے خود ساختہ اداروں سے جو آپ نے بنائے ہیں اور پھر توڑ دیئے۔کیوں؟ملک بیچنا زیادہ جرم ہے یا گھڑی بیچنا زیادہ جرم ہے؟قوم کی بیٹی کو بیچنا زیادہ جرم ہے یا گھڑی کو بیچنا زیادہ جرم ہے؟ابھی تک مشرف کو سزا کیوں نہیں سنائی گئی تھی کہ ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو بیچا گیا۔ابھی تک نواز شریف کو سزا کیوں نہیں سنائی گئی کہ جناب جب ایل۔او۔سی پر میرے کشمیری بھائیوں کو اور فوجیوں کو انڈیا شہید کرتا تھا تو اس وقت آپ انڈین ایجنٹس کے ساتھ میٹنگ کر رہے ہوتے تھے۔آپ ان کی فیکٹریوں سے نکل رہے ہوتے تھے۔سوال تو بہت straight forward ہے کہ جی ایک گھڑی چوری ہوگئی ہے۔وہ جو مسٹر 10٪ ہر ٹھیکے میں چوری کر رہا ہوتا ہے۔اُس پیسے کو کون واپس لائیگا؟ان کا پیسا Swiss اکاؤنٹس میں کیوں ہے؟پاکستان کے بینک میں کیوں نہیں ہے؟جو میرا لنک ٹاور کے ارد گرد آپ کے finance minister کے چار پلازے ہیں جو کروڑوں روپے کی آمدن وہ ایک رات میں کماتے ہیں۔وہ پیسا باہر کے اکاؤنٹس میں کیوں جا رہا ہے؟پاکستان کے اکاؤنٹس میں کیوں نہیں آرہا؟حالات ایسے بتا رہے ہیں کہ خان صاحب کو ہٹانے کی وجہ یا اُن کو سزا دینے کی وجہ کوئی اور ہے جس طرح کہ اُن کو راستے سے ہٹا کر کسی اور پارٹی کو آگے لایا جائے گا۔اور ایک بات ہے کہ خان صاحب کو سزا دینے کا سب کو پتا ہے کہ خانصاحب کو سزا ہفتہ یا دو ہفتے ہوگی اور پھر اُن کی ضمانت ہونی ہے اور اُنہوں نے باہر آجانا ہے۔تا حیات سزا دو اُسے۔میرا مطالبہ پھر بھی وہی ہے۔ملک چوری کرنے والوں کو سزا دو۔



پاکستان میں احمدی برادری

"روز یہ سوچ کر گھر سے نکلتا ہوں کہ شاید آج میری زندگی کا آخری دن ہو"

(بشکریہ بی بی سی مورخہ 7 ستمبر 2023ء)

جو منظر میرے سامنے تھا وہ آج بھی دل و دماغ سے نکلنے کا نام نہیں لیتا اور اس کا سوچ کر ہی جسم پر ایک کپکپی سی طاری ہو جاتی ہے'

سنہ 2004 کی ایک سرد شام، جب میں اپنے دوست کے ہمراہ ٹیوشن اکیڈمی سے فارغ ہو کر نکلا تو میرے لیے تو اکیڈمی سے سوزوکی سٹینڈ تک تقریباً دس منٹ کا پیدل راستہ تھا مگر میرے دوست کا گھر قریب ہی تھا۔

چند منٹ میرے ساتھ پیدل چلنے کے بعد میرے دوست نے اپنے گھر کی راہ لی اور میں اکیلا اُس سوزوکی سٹینڈ کی جانب چل پڑا جہاں سے میں نے اپنے گھر کے لیے سوزوکی پر سوار ہونا تھا۔ کچھ دیر پیدل چلنے کے بعد یوں گمان ہوا کہ شاید کوئی قدرے تیز قدموں کے ساتھ میرے قریب آنے کی کوشش کر رہا ہے۔ کچھ وقت کے لیے تو میں نے توجہ نہ دینے اور چلتے رہنے کا فیصلہ کیا مگر ایک لمحہ ایسا آیا کہ جب میں پیچھے مُڑ کر دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔ جو منظر میرے سامنے تھا وہ آج بھی دل و دماغ سے نکلنے کا نام نہیں لیتا اور اس کا سوچ کر ہی جسم پر ایک کپکپی سی طاری ہو جاتی ہے۔

میں نے جب پیچھے مُڑ کر دیکھا تو ایک نقاب پوش شخص میری جانب پستول تانے کھڑا تھا اور اس سے قبل کہ میں کچھ سمجھ پاتا اسی لمحے مجھ پر دو گولیاں چلیں۔

یہ صوبہ خیبر پختونخوا کا ایک گنجان آباد شہر تھا جہاں میں نے اپنا بچپن گزارا تھا۔ اُسی شہر کی گلیوں میں میں کھیل کود کر بڑا ہوا، یہی شہر اُس وقت میری کُل دُنیا تھا۔ میں عمر کے اس حصے میں تھا جہاں آپ اپنے شہر سے باہر کوئی دنیا موجود ہونے کے بارے میں سوچتے بھی نہیں۔ اس قاتلانہ حملے کی وجہ میرے عقائد اور میرا مذہب تھا۔ میرا تعلق پاکستان میں سنہ 1974 میں اقلیت قرار دی جانے والی جماعت احمدیہ سے ہے۔ کسی کے پیچھا کرنے کے تصور نے مجھے چونکا دیا تھا اور اس کی بھی ایک وجہ تھی۔



اس حملے سے چند روز قبل مجھے ایک سرکاری ادارے میں چھوٹی سی ملازمت ملی جہاں کسی نے میرے مذہبی عقائد کے بارے میں لوگوں کو بتا دیا۔ اس کے بعد ایک کمرے میں چند سینیئر کولیگز نے بُلا کر پہلے تو میرے مذہبی عقیدے کی بابت تصدیق کی اور بعد میں وہ اس بات پر اصرار کرنے لگے کہ اس سے پہلے کہ 'ہم اپنے آپے سے باہر ہو جائیں تم اپنا قبلہ درست کر لو اور کلمہ پڑھ کر اپنے عقائد سے توبہ کر لو۔' اسی بحث اور میرے ایسا نہ کرنے کے اصرار پر ایک دوست، جو انھی میں شامل تھا، نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے کمرے سے یہ کہتے ہوئے باہر لے کر نکلا کہ 'آپ سب ہمارا انتظار کریں میں اسے ایسا کرنے پر راضی کر کے واپس لے کر آتا ہوں۔'

وہ مجھے لے کر دفتر کے مرکزی دروازے پر پہنچا۔ میرے سامنے بھری آنکھوں کے ساتھ ہاتھ جوڑے اور کہا 'یار خدا کے لیے بھاگ جا، یہ تجھے نہیں چھوڑیں گے۔' میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کی جانے والی اس نیکی کے بدلے میرے اُسے دوست کو کیا سزا ملی۔

اس شہر سے محبت کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے اور والد کی ملازمت کی وجہ سے اس شہر سے زیادہ دیر کے لیے کبھی باہر نہیں رہا تھا اور شاید ابا جان ہمیں خود سے دور اس وجہ سے بھی نہیں کرتے

تھے کیونکہ وہ 80 کی دہائی میں احمدیوں کے خلاف ہونے والے جلاؤ گھراؤ اور قتل و غارت کے واقعات کے چشم دید گواہ بھی تھے۔ وہ اکثر ہمیں شام ڈھلنے سے قبل گھر لوٹنے کی تاکید کیا کرتے تھے اور اس واقعے سے پہلے تک مجھے ابا جان کے جلد گھر لوٹنے کا کہنے کی وجہ بھی معلوم نہیں تھی۔ مگر اُس سرد شام کے حملے نے میری زندگی میں بہت سی چیزیں بدل کر رکھ دیں، گھر سے نکلنا انتہائی محدود ہو گیا، بچپن کے دوست چھوٹ گئے، کرکٹ اور سوئمنگ تک اپنے تمام شوق چھوڑنا پڑے۔ میں نے شاید زندگی میں پہلی مرتبہ اُس شہر کو مجبوراً چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔ دل و دماغ میں بہت سی چیزیں تھیں 19 سال کی عُمر میں ہونے کے باوجود گھر سے شام کے بعد اکیلے باہر نہ نکلنے کی تاکید کرنے والے والدین کے کہنے پر میں نے شہر چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔

خیبر پختونخوا سے ایک اور بڑے شہر کا سفر

رات کی تاریکی میں وہ شہر چھوڑا جہاں میں پیدا ہوا تھا، سکول گیا تھا اور اپنا بچپن گزار۔ یہاں سے میں پاکستان کے ایک بڑے شہر یہ سوچ لیے ہوا پہنچا کہ شاید وہاں زندگی پُرسکون گزرے گی اور کسی کو شاید یہ نہ پتا چل سکے گا کہ میرے عقائد کیا ہیں یا میرا تعلق کس مذہب سے ہے۔ بس سٹینڈ سے مسافر مکمل ہونے پر گاڑی چلی تو رات کا وقت اور ذہنی تھکاوٹ کے باوجود آنکھوں میں نیند نہیں تھی، ہاں ایک عجیب سا خوف ضرور تھا۔ اُس رات کے نہ ختم ہونے والے سفر کے دوران ذہن میں گھومنے والے چند سوالوں میں کہ کہاں رہوں گا، کون رکھے گا، کیا کروں گا، کیسے کروں گا، تعلیم جاری رہے گی کہ چھوڑ کر کوئی ملازمت کرنا پڑے گی جیسے نا جانے کون کون سے سوال آتے اور جاتے رہے۔ مطلوبہ مقام پر پہنچا تو میری ماں جیسی انتہائی شفیق خالہ اور والد کی طرح پیار کرنے والے خالو نے میرے لیے اپنے گھر کے دوازے کھول دیے۔ بڑے بھائی پہلے سے ہی اُن کے ہاں رہ رہے تھے۔ ابا جان نے میرے شہر چھوڑنے کے بعد اپنی سرکاری ملازمت چھوڑنے کا فیصلہ کیا کیونکہ اُنھیں بھی ترقی دینے کے لیے انتظامیہ نے یہ شرط رکھی کہ اپنا مذہب تبدیل کر لیں تو ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں فوراً مل جائے گی۔ اس سب سے تنگ آ کر انھوں نے بھی چند سال کے اندر ہی اُسی شہر منتقل ہونے کا فیصلہ کیا جہاں ہم دونوں بھائی رہ رہے تھے۔

نئے شہر میں جہاں ہم نے مکان کرائے پر حاصل کیا تو وہاں چند ماہ تو پُرسکون گزرے مگر ایک دن جب ابا جان صبح سویرے سیر کے لیے نکلے تو گھر کا مرکزی دروازہ کھولنے میں مُشکل ہوئی۔ کوشش کرنے پر جب دروازہ کھلا تو دروازے کے باہر کی جانب ہمارے خلاف (جماعت احمدیہ) سات سے آٹھ مختلف سٹیکرز چسپاں تھے جن پر احمدیوں کے ساتھ تعلق، لین دین اور اُن کے واجب قتل ہونے سے متعلق الفاظ اور نعرے تحریر تھے۔



اُس دن کے بعد سے ہم نے محتاط ہو کر رہنے کا فیصلہ کیا مگر چند ہی دن میں اس کے اثرات سامنے آنے لگے۔ مقامی دکانداروں نے بائیکاٹ کیا، حالات یہاں تک پہنچے کے گھر کی صفائی کے لیے جھاڑو جیسی عام سی چیز کے لیے بھی ہمیں اپنی مقامی مارکیٹ کے بجائے شہر کے دیگر ایسے بازاروں تک جانا پڑتا تھا جہاں ہمیں کوئی جانتا پہچانتا نہیں تھا۔

احمدی ہونے کی وجہ سے کرائے پر مکان ملنے میں مُشکلات

سٹیکرز چسپاں ہونے کے واقعے کے بعد مالک مکان پر دباؤ ڈالا گیا اور ہمیں گھر خالی کرنا پڑا، جہاں اس کے بعد منتقل ہوئے وہاں بھی پانچ ماہ بعد ہمارے عقائد کے بارے میں پتہ چل گیا۔ گھر کی خواتین کے مخصوص برقعوں اور مردوں کے مقامی مساجد میں نہ جانے، علاقے میں پہلے سے رہنے والے احمدیوں سے تعلقات کی وجہ سے ہماری نشاندہی آسانی سے ہو جاتی تھی۔

حتیٰ کہ ایک مکان کرائے پر حاصل کرنے کے لیے بیانہ اور سیکیورٹی تک دے دیا مگر جب شفٹنگ کے لیے گھر کی چابی مانگی تو مالک مکان نے

یہ کہہ کر انکار کر دیا اور پیسے ہاتھ میں تھمانے کی بجائے زمین پر رکھ دیے کہ آپ تو 'کافر' ہیں۔ اس بڑے اور محفوظ سمجھے جانے والے شہر میں اب تک ہم کئی مکانات تبدیل کر چکے ہیں، اخبار والا اخبار نہیں دیتا کہ آپ احمدی ہیں، دودھ والا دودھ نہیں دیتا کہ آپ احمدی ہیں۔

حالات مُشکل سے مُشکل تر ہوتے جا رہے ہیں

چند ماہ قبل ہمارے خاندان کو تب ایک اور مُشکل اور تکلیف دہ وقت سے گزرنا پڑا جب میرے کزن کی بیٹی کو ورغلا کر اغوا کر لیا گیا۔ طویل تگ و دو اور پولیس کی مدد سے جب ہم اُن کے بارے میں پتا لگانے میں کامیاب ہوئے تو عدالت میں پہنچ کر یہ بیان دلوا دیا گیا کہ 'میں نے اپنے والدین اور اپنے گھر کو اپنی مرضی سے چھوڑا اور میں اب اُن سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔' اُس بچی کے اس بیان کے ساتھ ہی ایک نکاح نامہ بھی عدالت میں جمع کروا کر پولیس کو مزید کارروائی سے روک دیا گیا۔

اس واقعے کے کُچھ دن بعد جب علاقے میں اثر و رسوخ رکھنے والے افراد سے رابطہ کیا گیا تو انھوں نے مدد کرنے یقین دہائی کروائی مگر ایک دن اُن کی جانب سے بھی یہ کہہ کر جواب دے دیا گیا کہ آپ کے بارے میں ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کا تعلق 'جماعت احمدیہ' سے ہے۔ میرے اُن کزن کا تعلق مزدور طبقے سے تھا۔ وسائل کی کمی اور عدالتوں کے چکروں نے اُن سے ان کی جمع پونجی تک چھین لی مگر بے بس ہو کر اُس باپ کو اب اپنی بیٹی کی واپسی کی کوئی اُمید نظر نہیں آتی۔

ان حالات کا سامنا صرف مجھے یا میرے گھر والوں کو نہیں بلکہ پاکستان میں بسنے والے سینکڑوں ہزاروں احمدیوں کو ہے جن کے شب و روز اسی خوف کے سائے میں گزرتے ہیں کہ کب کوئی اُن کی جان و مال پر صرف اُن کے عقیدے کی وجہ سے حملہ آور ہو جائے۔

آج میں شادی شدہ ہوں اور دو بچوں کا باپ ہوں۔ میں آج بھی اپنے بزرگ والدین کے ساتھ رہتا ہوں مگر اس کے باوجود شام ڈھلتے ہی اگر گھر پہنچنے میں تاخیر ہو جائے تو ابا جان کا فون یہ جاننے کے لیے آتا ہے کہ میں اب تک گھر کیوں نہیں پہنچا، سب خیر تو ہے نہ؟



میں احمدی ہوں

حضرت مولانا ظفر محمد ظفر

دونوں جہاں کے عیش سے وہ بے نیاز ہے
جو دل کہ اس کی یاد میں وقفِ گداز ہے

دنیائے بے ثبات حقیقت تھی خواب میں
کھولی جو آنکھ دیکھا حقیقت مجاز ہے

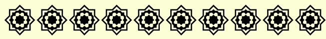
جُز اس کی ذاتِ پاک کے جو کچھ ہے ہیچ ہے
حقانیت ہے جس میں وہی بے نیاز ہے

زندہ ہیں بس وہی جو مٹے اس کی راہ میں
گویا کیوں کہ ہو کہ خواہشِ آئینہ ساز ہے

اہلِ وطن! جو چاہو کہو تم مجھے مگر
مَیں احمدی ہوں اور مجھے اس پہ ناز ہے

اسلام کا ہے درد مرے دل میں جاگزیں
رونا مرا وضو ہے تڑپنا نماز ہے

یا رب تو میری ساری خطائیں معاف کر
بگڑی مری بنادے کہ تو کارساز ہے



میری جانب سے گھر پہنچنے میں تھوڑی سی بھی تاخیر والدین کے لیے پریشانی کا باعث ہوتی ہے۔ میرے ساتھ جو بھی ہوا، میرے وہ سب زخم آج بھی اُس وقت تازہ ہو جاتے ہیں جب بھی مجھے کسی اور احمدی کے ساتھ پیش آنے والے تکلیف دہ واقعے کے بارے میں پتا چلتا ہے۔

میرے دل سے اس مُلک کے لیے موجود محبت کوئی نہیں نکال سکتا، یہاں اپنے ہیں مگر موجودہ حالات کو دیکھ کر اپنے بچوں کے مستقبل کا سوچ کر نہ چاہتے ہوئے بھی بھری آنکھوں اور ٹوٹے دل کے ساتھ اُس شہر کی طرح اس مُلک کو بھی چھوڑ جانے کا دل کرنے لگا ہے۔

بزرگ والدین بھی یہ کہنے لگے ہیں کہ بچوں کو لے کر یہاں سے چلے

جاؤ مگر آج تک اُن سے یہ نہیں کہہ پایا کہ اپنی زندگی سے زیادہ عزیر اُن دو سایہ دار درختوں کو چھوڑ کر کیسے کہیں اور اپنا گھر بناؤں گا؟

گذشتہ 49 سال کے دوران بہت سے احمدیوں کو صرف ان کے مذہبی عقائد کی بنیاد پر قتل کیا گیا

سات ستمبر 1974: دوسری آئینی ترمیم میں کیا تھا؟

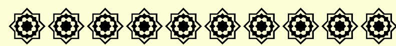
جماعت احمدیہ کے اراکین سنہ 974 سے پہلے مسلمانوں کا ہی ایک فرقہ گردانے جاتے تھے لیکن ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں پارلیمان نے انھیں غیر مسلم قرار دے دیا تھا۔

تاہم سلسلہ یہیں نہیں رُکا بلکہ سنہ 1984 میں فوجی صدر جنرل ضیاالحق کے دور میں احمدیہ برادری کے خلاف ایک آرڈیننس جاری کیا گیا۔ اس آرڈیننس کے مطابق تعزیرات پاکستان کی دفعہ 298 بی اور 298 سی کے تحت اب جماعت احمدیہ کا کوئی رکن خود کو مسلمان ظاہر کرے، اپنی عبادت گاہوں کے لیے کوئی اسلامی اصطلاح استعمال کرے، 'اسلام وعلیکم' کہے یا 'بسم اللہ' پڑھے، اپنی عبادت گاہ کو مسجد کہے یا وہاں اذان دے تو اسے تین برس قید کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ سنہ 1974 کے بعد آج احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیے جانے کے سرکاری فیصلے کو 49 سال مکمل ہو چکے ہیں۔

گذشتہ 49 سال کے دوران بہت سے احمدیوں کو صرف ان کی مذہبی عقائد کی بنیاد پر قتل کیا گیا، ان کی املاک پر حملے کیے گئے جس کے باعث بہت سے احمدی گھرانے نہ صرف اپنا گھر بار بلکہ ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔

49 سال بعد بھی یہ نفرت تھمنے کا نام نہیں لے رہی اور احمدی عبادت گاہوں پر تواتر سے حملے کیے جا رہے ہیں۔

اس صورتحال کے پیش نظر سچ پوچھیے تو میں آج بھی گھر سے یہ سوچ کر نکلتا ہوں کہ شاید آج میری زندگی کا آخری دن ہو۔





میرے سر پہ ہے یہ گناہ بھی

ثاقب زیروی

یہ بجا کہ راستہ پُر خطر ہے ستم کی رات سیاہ بھی
مگر اہل دل کو ہو فکر کیوں کہ جنوں ہے مشعل راہ بھی

مجھے ناز انکی ہی چاہ پر وہی جن کی ایک نگاہ پر
یہ متاع دیدہ و دل تو کیا ہے نثار عزت وجاہ بھی

یہ عجیب طرح کا دور ہے کہ جہاں کا رنگ ہی اور ہے
یہاں اعتبار ثواب کیا نہیں اعتبار گناہ بھی

چلیں نفرتوں کی وہ آندھیاں کہ چراغ پیار کے بجھ گئے
نہ دکھائی دے کوئی روشنی نہ سجھائی دے کوئی راہ بھی

وہی آسماں ہے وہی زمیں پہ سکوں کا نام ونشاں نہیں
کہاں جا کے سر کو چھپایئے نہیں کوئی جائے پناہ بھی

جو گزر گئی ہیں قیامتیں نہ کہیں گئے اُن کی حکائتیں
کوئی کرلے ظلم کی انتہا نہ کریں گے ہم کوئی آہ بھی

جو لگے تھے زخم وہ سی لئے جو ملے تھے اشک پی لئے
در شکوہ سارے ہی بند ہیں نہ سنو گے دل کی کراہ بھی

انہیں اعتبار وفا نہیں ہمیں اعتبار ستم تو ہے
ہے انہی کے لطف کا آئینہ یہ ہمارا حال تباہ بھی

میں ہوں خرقہ پوش تو کیا ہوا مرادل ہے صورت آئینہ
جو حریف تاج و سریر ہے میرے سر پہ ہے وہ کلاہ بھی

میں فدائے دین ہدی بھی ہوں اور مصطفی کا گدا بھی ہوں
میری فرد جرم میں درج ہو میرے سر پہ ہے یہ گناہ بھی

تیرے پاس ثاقب بے نوا ہیں یہ سب خدا کی امانتیں
اسی در پہ جا کے جھکا ئیو یہ جبیں بھی دل بھی نگاہ بھی

دسمبر ۱۹۷۴



آج سے میں احمدی بھی ہوں اور مرزائی بھی

مولانا دوست محمد شاہد صاحب ایک واقعہ درج فرماتے ہیں کہ

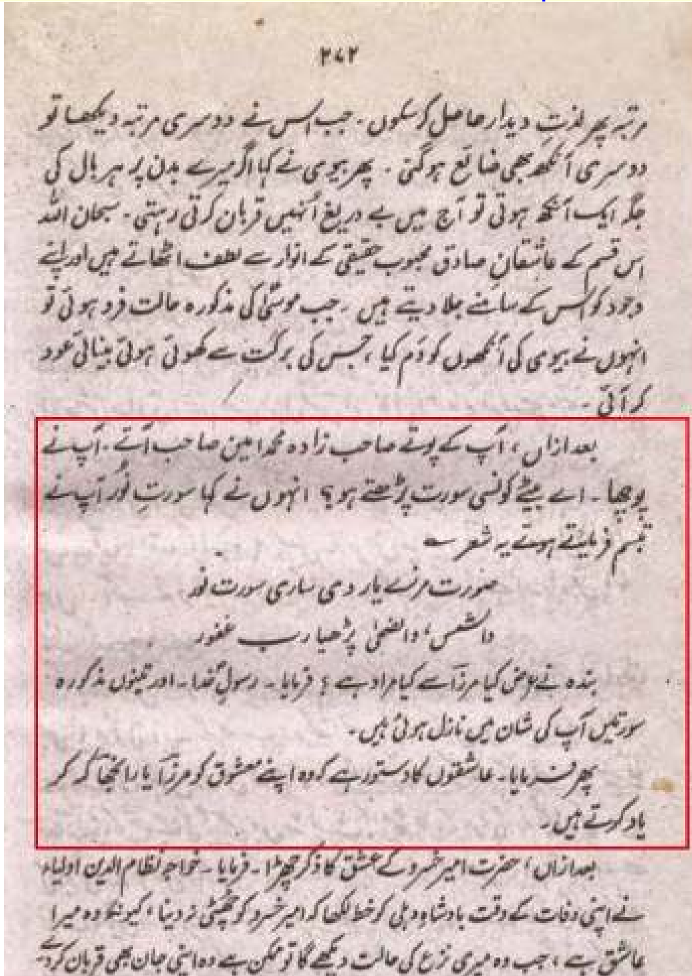
▪ یہ عاجز دفتری کام میں مصروف تھا کہ یکا یک حضرت مولانا (مولانا عبدالمالک خاں) کی السلام علیکم کی آواز سنائی دی اور آپ ایک باریش بزرگ کے ساتھ کمرہ شعبہ تاریخ میں تشریف لائے اور فرمایا میں انہیں تم سے ملانے کے لیے لایا ہوں۔ میرے معزز مہمان کے پاس وقت بہت تھوڑا ہے۔کوئی ایک مختصر سی بات سنا دیجیے۔ میں نے ان بزرگ پر نگاہ ڈالی تو حق تعالیٰ کی طرف سے میرے دل میں یہ ڈالا گیا کہ یہ سیال شریف والوں کے مرید ہیں مگر ہیں بہت شریف مزاج۔ یہ ذہن میں آتے ہی خاکسار نے عرض کیا خدا کے فضل وکرم سے آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو احمد یقین کرتے ہیں لہٰذا میری ادب کے ساتھ یہ درخواست ہے کہ آپ اپنے تئیں ہمیشہ احمدی کہا کریں۔ جھٹ بولے میں احمدی تو ہوں مرزائی ہرگز نہیں ۔ یہ سنتے ہی میں نے انیسویں صدی کے نامور چشتی بزرگ حضرت خواجہ شمس الدینؒ سیال شریف کے حسب ذیل ارشادات وملفوظات عالیہ ان کے مطالعہ کے لیے سامنے رکھ دیئے۔ان میں لکھا تھا:

آپ کے پوتے صاحب زادہ محمد امین صاحب آئے۔آپ نے پوچھا اے بیٹے کون سی سورت پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا سورتِ نور۔آپ نے تبسم فرماتے ہوئے یہ شعر ؎

صورت مرزے یار دی ساری سورت نور
والشّمس ، والضّحٰی پڑھیا رب غفور

بندہ نے عرض کیا مرزا سے کیا مراد ہے؟ فرمایا۔رسول خدا اور تینوں مذکورہ سورتیں آپ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ پھر فرمایا۔ عاشقوں کا دستور ہے کہ وہ اپنے معشوق کو مرزا یا رانجھا کہہ کر یاد کیا کرتے ہیں۔(مرآت العاشقین صفحہ ۲۷۲)





۲۷۲

رتبہ پھر لذتِ دیدار حاصل کر سکوں۔ جب اس نے دوسری مرتبہ دیکھا تو دوسری آنکھ بھی ضائع ہو گئی۔ پھر بیوی نے کہا اگر میرے بدن پر ہر بال کی جگہ ایک آنکھ ہوتی تو آج میں بے دریغ انہیں قربان کرتی رہتی۔ سبحان اللہ اس قسم کے عاشقانِ صادق محبوب حقیقی کے انوار سے لطف اٹھاتے ہیں اور اپنے وجود کو اس کے سامنے جلا دیتے ہیں۔ جب موسیٰ کی مذکورہ حالت فرو ہوئی تو انہوں نے بیوی کی آنکھوں کو دم کیا، جس کی برکت سے کھوئی ہوئی بینائی عود کر آئی۔

بعد ازاں، آپ کے پوتے صاحب زادہ محمد امین صاحب آئے۔ آپ نے پوچھا۔ اے بیٹے کونسی سورت پڑھتے ہو؟ انہوں نے کہا سورتِ نور۔ آپ نے تبسم فرماتے ہوئے یہ شعر ؎

صورت مرزے یار دی ساری سورت نور
والشمس، والضحیٰ پڑھیا رب غفور

بندہ نے عرض کیا مرزا سے کیا مراد ہے؟ فرمایا۔ رسولِ خدا۔ اور تینوں مذکورہ سورتیں آپ کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔
پھر فرمایا۔ عاشقوں کا دستور ہے کہ وہ اپنے معشوق کو مرزا یا رانجھا کہہ کر یاد کرتے ہیں۔

بعد ازاں، حضرت امیر خسرو کے عشق کا ذکر چھڑا۔ فرمایا۔ خواجہ نظام الدین اولیاء نے اپنی وفات کے وقت بادشاہ دہلی کو خط لکھا کہ امیر خسرو کو چھٹی نہ دینا، کیونکہ وہ میرا عاشق ہے، جب وہ میری نزع کی حالت دیکھے گا تو ممکن ہے وہ اپنی جان بھی قربان کر دے

جماعت اسلامی کی تاریخ (پاکستان سے پہلے)

(ازقلم جناب شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے)

ذیل کا اہم مقالہ جناب شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے کا تحریر کردہ ہے۔ اصل مضمون میں سے ''کوثر کے تیرونشتر'' والے حصہ کو حذف کر کے باقی سارا مقالہ درج ذیل ہے۔محترم شیخ صاحب کی کتاب ''جماعت اسلامی پر ایک نظر'' اس سلسلہ میں ایک اہم کتاب ہے-------------(ایڈیٹر)

پہلی جماعت اسلامی

مولانا مسعود عالم ندوی کی تالیف ''مولانا سندھی کے افکار وخیالات پر ایک نظر'' کے مقدمے میں مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:۔

''جنگ عظیم کے بعد سے جو مسلمان نوجوان یورپ کو گئے وہ سوشلزم یا نازی ازم میں سے کسی ایک کا شکار ہوآئے۔ پہلا نظریہ دہلی کے خیری برادرز نے کی جماعت اسلامی اور امرتسر کے مشرقی صاحب کی خاکسار تحریک کی صورت میں ظاہر ہوا۔خیری بھائیوں کی تحریک تو ان کے گھر کی چار دیواری ہی میں محدود رہی۔ ان کا بڑا زور وحدت آمریت پر تھا لیکن مذہبی اصول وفروغ میں انہوں نے تاویل نہیں کی۔

ان سطور کے متعلق جماعت اسلامی کا اخبار کوثر لکھتا ہے:۔

''جماعت اسلامی کے امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کے بھائی ابوالخیر مودودی بھی دہلی کے رہنے والے ہیں اور ابوالخیری مناسبت سے ان پر خیری برادرز ایک دوسرا گھرانا ہے جس سے مولانا عبدالجبار خیری، مولانا عبدالغفار خیری اور پروفیسر عبدالستار خیری مرحوم مراد ہیں پروفیسر عبدالستار خیری مرحوم جرمنی گئے تھے۔مولانا عبدالجبار اس نظریے کے معتقد تھے جس کی طرف مولانا سید سلیمان ندوی نے اشارہ فرمایا ہے۔انہوں نے ایک جماعت اسلامی کی داغ بیل بھی ڈالی۔مولانا ابوالاعلیٰ کو بھی دعوت دی تھی۔مگر مولانا وحدت آمریت اور بعض دوسرے امور میں اتفاق نہ کر سکے۔اور مولانا عبدالجبار اور ان کے بھائی اپنے نظریے کے مطابق اپنی راہ پر چلے گئے۔مولانا سید سلیمان ندوی نے اس صورت حال کی طرف اشارہ کیا ہے''۔

کوثر نے تو خیری برادرز، مولانا مودودی کو ان کی دعوت اور دونوں کے بعض اختلافات کا ذکر چند لفظوں میں کیا ہے لیکن دہلی کے باخبر اور معتبر حضرات کا قول ہے کہ مولانا مودودی ایک مدت تک خیری برادرز کے جلسوں میں گاہے گاہے شریک ہوتے رہے۔ جماعتی تنظیم اور پراپیگنڈا کے جو اصول مولانا عبدالستار خیری جرمنی سے سیکھ کر آئے تھے وہ ان سے اخذ کئے۔انہوں نے مولانا عبدالجبار خیری کی وحدت آمریت پر تو آمنا وصدقنا نہ کہا لیکن جو تحریک خود انہوں نے بعد میں چلائی اس میں خیری برادرز کی تحریک کی بہت سی خصوصیات شامل تھیں۔چنانچہ جماعت کا نام جوں کا توں وہ ہے جو بقول سید سلیمان ندوی و ایڈیٹر کوثر خیری برادرز نے اپنی جماعت کا رکھا تھا۔یعنی ''جماعت اسلامی''

مولانا مودودی کے متعلق ان کے ایک پرانے واقف حال کی تفصیلی تحریر

مولانا مودودی نے اپنی جماعت اسلامی کی بنیاد ۱۹۴۱ء میں رکھی جب ان کی عمر ۳۷ سال کی تھی۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے کئی صحافتی اور اجتماعی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔مولانا کے خیالات اور رجحانات کا اندازہ لگانے کے لئے اس پس منظر پر بھی نظر ڈالنی ضروری ہے اور اس مقصد کے لئے شاید ذیل کا خط دلچسپی سے پڑھا جائے جو اخبار جنگ (کراچی) میں ۱۴ نومبر ۱۹۴۹ء کو شائع ہوا تھا:۔

میں مولانا مودودی کو جانتا ہوں

آپ کے مؤقر اخبار میں سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی بابت بہت سے

خطوط شائع ہوئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والوں میں سے کوئی بھی سید صاحب سے پوری طرح واقف نہیں ۔ میں مودودی صاحب کو ۳۵ سال سے جانتا ہوں اور ان کے تمام حالات سے بہت اچھی طرح واقف ہوں ۔ اس لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ میں بھی کچھ عرض کروں ۔ اختصار کے خیال سے پورے حالات تو بہر حال نہیں دیئے جا سکتے ۔ مختصر عرض ہے کہ حصول علم وفضل کے بعد مودودی صاحب کی پبلک زندگی کا آغاز جمیعت العلمائے ہند کے اخبار الجمعیۃ کی ایڈیٹری سے ہوتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ جمیعت العلمائے ہند اول درجہ کی کانگریسی جماعت ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب بھی اس وقت پکے کانگریسی اور مسلم لیگ کے سخت مخالف تھے۔ چند سال بعد الجمعیۃ کی مالی حالت خراب ہوجانے کی وجہ سے چونکہ سید صاحب کو چھ چھ ماہ تک تنخواہ نہ ملتی تھی وہ وہاں سے الگ ہوگئے اور بظاہر کانگریسی بھی نہ رہے لیکن لیگ سے اختلاف کبھی نہ گیا بلکہ اب تک موجود ہے۔ مودودی صاحب کو ہمیشہ ہی سے اپنے علم وفضل کے متعلق بے انتہا خوش اعتمادی رہی ہے اور وہ ابتدائے عمر سے لیڈر بننے اور پس ماندہ مسلم قوم کی خدمت کرنے کا تہیہ کر چکے تھے ۔ دہلی کے بعد وہ اسی خیال سے حیدر آباد تشریف لے گئے اور کئی سال تک وہاں سے ایک رسالہ نکالتے رہے اور بہت سی کتابیں بھی شائع کیں جو سب کی سب مذہبی اصلاح کے خیال سے تحریر کی گئی تھیں۔ بڑی کوششوں کے بعد پٹھان کوٹ میں آپ نے ایک دار الاسلام قائم کیا جو تقسیم ہند تک قائم رہا۔ اس کے بعد وہ اپنے رفقائے کا رسمیت پاکستان تشریف لے آئے۔ اس دوران میں آپ نے ایک جماعت قائم کر لی تھی جس کا نام اسلامی جماعت ہے۔ لیکن یہ جماعت بنانے سے پہلے مودودی صاحب اس بات کے سخت مخالف تھے کہ مذہبی لائنوں پر مذہبی نام سے کوئی جماعت بنائی جائے۔ کیونکہ اس سے اسلام میں فرقہ بندی زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن تجربہ کے بعد آپ کو یہ رائے بدلنی پڑی ۔ اس جماعت کا عقیدہ یہ ہے (گو اس کا علی الاعلان اظہار نہیں کیا جاتا) کہ اس وقت روئے زمین پر کہیں بھی کوئی ایسا مسلمان موجود نہیں جو حقیقت میں مسلمان ہو۔ کیونکہ مودودی صاحب کی رائے میں مسلمان صرف وہی ہے جو خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا حضورؐ کے صحابہ کبار جیسا متقی اور متورّع ہو۔ اس جماعت کے ارکان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ مودودی صاحب یا ان کے کسی خلیفہ کے ہاتھ پر ہر مسلمان پکا اور سچا مسلمان بن سکتا ہے۔

جہاں تک سیاسی خیالات کا تعلق ہے پہلے وہ سخت کٹر کانگریسی تھے پھر الجمعیۃ کے ساتھ ساتھ کانگریس سے بھی الگ ہوگئے لیکن مسلم لیگ کے ہمیشہ مخالف رہے اور اب تک سخت مخالف ہیں۔ آپ کا قول ہے کہ مسلم لیگی سب کے سب مغربیت زدہ لیڈر ہیں۔ ان کی نظر، ان کا دل، ان کے خیالات سب کے سب مغربی ہیں جن کو اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ مسلم لیگ نے قیام پاکستان کے واسطے جو جہاد کیا ہے آپ اس کے بھی مخالف تھے۔ گو کہنے کو آپ نے اپنی جماعت کو یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ آپ کو غیر جانبدار کہو لیکن جتنے ''اسلامی'' بھائیوں سے تبادلہ خیالات کا موقع ملا سبھی کو قیام پاکستان کے خلاف پایا۔ اور اس اختلاف کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ لوگ جو پاکستان کی بنیاد ڈال رہے ہیں سچے مسلمان ہیں ۔ لیکن اب جو پاکستان بن گیا تو مودودی صاحب اور آپ کی جماعت سب کی یہ خواہش ہے کہ اس کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔

مسلمان قوم کی تباہی کے ہزاروں اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ بہت کم مسلمانوں کو اپنی صحیح قدر و قیمت معلوم ہے۔ مودودی صاحب کو حقیقت میں اتنا بھی تو معلوم نہیں کہ آجکل حکومت کرنے کے لئے کن کن علوم میں مہارت کی ضرورت ہوتی ہے اور ان کے نام کیا کیا ہیں۔ مودودی صاحب کی پاکستان دشمنی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ آپ نے جہاد کشمیر جیسی ضروری اور متبرک تحریک کے خلاف فتویٰ دیا اور جو فقہی عذر لنگ پیش کیا اس سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو فن حکومت کی ا۔ب۔ت بھی نہیں آتی ۔ چنانچہ مولانا شبیر احمد عثمانی سے خط و کتابت کرنے کے بعد آپ نے اپنی غلطی یا دوسرے الفاظ میں علمی ناواقفیت کا اقرار بھی کر لیا۔ اب قارئین کرام خود فیصلہ کر لیں کہ ہم پاکستانی اپنے عزیز وطن کی تقدیر ایسے لوگوں کے ہاتھ میں کس طرح دے سکتے ہیں۔ ہمارے وطن عزیز کی عمر ابھی صرف دو سال کی ہے۔ باہر یہ چاروں طرف

دشمنوں سے گھرا ہوا ہے اور اندر ہزاروں جاسوسوں سے بھرا ہوا ہے۔

ہم مودودی صاحب اور آپ کی جماعت سے بہت عاجزانہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ حکومت کرنے کی بجائے مسلمانوں کے اخلاق کی اصلاح کی کوشش کریں اور ان میں اسلامی تعلیم پھیلائیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو ملک کو بھی فائدہ ہوگا اور پبلک خود بخود ان کو حکومت کے تخت پر لا کر بٹھا دے گی۔ (محمد محترم انصاری کراچی)

اس مکتوب میں واقعات کے بیان کرنے میں ایک دو جزوی غلطیاں ہوئی ہیں۔ لیکن یہ خط ایک ایسے بزرگ کا لکھا ہوا ہے جو مولانا کو پینتیس برس سے جانتے ہیں۔ انہوں نے اپنا نام اور مقام بھی دیا ہے اور اخبار جنگ نے جو عام طور پر جماعت اسلامی کا ہمدرد اور حامی ہے اسے شائع کیا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر ہم نے اسے پورا نقل کر دیا لیکن مکتوب نگار کا یہ خیال کہ مولانا پہلی مرتبہ پبلک کے سامنے الجمعیۃ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے آئے صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ کیونکہ اس سے کچھ عرصہ پہلے مولانا مودودی جبلپور میں ایک کانگریسی اخبار کے ایڈیٹر رہ چکے تھے۔ اس کی تصدیق بمبئی کے مشہور کانگریسی اور احراری لیڈر مسٹر علی بہادر خاں کے اخبار ہلال نو کے اس اقتباس میں ملتی ہے:۔

''۲۸ برس قبل جب جبلپور میں مولانا مودودی کے ایک مقالہ پر تاج'' کے پرنٹر پبلشر گرفتار ہوئے تو مولانا مودودی جو ''تاج'' کے ایڈیٹر تھے گرفتاری سے بچنے کے لئے یکا یک دہلی روانہ ہو گئے اور ان کے اس فعل کی وجہ سے راقم الحروف کا مستقبل کچھ سے کچھ ہو گیا۔ جبلپور کے قوم پرست مسلمانوں اور کانگریسی ہندوؤں نے مجھے ''تاج'' کی ادارات پیش کی اور میں نے قبول کر لی۔ یہاں سے میری صحافت کا دور شروع ہوتا ہے۔ نہ مولانا ابو الاعلیٰ مودودی اس اخبار کو لاوارث چھوڑ کر یکا یک جبلپور سے روانہ ہو جاتے نہ میں اس پیشہ میں قدم رکھتا۔ ان کے جیل سے بچنے کے جذبہ نے میری زندگی کو بدل ڈالا''۔

مولانا مودودی کے ابتدائی ایام

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء بمقام اورنگ آباد پیدا ہوئے۔ والد ریاست حیدر آباد میں ملازم تھے اور مولانا کی زندگی کے پہلے تیرہ چودہ سال اورنگ آباد میں گذرے۔ پھر والد پنشن لے کر اپنے آبائی وطن دہلی میں آ مقیم ہوئے اور مولانا بھی یہاں آ گئے۔ مولانا کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔ گیارہ برس کی عمر میں مدرسہ فوقانیہ میں داخل ہوئے۔ لیکن والد کی وفات پر رسمی تعلیم کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا۔ البتہ مشہور ہے کہ غیر رسمی طور پر آپ کی علمی رہنمائی مولوی عبدالسلام نیازی (ترکمان دروازے والوں) نے کی۔ آپ رامپور کے مشہور معقولی تھے۔ مولانا کا لڑکپن سے اس حلقے میں آنا جانا شروع ہو گیا تھا جس میں قاری سرفراز حسین خلیقی دہلوی، نثار دہلوی اور نیاز فتح پوری کبھی کبھی شریک ہوتے تھے۔ خلیقی اور نیاز کے زیر اثر انہوں نے طرز تحریر پر توجہ کی تو مولوی عبدالسلام کے اثر سے ان پر منطق اور معقولات کا وہ رنگ چڑھا جو عام طور پر علمائے دہلی کا خصوصی وصف نہیں۔ مولانا احمد سعید ناظم جمعیۃ العلمائے ہند ان میں خاص طور پر دلچسپی لیتے تھے۔ چنانچہ انہی کی سعی سے وہ جمعیۃ العلمائے ہند کے دفتر سے وابستہ ہوئے۔

''الجہاد فی الاسلام''

مولانا الجمعیۃ کے دفتری کام انجام دے رہے تھے کہ دسمبر ۱۹۲۶ء کی آخری تاریخوں میں سوامی شردھانند کو ایک مسلمان نے حل کر دیا۔ یہ واقعہ غیر مسلموں کے لئے بہانہ بنا ''انہوں نے تمام امت اسلامیہ بلکہ خود اسلامی تعلیمات کو اس واقعہ کا ذمہ دار قرار دینا شروع کیا۔ اور قرآن کریم کے خلاف اس قسم کے الزامات عائد کرنے لگے کہ اس کی تعلیم مسلمانوں کو خونخوار و قاتل بناتی ہے۔ اس کی تعلیم امن وامان اور مسالمت کے خلاف ہے۔ اور اس کی تعلیم نے مسلمانوں کو اتنا متعصب بنا دیا ہے کہ وہ ہر کافر کو گردن زدنی سمجھتے ہیں''۔

مولانا نے ان خیالات کی تردید کے لئے الجمعیۃ میں ایک سلسلہ مضامین لکھنا شروع کیا۔ ۲۲۔ ۲۳ نمبروں کی اشاعت کے بعد طوالت کے خیال سے اسے موقوف کر دیا مگر الجہاد فی الاسلام کے نام سے کوئی پانچ سو صفحے کی ایک مبسوط کتاب لکھی۔ اس میں احکام جہاد کی تفصیل وتوضیح کے علاوہ دوسرے مذاہب (مثلاً مسیحیت اور ہندومت) کے قوانین جنگ کا اسلامی طریق کار سے موازنہ بھی کیا۔

قیام حیدر آباد

الجہاد فی الاسلام نے پہلی مرتبہ مولانا کو علمی دنیا میں روشناس کیا۔ لیکن ان

دنوں الجمعیۃ کی مالی حالت خراب تھی مولانا کو اس سے ترک تعلق کرنا پڑا۔ چنانچہ ۱۹۲۹ء میں وہ جمعیۃ العلمائے ہند سے علیحدہ ہوگئے اور دہلی چھوڑ کر حیدر آباد میں اقامت اختیار کی۔ وہاں ان کے بھائی سید ابوالخیر مودودی دارالترجمہ سے وابستہ تھے۔ مولانا نے بھی اسی زمانے میں کسی پبلشر کے لئے تاریخ حکومت آصفیہ لکھی جو شائع ہوچکی ہے۔ لیکن قیام حیدر آباد میں ان کا اہم کام ترجمان القرآن کی ادارت تھا جو ۱۹۳۳ء میں جاری ہوا۔ شروع میں یہ رسالہ مولوی ابو محمد مصلح (صاحب عالمگیر تحریک قرآنی) کا ترجمان تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ مولانا نے اس میں بڑی وسعت پیدا کی اور اسے ایک امتیازی شان دے دی

مولانا مودودی کی ایک قلمی تصویر

مولانا مودودی کوئی آٹھ نو برس حیدر آباد میں مقیم رہے۔ ان کے قیام حیدر آباد کے آخری ایام کی قلمی تصویر مولوی رئیس احمد جعفری کی کتاب ''دیدو شنید'' میں ملتی ہے فرماتے ہیں:۔

''مولانا مودودی ابوالاعلیٰ آغاز میں ہم کیا تھے انجام میں ہم کیا ہیں

۱۹۳۷ء کی ایک سرد شام کو خلافت ہاؤس کے مہمان خانے میں ایک نئی صورت نظر آئی۔ میانہ قد، دوہرا بدن، سر پر ٹوپی، علیگڑھ کٹ پائجامہ، حیدر آبادی وضع کی شیروانی۔ ڈاڑھی ندارد غالباً مونچھیں بھی منڈی ہوئیں، انگریزی تراش کے بال، خوبصورت چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، کچھ خاموش خاموش کچھ الگ تھلگ سے، میں نے مولانا عرفان سے پوچھا۔ آپ کی تعریف؟ فرمایا ابوالاعلیٰ مودودی۔

اس نام کی مسمّی آنکھوں کے لئے نیا تھا لیکن کانوں کے لئے نیا نہ تھا۔ بچپن سے مولانا ابوالاعلیٰ کے افکار دماغی، زور قلم اور متوازن رائے کا سکہ دل پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ وہی صحافی تھا جس نے اپنی نوجوانی کے زمانہ میں جمعیۃ العلمائے ہند کے ترجمان ''الجمعیۃ'' کی عنان ادارت ہاتھ میں لی اور اسے ہندوستان کے بلند پایہ اخبارات کی صف اوّل میں پہنچا دیا۔ سوامی شردھانند کے حادثہ قتل کے بعد جس نے ''اسلام اور تشدد کا مسلک'' کے موضوع پر اس قدر عالمانہ سیر حاصل اور بلند پایہ مقالات لکھے کہ دھوم مچ گئی۔ مخالفین تک داد دینے پر مجبور ہوگئے اور اب عرصہ سے جس کی ادارت میں حیدر آباد سے رسالہ ''ترجمان القرآن'' نکل رہا تھا جس کے مقالات اپنے وزن اور معلومات کے اعتبار سے ہندوستان کے بڑے بڑے ارباب نظر اور اہل علم کے لئے باعث فخر و رشک تھے۔ باتیں کیں تو معلوم ہوا خدا نے ذہانت کے ساتھ ساتھ حلم، گہرائی اور فکر کی نعمت بھی عطاء کی ہے۔ ابھی تک مولانا بڑے آدمی نہیں بنے تھے۔ دنیا سے بے نیاز بھی نہیں ہوئے تھے۔ ساحل بمبئی پر حیدر آباد کے ایک حاکم با اختیار تک جو ولایت سے آ رہا تھا اپنے ایک عزیز کی سفارش پہنچانے تشریف لائے تھے۔ لیکن باتوں میں، لب لہجہ میں بڑا پن پوری شان کے ساتھ موجود تھا۔ بے موقع تبسم سے گریز، مختصر اور دوٹوک باتیں خلا مال سے پرہیز، تخلیہ اور تجلیہ میں یکساں سنجیدگی اور خاموشی بڑے آدمیوں کے یہی اسلحہ ہوتے ہیں اور مولانا ان سے پورے طور پر مسلح تھے''

مولانا کیلئے یہ زمانہ ایک عمیق ذہنی کشمکش کا دور تھا ایک تو وہ ان دنوں ویسے ہی ''پرگندہ روزی پراگندہ دل'' رہتے تھے لیکن تحریک خلافت کی ناکامی بھی ان کے لئے ذہنی کشمکش کا سامان پیدا کر چکی تھی۔ اس تحریک کی بدولت علماء کی قوت اور اہمیت کو چار چاند لگ گئے تھے۔ جمعیۃ العلمائے ہند کی تشکیل بھی انہی دنوں ہوئی لیکن اس تحریک کی ناکامی اور ہندوستان کے اندرونی مسائل کی روز افزوں اہمیت سے پھر وہ طبقہ برسر اقتدار آ گیا جس نے سرسید کے وقت سے اپنی مساعی مسلمانان ہند کے حقوق و مستقبل کے لئے وقف کر رکھی تھیں اور جس طبقے میں علماء کو نمایاں جگہ حاصل نہ تھی۔ مولانا ان نامساعد حالات کی بنا پر سخت پریشانی کی حالت میں تھے کہ جانب شمال سے روشنی کی شعاع نمودار ہوئی جو مولانا کے لئے شب تاریک کے بعد صبح صادق کا پیغام لے کر آئی۔ اس زمانہ میں مولوی نیاز علی صاحب نے پٹھان کوٹ کے قریب دارالاسلام قائم کیا اور جن حضرات کو وہاں کام کرنے کی دعوت ملی ان میں مولانا مودودی بھی تھے۔

اسلامی جماعت کا آغاز

۱۹۳۸ء کی ابتدا تھی کہ مولانا مودودی حیدر آباد دکن سے پٹھان کوٹ تشریف لائے اور یہاں کام کا آغاز کیا۔ مگر ان کے اور مولوی نیاز علی صاحب کے درمیان کچھ اختلافات پیدا ہوئے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے لئے مولانا لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں ۱۹۳۹ء میں تقریباً ایک سال تک اسلامیہ کالج لاہور

میں صیغہ دینیات کے ناظم رہے لیکن پھر پٹھان کوٹ تشریف لے گئے جو قیام پاکستان سے پہلے اسلامی جماعت کا مرکز تھا۔ اسلامی جماعت کی بنیاد 26/ اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور میں رکھی گئی پہلے جلسے میں کل 75 علماء اور ہمدرد شامل ہوئے اور مولانا مودودی امیر جماعت منتخب ہوئے اور معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی اجلاس کے بعد ہی جماعت میں اختلافات رونما ہوگئے اور ذیل کے چار اصحاب نے مولانا مودودی کی ذات اور کام پر تحریری اعتراضات کئے اور پھر جماعت سے علیحدہ ہوگئے۔

۱۔ مولانا منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان بریلی۔

۲۔ مولانا سید محمد جعفر صاحب خطیب مسجد جامع کپورتھلہ۔

۳۔ قمر الدین خان صاحب سابق ناظم جماعت۔

۴۔ عطاء اللہ صاحب پیٹو اکھالی بنگال۔

لیکن ان حضرات کی علیحدگی سے جماعت کا کام رُکا نہیں بلکہ روز بروز ترقی کرتا گیا۔ ۱۹۴۳ء میں مولانا امین احسن اصلاحی جماعت میں شامل ہوئے۔ اس سال ارکان کی تعداد سات سو پچاس تک پہنچ گئی تھی۔ لیکن اس میں کاٹ چھانٹ ہوئی اور جو ارکان غیر معمولی جذبہ جوش وخروش سے عاری تھے وہ رکنیت سے محروم اور جماعت سے باہر کئے گئے۔ ارکان کی مجموعی تعداد چار سو پچاس سے بھی کم ہوگئی۔ لیکن مخلص اور محنتی اراکین کی مدد سے اور مولانا مودودی کی قابل قیادت کے زیراثر جماعت میں اضافہ ہوتا گیا۔ بلا آخر ۱۹۴۶ء میں اسلامی جماعت نے محسوس کیا کہ پٹھان کوٹ سے زیادہ مرکزی مقام پر اسلامی جماعت کا مرکز ہونا چاہئے۔ چنانچہ جالندھر کے قریب بستی میں کام کا آغاز ہوا لیکن یہ سب منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے۔ مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا قتل عام اور جماعت کو اگست ۱۹۴۷ء کے آخر میں پاکستان میں پناہ لینی پڑی۔

جماعت اسلامی نے تھوڑے ہی عرصے میں فقط پراپاگنڈا کے زور پر جو ترقی کی اور لوگوں میں رسوخ پیدا کیا وہ قابل داد ہے۔ بلاشبہ لیگ کا اثر اس سے کہیں زیادہ تھا اور ہے لیکن لیگ چالیس سال سے میدان میں ہے۔ محسن الملک وقار الملک مولانا محمد علی، علامہ اقبال، قائداعظم جیسی ہستیوں کے ہاتھوں میں پلی، پروان چڑھی۔ قیامِ پاکستان سے پہلے مسلمانوں کے حقوق کے لئے لڑنے والی یہی ایک جماعت تھی۔ اس نے مسلمانوں کو سرکاری ملازمتیں دلوائیں، کونسلوں میں انکی شرکت کا حق قائم کیا۔ سندھ کو علیحدہ صوبہ بنوایا۔ سرحد کی اصلاحات کے لئے جدوجہد کی اور انجام کار مسلمانوں کو پاکستان دلایا۔ ان کارناموں کو دیکھ کر لوگ اس کے قائل ہوں تو چنداں محلِ حیرت نہیں۔ لیکن اسلامی جماعت کے عملی کارنامے بہت مختصر ہیں۔ فقط اس کی دعوت کی دلاویزی اور منتظمین کی کارکردگی اور اخلاص نے اسے موجودہ مقام پر پہنچادیا۔

مولانا مودودی کا ابتدائی مسلک

لیکن جہاں جماعت اسلامی نے حیرت انگیز ترقی کی، وہاں امیر جماعت مولانا مودودی میں ایک طرح کا ذہنی جمود بلکہ تنزل رونما ہوا۔ جماعت کے قیام سے پہلے ان کا بطور ایک مفکر اور متکلم کے خاص مقام تھا اور ایک خاص انداز فکر تھا۔ علماء کے جمود سے انہیں اسی طرح تنفر اور وحشت تھی جس طرح بعض تعلیم یافتہ لوگوں کی بے راہ روی دیکھ کر ۱۹۳۷ء میں مولانا مودودی کا دعویٰ تھا کہ ہماری تحریک ارتجاعی (REACTIONARY) نہیں آگے چلنے والی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہماری نسبت یہ خیال نہ کیا جائے کہ دنیا اس وقت تمدّن کے جس مرتبہ پر ہے ہم اس سے رجعت کر کے اس تمدنی مرتبہ پر ہے ہم اس سے رجعت کر کے اس تمدّنی مرتبہ پر واپس جانے کے خواہش مند ہیں جو عرب میں ساڑھے تیرہ سو برس پہلے تھا۔ ان کا قول تھا ''اسلام کی یہ تعلیم ہرگز نہیں ہے کہ ہم جیتے جاگتے آثار قدیمہ بن کر رہیں اور اپنی زندگی کو قدیم تمدّن کا ایک تاریخی ڈراما بنائے رکھیں۔ وہ ہم کو قالب نہیں بلکہ روح دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ زمان ومکان کے تغیرات سے زندگی کے جتنے بھی مختلف قالب قیامت تک پیدا ہوں ان سب میں یہی روح بھرتے جائیں۔''

مغربی علوم وفنون کی نسبت بھی انہیں نے اس سے پیشتر فرمایا تھا ''مغربی علوم وفنون بجائے خود سب کے سب مفید ہیں اور اسلام کے دوست ہیں''۔

اپنے طریق کار کی نسبت انہوں نے ۱۹۳۶ء میں لکھا تھا:۔

''مجھے گروہ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے میں ایک بیچ کی ، راس کا آدمی ہوں جس نے جدید اور قدیم دونوں طریقہائے تعلیم سے کچھ کچھ

حصہ پایا ہے اور دونوں کو چوں کو چل پھر کر دیکھا ہے۔ اپنی بصیرت کی بنا پر نہ تو میں قدیم گروہ کو سراپا خیر سمجھتا ہوں اور نہ جدید گروہ کو۔''

(ترجمان القرآن صفحہ ۲۲۷ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ)

انہیں اس امر کا احساس تھا کہ مسلمانانِ ترکی کو مذہب سے برگشتہ کرنے میں علماء کی قدامت پسندی کو بڑا دخل تھا۔تنقیحات میں فرماتے ہیں:۔

''ایک طرف ترکی قوم میں اتنے بڑے انقلاب کی ابتدا ہو رہی تھی۔ دوسری طرف ترکوں کے علماء اور مشائخ نے جواب بھی ساتویں صدی کی فضا سے نکلنے پر آمادہ نہ تھے ان کے جمود، ان کی تاریک خیالی، ان کی رجعت پسندی اور زمانہ کے ساتھ حرکت کرنے سے ان کے قطعی انکار کا اب بھی وہی حال تھا جو سلطان سلیم کے زمانہ میں تھا۔ وہ اب بھی کہہ رہے تھے کہ چوتھی صدی کے بعد اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا۔۔۔۔۔ وہ ابھی تک اصرار کر رہے تھے کہ ترکی قوم میں وہی فقہی قوانین نافذ کئے جائیں گے جو شامی اور کنز الدقائق میں لکھے ہوئے ہیں'' (تنقیحات صفحہ ۸۱)

ترکی میں علماء اور نوجوان ترکوں کے درمیان جو کشمکش پیدا ہوئی اس کے متعلق مولانا مودودی کا فیصلہ تھا:۔

''پرانے مذہبی خیال کے لوگ نوجوان ترکوں پر کفر اور فسق کے فتوے لگا رہے ہیں مگر ان کو خبر نہیں کہ نوجوان ترکوں سے زیادہ گنہگار تو ترکی کے علماء اور مشائخ ہیں۔'' (تنقیحات صفحہ ۸۳۰)

مولانا مودودی نہیں چاہتے تھے کہ برِاعظم کے علماء وہی غلطی کریں جو ترکی کے علماء نے کی تھی۔ وہ ترجمان القرآن میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:۔

''میں اس بات کا بھی سخت مخالف ہوں کہ علماء کرام وقت کے رجحانات سے منہ موڑ کر بیٹھ جائیں اور اس امر کو بھول جائیں کہ وہ ہدایہ اور بدائع کے زمانہ تصنیف میں نہیں بلکہ نت نئی سائنٹی فک ایجادات اور تیز رفتار تمدّنی انقلابات کے دور میں رہتے ہیں۔ اس دور میں روز روز نئے مسائل کا پیدا ہونا لابُد ہے اور ان مسائل کو ہدایہ و بدائع کی روشنی میں حل کرنے کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں جس کا خطرہ نوجوان سائل نے اپنے استفسار میں ظاہر کیا ہے۔ رہنمائی کے لئے علماء اسلام میں وسعت نظر اور روح اجتہاد کی ضرورت ہے۔ قدم قدم پر عالمگیری اور تاتارخانی کو لا کر سدّ راہ بنانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نئے زمانہ کا مسلمان قرآن و حدیث کو پیچھے چھوڑ کر جدھر منہ اٹھے گا چل نکلے گا۔ جس طرح ترک اور ایرانی چل نکلے''۔

(ترجمان القرآن اگست ۱۹۳۸ء)

مولانا مودودی علماء کے ہاتھ میں قوم کی زمامِ امامت دیکھنا چاہتے تھے لیکن انہیں اس کا احساس تھا کہ یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ علماء اپنے نقطہ نظر میں وسعت و تبدیلی پیدا کریں۔ مولانا ترجمان القران میں فرماتے ہیں:۔

''امامت خواہ وہ آگ کی طرف لے جائے والی ہو یا جنت کی طرف بہر حال اس گروہ کا حصہ ہے جو سمع و بصر و فواد کو تمام انسانی گروہوں سے بڑھ کر استعمال کرے۔ یہ انسان کے حق میں اللہ کا بنایا ہوا اٹل ضابطہ ہے اور اس میں کوئی رو رعایت نہیں ہے خواہ کوئی گروہ خداشناس ہو یا خداناشناس۔ بہر حال جو یہ شرط پوری کرے گا دنیا کا امام بن جائے گا اور جو نہ کرے گا تو مقتدی ہی نہیں بلکہ اکثر حالات میں مطیع بھی بننے سے نہ بچ سکے گا۔ آپ کو جس چیز نے امامت کے منصب سے ہٹایا اور خداناشناس اہل مغرب کو لا بٹھایا وہ دراصل یہی ضابطہ تھا۔ آپ کے ہاں مدت ہائے دراز سے علم کی جو حالت تھی اس میں بصر اور فواحہ دونوں معطل تھے اور سمع کا کام بھی صرف پہلے کی حاصل شدہ معلومات فراہم کرنے تک محدود تھا بخلاف اس کے ناخداشناس یورپ علم کے میدان میں آگے بڑھا اور امام بن گیا اور آپ مقتدی بن کر رہ گئے۔ آپ کی دینی تعلیم کے تمام مراکز ابھی تک اپنی اسی غلطی پر اڑے ہوئے ہیں جس نے آپ کو اس درجہ پر پہنچایا ہے۔''

قرآن و سنت کے بھی جن اصولوں پر وہ تعلیم دینا چاہتے تھے وہ قدیم کی نسبت جدید سے زیادہ قریب تھے۔تنقیحات میں فرماتے ہیں:۔

''علوم اسلامیہ کو بھی ان کی قدیم کتابوں سے جوں کا توں نہ لیجئے بلکہ ان

میں سے متاخرین کی آمیزشوں کو الگ کر کے اسلام کے دائمی اصول اور حقیقی اعتقادات اور غیر متبدل قوانین لیجئے۔۔۔قرآن اور سنت کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر وحدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں۔'' (صفحہ ۳۳)

اور تو اور کتب حدیث کے متعلق انہوں نے ایسے خیالات کا اظہار کیا کہ اگر آج کسی اور کے قلم سے ان کا بیان ہو تو اسے منکرین حدیث میں سے شمار کیا جائے تفہیمات میں فرماتے ہیں:۔

''محدثین نے اسماء الرجال کا عظیم الشان ذخیرہ فراہم کیا ہے جو بلا شبہ بیش قیمت ہے مگر ان میں ایسی کونسی چیز ہے جس میں غلطی کا احتمال نہ ہو۔'' (صفحہ ۲۹۲)

تفسیر کے متعلق بھی ان کا طریق کار قدیم کی نسبت جدید سے زیادہ ملتا جلتا تھا۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں پرانے مفسرین سے استفادہ نہیں کیا۔ اپنے تاثرات کو یکجا کیا ہے۔خود تفسیر کی ابتدا میں فرماتے ہیں:۔

''اس میں جس چیز کی کوشش میں نے کی ہے وہ یہ ہیت کہ قرآن کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آئے اور جو اثر میرے قلب پر پڑتا ہے اسے جوں کا توں اپنی زبان میں منتقل کردوں۔''

علم تفسیر کے متعلق تنقیحات میں آپ نے فرمایا تھا کہ قرآن کے لئے کسی تفسیر کی حاجت نہیں۔ایک اعلیٰ درجے کا پروفیسر کافی ہے۔'' (صفحہ ۲۲۲)

جدید متکلمین کا خیال ہے کہ قدماء نے عبادات اور اعتقادات پر زیادہ زور دیا تھا اور اعمال اور خدمت خلق پر کم حالانکہ کلام مجید کا نقطہ نظر اس معاملے میں کچھ اور ہے۔ مولانا مودودی کی قدیم تصانیف سے خیال ہوتا ہے کہ اس معاملے میں بھی ان کا نقطہ نظر جدید سے قریب تر تھا۔خطبات (حصہ سوم) میں فرماتے ہیں:۔

''آپ سمجھتے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر قبلہ رو کھڑے ہونا، گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنا زمین پر ہاتھ ٹیک کر سجدہ کرنا اور چند مقرر الفاظ زبان سے ادا کرنا، بس یہی چند افعال اور حرکات بجائے خود عبادات ہیں۔آپ سمجھتے ہیں کہ رمضان کی پہلی تاریخ سے شوال کا چاند نکلنے تک روزانہ صبح سے شام تک بھوکے پیاسے رہنے کا نام عبادت ہے۔آپ سمجھتے ہیں کہ قرآن کے چند رکوع زبان سے پڑھ دینے کا نام عبادت ہے۔غرض آپ نے چند افعال کی ظاہری شکلوں کا نام عبادت رکھ چھوڑا ہے۔لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جس عبادت کے لئے آپ کو پیدا کیا ہے اور جس کا آپ کو حکم دیا ہے وہ کچھ اور ہی چیز ہے۔ وہ عبادت یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی میں ہر وقت، ہر حال میں، وہ خدا کے قانون کی اطاعت کریں اور ہر اس قانون کی پابندی سے آزاد ہو جائیں جو قانون الٰہی کے خلاف ہو۔''

(خطبات حصہ سوم صفحہ ۱۰)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

''آپ پوچھیں گے کہ یہ نماز، روزہ اور حج وغیرہ کیا چیزیں ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دراصل یہ عبادتیں جو اللہ نے آپ پر فرض کی ہیں ان کا مقصد اس بڑی عبادت کے لئے تیار کرنا ہے جو آپ کو زندگی میں ہر وقت ہر سال میں ادا کرنی چاہیئے۔''(خطبات حصہ سوم صفحہ ۱۲)

اسلامی شریعت کی عام ترجمانی کی نسبت وہ فرماتے ہیں:۔

''دوسرا بنیادی نقص اس مسخ شدہ مذہبیت میں یہ ہے کہ اس میں اسلامی شریعت کو ایک منجمد شاستر بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔اس میں صدیوں سے اجتہاد کا دروازہ بند ہے جس کی وجہ سے اسلام ایک زندہ تحریک کی بجائے عہد گذشتہ کی تاریخ بن کر رہ گیا ہے۔''(ترجمان القرآن جلد ۱۸ عدد ا)

آگے چل کر فرمایا:۔

''اسلام کی تعلیم دینے والی درس گاہیں آثار قدیمہ کے محافظ خانوں میں تبدیل ہوگئی ہیں۔''

آگے ملاحظہ فرمائیے:۔

''تیسرا اہم نقص اس میں یہ ہے کہ جزئیات کی ناپ تول مقداروں کے غیر منصوص تعین اور روح سے بڑھ کر ظاہر پر مدار دینداری رکھنے کی بیماری اس میں حد سے بڑھ گئی ہے۔وہ غیروں کی تالیف تو کیا کرے گی الٹی اپنوں کی تنفیر کا سبب بن رہی ہے۔''

مولانا مودودی کے خیالات میں انقلاب

۳۸۔۱۹۳۹ء کے بعد مولانا کے خیالات میں ایسا انقلاب آیا کہ پھر انہوں

نے اسلام کی جس صورت پر زور دیا اس میں ''روح نہ تھی صرف ''قالب ''ہی''قالب'' تھا۔ اب جس تمدن کو وہ رواج دینا چاہتے تھے وہ وہی تھا'' جو عرب میں ساڑھے تیرہ سو برس پہلے تھا۔'' اور مغربی علوم وفنون کے لئے کلمہ خیر تو ان کی تازہ تصنیفوں اور تقریروں میں ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گا۔

معلوم ہوتا ہے کہ خود مولانا کو بھی خدشہ تھا کہ جماعتی پابندیوں کے باعث ان کی مفکرانہ ومتکلمانہ حیثیت پر آنچ نہ آجائے۔ چنانچہ انہوں نے جماعت کے پہلے جلسے میں فرمایا:۔

''فقہ اور کلام کے مسائل میں میرا ایک خاص مسلک ہے جس کو میں نے اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر اختیار کیا ہے اور پچھلے آٹھ سال کے دوران میں جو اصحاب ''ترجمان القرآن'' کا مطالعہ کرتے رہے ہیں وہ اس کو جانتے ہیں۔ اب کہ میری حیثیت اس جماعت کے امیر کی ہوگئی۔ میرے لئے یہ بات صاف کر دینی ضروری ہے کہ فقہ وکلام کے مسائل میں جو کچھ میں نے پہلے لکھا ہے اور آئندہ لکھوں گا یا کہوں گا اس کی حیثیت امیر جماعت اسلامی کے فیصلہ کی نہ ہوگی بلکہ میری ذاتی رائے کو جماعت کے دوسرے اہل علم وتحقیق پر مسلط کروں۔ اور نہ اس کو پسند کرتا ہوں کہ جماعت کی طرف سے مجھ پر ایسی کوئی پابندی عائد ہو کہ مجھ سے علمی تحقیق اور آزادی سلب ہوجائے۔''

مولانا کی علمی تحقیق اور آزادی رائے پر جماعت نے کوئی پابندی نہ لگائی لیکن اب وہ جس ماحول میں رہنے لگے اور جو جماعتی نصب العین انہوں نے سامنے رکھا اس کا غیر محسوس اثر ان کے خیالات پر ناگزیر تھا۔ مولانا کے رفقائے کار بڑے محنتی مخلص اور پرجوش ہیں لیکن ذہنی اعتبار سے ان میں سے ایک بھی مولانا کی ٹکر کا نہیں۔ اور نہ صرف وہ علمی اور ذہنی حیثیت سے مولانا کی سطح سے بہت نیچے ہیں بلکہ انہیں تو ان مسائل کا سرے سے احساس ہی نہیں جن کا حل اس زمانے میں ضروری ہے۔ مسائل حاضرہ اور قدیم وجدید کے توازن کی نسبت کبھی بھی ان کا وہ نقطہ نظر تھا جو ۳۸-۱۹۳۷ء سے پہلے مولانا کا تھا۔ اس کے علاوہ انتہا پسندی، ضد اور تحقیر مخالفین میں وہ حاشیہ نمبر ۱ مولانا عبدالماجد دریابادی کے اخبار صدق جدید (۱۶/نومبر ۱۹۵۱ء) میں مولانا مودودی کی نسبت ''ان کے ایک پاکستانی مخلص'' کا مراسلہ شائع ہوا تھا جو اگر مولوی نیاز علی بانی دارالاسلام پٹھان کوٹ کا نہیں تو (دارالاسلام کے) کسی ایسے بزرگ کی تحریر ہے جنہیں پنجاب میں مولانا مودودی سے ''تعلقات کی اولیت'' حاصل ہے اور جن کے مولانا مودودی کے ساتھ ان حضرات کے اثر صحبت کے علاوہ جماعتی نصب العین کا شعوری اور غیر شعوری اثر بھی مولانا پر ہوا اور شاید اس اتفاق نے کہ جماعت کی تشکیل کی مخالفت فقط علماء کی طرف سے ہوئی۔ جماعت کو علماء کے زاویہ نگاہ کے متعلق زیادہ محتاط کر دیا۔ ان سب اسباب (یا کسی اندرونی، ذہنی انقلاب) نے مولانا کے خیالات پر ایسا اثر ڈالا کہ وہ اپنے ابتدائی نقطہ نظر سے ہٹ کر کہیں سے کہیں جا پہنچے۔

مولانا کے خیالات میں جو تغیر وتبدل ہوا اور جو طریق کار انہوں نے بالآخر اختیار کیا اس نے ان کے خیالات کی عام مقبولیت میں بڑی مدد دی۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب کوئی مفکر گوشۂ غور وفکر سے نکل کر جماعتی تنظیم کی منزل میں قدم رکھتا ہے تو اسے اس طرح کا تغیر وتبدل گوارا کرنا ہی پڑتا ہے لیکن راقم السطور اور مولانا کے علم وفضل کے بعض مدّاحوں کا خیال ہے کہ نہ صرف اصول اور قومی مفاد کے نقطہ نظر سے مولانا کا ابتدائی مسلک زیادہ صحیح تھا۔ بلکہ پاکستان (جدید ہندوستان) کے حالات کچھ ایسے ہیں کہ جماعتی نقطہ نظر سے بھی (اگر اسلامی جماعت کو حزب مخالف کی حیثیت سے آگے بڑھنا ہے) وہی مسلک زیادہ مفید رہتا۔

مولانا کے سیاسی معتقدات

مولانا مودودی کو شروع سے سیاسیات سے گہری دلچسپی رہی ہے۔ انکی زندگی کا آغاز بطور جرنلسٹ ہوا جمعیۃ العلماء ہند جس کے دامن سے وہ وابستہ ہوئے بظاہر نیم مذہبی نیم سیاسی مگر اصل میں پورا سیاسی ادارہ تھا حیدرآباد میں مذہبی رنگ ان پر زیادہ چڑھا۔ لیکن سیاسی خیالات اور عزائم فراموش نہ ہوئے۔ شروع میں ترجمان القرآن میں زیادہ تر فکری اور مذہبی مضامین شائع ہوتے تھے۔ لیکن ۱۹۳۷ء میں انہوں نے اس میں اسلامی ہندوستان کے متعلق چند سیاسی کشمکش حصہ اول کے عنوان سے مدون ہوئے۔ مولانا نے اس دعنوان پر مختلف موقعوں پر تین مختلف رسالے لکھے اور چونکہ ان تینوں رسالوں کے

موضوع ایک حد تک مختلف ہیں اس لئے ہم ان کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیتے ہیں۔

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش (حصہ اوّل)

حصہ اول ابتدائی مضامین کا مجموعہ ہے اور اس میں اُن سیاسی خیالات کا اظہار ہے جو مولانا کے دماغ میں ہیولیٰ کی حیثیت رکھتے تھے۔اس حصہ میں مولانا کے نقطہ نظر کا عمومی اور مختصر سا اظہار ہے۔اس وقت ان کا نقطہ نظر حسب ذیل تھا:۔

''ہمیں اس امر کی کوشش کرنی چاہیئے کہ جمہور مسلمانوں کی قیادت کا منصب نہ انگریز کے غلاموں کو بلکہ ایک ایسی جماعت کے قبضے میں آجائے جو ہندوستان کی کامل آزادی کے لیے دوسری ہمسایہ قوموں کے ساتھ اشتراک عمل کرنے پر دل سے آمادہ ہو مگر اسلامی مفاد کو کسی حال میں قربان کرنے پر آمادہ نہ ہو۔''

حصّہ دوم:۔

''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش'' کا پہلا حصہ ایک مختصر سا رسالہ تھا۔تقریبا دو سال بعد مولانا نے اس سے کوئی کا دوسرا رسالہ لکھا جو پہلی دفعہ دسمبر ۱۹۳۸ میں شائع ہوا جب سیاسی کشمکش کا پہلا حصہ چھپ کر نکلا تو اس وقت مسلم لیگ بے جان تھی اور قائداعظم اس میں جان ڈالنے کی کوشش کر رہے تھے۔مولانا کی نظر میں وہ بے حیثیت تھی اسلئے انھوں نے اس پر توجہ نہ فرمائی اور نہ اس کا خاص طور پر ذکر کیا۔دوسرے حصہ میں ان کا زور قلم زیادہ تر کانگریس پر صرف ہوا۔لیکن اس حصے میں (مسلم لیگ کا نام لئے بغیر) اس کی قیادت پر وہی الزام تراشے اور لگائے گئے جو جمعیتہ العلمائے ہند اور کانگریسی مسلمانوں کا مسلم لیگ اور اس کے لیڈروں کی مخالفت میں عام حربہ تھے۔اس حصے کے آخر میں مولانا فرماتے ہیں:۔

''مسلمان انتہا درجہ کے نادان ہوں گے اگر وہ اب بھی حالات کی نزاکت کو ٹھیک ٹھیک نہ سمجھیں گے۔وہ ابھی تک اس دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ ان کو یہ نمائشی جلسے اور جلوس اور کھوکھلے مظاہرے قومی ہلاکت سے بچا لیں گے۔وہ ان لوگوں کی لیڈری پر اعتماد کر رہے ہیں جن کے سامنے اپنی وزارت اور وجاہت کے سوا کوئی چیز نہیں۔جو اپنی قوم کے لئے اپنا بال بیکا ہونا گوارا نہیں کر سکتے۔جو مسلمانوں کے مفاد کا نام صرف اسلئے بلند آہنگیوں کے ساتھ لیتے ہیں کہ ایوان وزارت پر ان کا قبضہ رہے جن کی بزدلی پر دشمنوں کو پورا پورا اعتماد ہے۔جنہیں چیلنج کیا جاتا ہے۔کہ اگر تم ہمارے ساتھ جیل میں جانے اور لاٹھیاں کھانے کو تیار ہو تو ہم تمہاری ہر بات ماننے کے لیے تیار ہیں۔

اور وہ اس چیلنج کو قبول کرنے کے بجائے کنّی کاٹ جاتے ہیں۔جن کا حال یہ کہ یورپ میں سرکار برطانیہ کو جنگ کا خطرہ پیش آتا ہے یہ سب سے پہلے آگے بڑھ کر اپنی وفادارنہ خدمات پیش کرتے ہیں۔ایسے لیڈروں سے اگر مسلمان یہ توقع باندھے بیٹھے ہیں کہ وہ اُن کی کشتی بھنور سے نکال لیں گے تو میں پیشنگوئی کرتا ہوں کہ ان کی کشتی ڈوب کر رہے گی۔'' (صفحہ ۲۱۵۔۲۱۶)

جہاں تک آئندہ آئین کا تعلق تھا مولانا مودودی نے اپنا نصب العین حاصل کرنے کے لئے تین مختلف خاکے پیش کئے۔ان کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ جس مقام پر لیگ کا قائد پہنچا وہ اس سے کوسوں دور رہے۔مسلمانوں کی علیحدہ حکومت کا خیال انہیں خواب میں بھی نظر نہ آیا۔فیڈریشن کی مختلف صورتوں پا قانع رہے۔پہلے خاکے میں تہذیبی خود اختیاری (cultural Autonomy) پر زور تھا اور جن چیزوں کے تحفظ کے مولانا خواہاں تھے وہ حسب ذیل تھیں۔

''تعلیم، مذہبی معاملات (مثلاً عبادت گاہوں اور اوقاف کا نظم ونسق اور مذہبی احکام اپنے اپنے افراد پر نافذ کرنا اور ان احکام کے خلاف ان کی سرکشی کو روکنا اور مخصوص تمدنی و معاشرتی مسائل) مثلاً نکاح، طلاق، وراثت اور قومی طرزِ معاشرت (National social system) میں ہر قوم کو پوری خود اختیاری حاصل ہو اور مرکز کو اس میں دخل دینے کا حق نہ ہو''

(صفحہ ۲۱۰)

(حصہ سوم)

مولانا مودودی نے جب موجودہ سیاسی کشمکش کا پہلا اور دوسرا حصہ لکھا اس وقت ایک تو مسلم لیگ کی نئی تنظیم ابتدائی حالت میں تھی دوسرے مولانا (جن کا نقطہ نظر مسلم لیگ اور مسلمانوں کی سیاسی قیادت کی نسبت ہمیشہ خاص قسم کا رہا

ہے)اسے حقارت سے کسی چیز کا مستحق نہ سمجھتے تھے۔اسلئے ان دونوں حصوں میں لیگ کے متعلق ان کے تفصیلی اور واضح خیالات نہیں ملتے۔لیکن عین اس وقت جب مولانا یہ مضامین لکھ رہے تھے ایک مردِ مجاہد مصروفِ عمل تھا۔اس نے مسلم لیگ میں ایک نئی زندگی پیدا کی اور قوم کو اس جھنڈے تلے اس طرح جمع کیا کہ وہ کسی ٹھوس اور نتیجہ خیز مقصد کے لئے اس سے پہلے کبھی جمع نہ ہوئی تھی۔ مولانا کو یہ صورت حالات بھی ناپسند تھی۔چنانچہ انہوں نے اس کے متعلق اپنے خیالات ''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش'' حصہ سوم کے عنوان سے ترتیب دیئے۔یہ خیالات بعض امور میں پہلے دو حصوں کے اندراجات سے اس قدر مختلف تھے کہ مولانا نے مقدمہ میں ہی محسوس کیا کہ اس قلابازی کی وضاحت ضروری ہے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

''مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش'' کے عنوان سے میرے مضامین کے دو مجموعے اس سے پہلے شائع ہو چکے ہیں اب اس سلسلہ کا یہ تیسرا مجموعہ شائع کیا جا رہا ہے۔بظاہر پہلے دو مجموعوں سے اس تیسرے مجموعہ کا فاصلہ اتنا زیادہ ہے کہ ایک شخص بادی النظر میں یوں محسوس کریگا کہ میں نے حصہ دوم کے بعد سے یکا یک اپنی پوزیشن بدل دی ہے۔اور خود اپنی بہت سی کہی ہوئی باتوں کی تردید کرنے لگا ہوں لیکن دراصل ان تینوں مجموعوں میں ایک نصب العین کی طرف تدریجی ارتقاء ہے''

''پاکستانی خیال کے لوگ''

تیسرے حصے کو اسلامی جماعت کا سیاسی منشور سمجھنا چاہیے۔اس وقت اسلامی جماعت قائم ہو چکی تھی چنانچہ اس کا دستور العمل کتاب کے آخر میں بطور منزل مقصود کے شامل ہے کتاب میں مولانا نے جابجا مسلمانوں کی مختلف جماعتوں اور بالخصوص مسلم لیگ پر نکتہ چینی کی ہے۔ایک مستقل باب کا عنوان تھا ''پاکستانی خیال کے لوگ'' اس میں تحریک پاکستان اور لیگی قیادت پر طرح طرح کے اعتراضات تھے۔مثلاً جو لوگ یہ کہتے تھے کہ ''مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلمانوں کی اپنی ہی حکومت قائم ہو جائے پھر کوشش کی جائے گی کہ یہ قومی اسلامی نظام حکومت میں بتدریج تبدیل ہو جائے'' مولانا ان کے جواب میں لکھتے ہیں۔

ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں حاکمیت جمہور کے اصول پر خود مختار حکومت کا قیام آخر کار حاکمیت رب العالمین کے قیام میں مددگار ہو سکتا ہے جیسی مسلم اکثریت اس مجوزہ پاکستان میں ہے ویسی ہی بلکہ عددی حیثیت سے بہت زیادہ زبردست اکثریت افغانستان،ایران،ترکی اور مصر میں موجود ہے اور اس کو وہ پاکستان حاصل ہے جس کا یہاں مطالبہ کیا جا رہا ہے پھر کیا وہاں مسلمانوں کی خود مختار حکومت کسی درجہ میں بھی حکومت الٰہیہ کے قیام میں مددگار ہے یا ہوتی نظر آتی ہے مددگار ہونا تو درکنار میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ وہاں حکومت الٰہی کی تبلیغ کرکے پھانسی یا جلاوطنی سے کم کوئی سزا پانے کی امید کر سکتے ہیں؟

''اگر آپ وہاں کے حالات سے کچھ بھی واقف ہیں تو آپ اس سوال کا جواب اثبات میں دینے کی جرات نہ کریں گے جب صورت معاملہ یہ ہے تو کیا وہ شخص نادان نہیں ہے جو اسلامی انقلاب کا نصب العین سامنے رکھ کر ایسی جمہوری حکومت کے قیام کی کوشش کرے جو کافرانہ حکومت سے بڑھ چڑھ کر اس کے مقصد کی راہ میں حائل ہوگی''

(صفحہ ۱۳۱۔۱۳۳)

جماعت کو الیکشن ۱۹۴۵ء سے علیحدہ رہنے کی ہدایت

مسلمان اور سیاسی کشمکش میں جو سیاسی بحث مولانا نے کی وہ ایک حد تک نظری تھی۔لیکن ان مباحث نے جلد ہی شدید عملی صورت اختیار کرلی۔۱۹۴۵ء کے آخر میں وہ انتخابات ہوئے جن کے نتائج پر اس براعظم کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا اور یہ طے پانا تھا کہ برطانیہ اپنا اقتدار اکھنڈ بھارت کو سونپ جائے۔ یا یہ براعظم بھارت اور پاکستان میں منقسم ہو۔اس موقع پر مسلمان یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ جماعت اسلامی کس فریق کا ساتھ دیتی ہے۔لیگ والوں نے امیر جماعت اسلامی کی مدد حاصل کرنی چاہی لیکن انہیں قائل نہ کر سکے۔

تاہم امید تھی کہ وہ اپنے پیروؤں کو اس امر کی آزادی دے دیں گے کہ وہ جس طرف چاہیں ووٹ دیں۔اور خیال تھا کہ انکی اکثریت (کم از کم اسلامی اکثریت کے علاقوں میں) پاکستان کے حق میں ووٹ دیگی۔لیکن مولانا نے بالکل نیا راستہ اختیار کیا۔اور ایک سوال کے جواب میں (جو کوثر مورخہ

۲۸ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں شائع ہوا) انتخابات میں شرکت اور رائے وہی کو یک قلم حرام قرار دیا اور فرمایا۔

ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن صاف صاف ذہن نشین کر لیجئے۔پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ملک پر پڑتا ہو بہر حال ایک با اصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بناء پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کرلیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔''

مولانا نے اپنے اس فیصلہ کی وجہ یہ بتائی کہ چونکہ موجودہ نظام ''حاکمیت جمہور پر قائم ہوا ہے اور جمہور جس پارلیمنٹ یا اسمبلی کو منتخب کریں یہ اسکو قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے۔'' اسلئے ہم اس سے اشتراک نہیں کر سکتے۔اس فیصلہ کی بنا پر مسلم لیگ اور پاکستان کے حامیوں کو تو مسلمانوں کے ووٹوں کا ضائع جانا ناگوار تھا ہی ترجمان القرآن میں بھی کسی صاحب نے ایک تفصیلی مضمون میں اس فیصلہ میں ترمیم کی ضرورت واضح کی اور کہا کہ اگر ممبران اسمبلی کو قانون سازی کا غیر مشروط حق حاصل ہے تو اس حق کا غیر مشروط ہونا ہی اس امر کی کافی ضمانت ہے کہ یہ لوگ صحیح قانون مرتب کریں جس میں آخری سند خدا کی کتاب کو مانا جائے اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتاب الٰہی کے تحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز۔

مضمون نگار نے اس اسلامی فضا کی طرف بھی اشارہ کیا جو مسلم لیگ نے پیدا کردی تھی۔اور یہ خیال ظاہر کیا کہ اس سے ''مذہبی قیادت'' کے مدعی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔اس پر مولانا مودودی نے ''موجودہ انتخابات اور جماعت اسلامی'' کے عنوان سے ''ترجمان القرآن'' میں ایک طول طویل مضمون لکھا۔اور ظاہر کیا کہ انتخابات سے علیحدگی کے دو اسباب ہیں۔ایک وجہ تو اصولی ہے (جسکا اظہار اوپر ہو چکا ہے) دوسری عملی یعنی اس سے حصول مقصد کے لئے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہوسکتا۔

پاکستان کے خلاف مولانا کا پروپیگنڈہ

اس مضمون میں مولانا نے پاکستان اور مسلم لیگ کے متعلق بدترین بدگمانیوں کا اظہار کیا۔پاکستان کی نسبت وہ فرماتے ہیں۔

جنت الحمقا میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں خواہ کتنے ہی سبز باغ دیکھ رہے ہوں لیکن آزاد پاکستان (اگر فی الواقع بنا بھی ہو تو) جمہوری لادینی اسٹیٹ کے نظریہ پر بنے گا جس میں غیر مسلم اسی طرح برابر کے شریک ہوں گے جس طرح مسلمان۔اور پاکستان میں ان کی تعداد اتنی کم اور ان کی نمائندگی کی طاقت اتنی کمزور نہ ہوگی کہ شریعت اسلامی کو حکومت کا قانون اور قرآن کو اس جمہوری نظام کا دستور بنایا جا سکے۔''

تحریک پاکستان کو چلانے والی جماعت

مسلم لیگ کی نسبت مولانا کی رائے حسب ذیل تھی۔

''مسلم لیگ کی تحریک کے متعلق پہلی بات تو یہ سمجھ لیجئے کہ اس کے بنیادی تصورات، اسکا نظام ترکیبی، اس کا مزاج اور اس کی اسپرٹ، اس کا طریق کار اور اس کے مقاصد سب کچھ وہی ہیں جو قومی اور قوم پرستانہ تحریکوں کے ہوا کرتے ہیں۔یہ اور بات ہے کہ یہ مسلمانوں کی قومی تحریک ہے اور مسلمانوں کی ہر چیز ''اسلامی'' بن جایا کرتی ہے اسلئے خواہ مخواہ اسے بھی اسلامی تحریک سمجھ لیا گیا ہے لیکن واقعہ یہ کہ اسلامی تحریک اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل ایک دوسری چیز ہے جس کا کوئی شائبہ بھی مسلم لیگ کی قومی تحریک میں نہیں پایا جاتا اور یہ کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ اسلام اپنے مخصوص طریق کار سے جس منزل تک پہنچنا چاہتا ہے اس تک آپ ایک قوم پرستانہ تحریک کے ڈھنگ اختیار کرکے پہنچ جائیں۔ہر منزل اپنی فطرت کے لحاظ سے اپنی ہی ایک مخصوص راہ رکھتی ہے۔آپ اسلام کی منزل مقصود کو پہنچنا چاہیں تو آپ کو اسلامی تحریک ہی کی مخصوص راہ کو سمجھنا اور اسے اختیار کرنا پڑے گا۔قوم پرستی کے طریقے اختیار کرکے آپ قومیت کی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔مگر یہ توقع کرنا انتہائی پراگندہ خیالی ہے کہ ان ڈھنگوں سے آپ اسلامی منزل مقصود تک جا پہنچیں گے۔اس نکتہ کی توضیح کا یہاں موقع نہیں ہے میں ''مسلمان اور سیاسی کشمکش حصہ سوم'' میں تفصیل کے ساتھ یہ بتا چکا ہوں کہ ایک اصولی تحریک اور ایک قوم پرستانہ تحریک میں کیا فرق ہوتا ہے۔ضرورت ہو تو پھر اس کی تشریح کر

سکتا ہوں کہ ایک اصولی تحریک کے کارکنوں کو یہ خبر دینا کہ تمہارے لئے ایک قوم پرستانہ تحریک نے بڑے اچھے مواقع پیدا کر دیئے ہیں کسی بصیرت اور معاملہ فہمی کا ثبوت نہیں ہے۔اس کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کسی عازم کلکتہ کو یہ خبر دی جائے کہ کراچی میل کھڑی ہے۔

ان کی یہ خوشخبری کسی حد تک اگر صحیح ہو بھی سکتی تھی تو شاید اس صورت میں ہوتی جب کہ مسلمانوں کی اس قوم پرستانہ تحریک میں کم از کم ثانوی حیثیت ہی سے مذہب کا پورا زور اور اثر موجود ہوتا۔لیکن افسوس ہے کہ یہاں اس کا بھی فقدان ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ مسلم لیگ فی الواقع مسلمانوں کو اسلام اور اس کی تہذیب اور اس کے احکام کی اطاعت سے روز بروز دور تر لے جا رہی ہے۔''

یہ اظہار خیال فروری 1946ء میں ہوا۔اس کے کوئی سوا سال بعد ۱۷،۱۸اپریل ۱۹۴۷ءکو یعنی قیام پاکستان سے کوئی چار مہینے پہلے ٹونک میں اسلامی جماعت کا ایک اہم جلسہ ہوا۔اس میں بھی مولانا مودودی سے مسلم لیگ کے بارے میں سوال ہوئے جن کے جواب مولانا نے دیئے۔یہ سوال اور جواب ترجمان القرآن جلد 30 عدد 6 میں درج ہیں۔

سوالات۔''(1) یہ تسلیم ہے کہ مسلم لیگ کے پیش نظر جو پروگرام ہے وہ غیر اسلامی ہے لیکن اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت دین سے ناواقف ہے۔علماء نے انہیں اسلام سمجھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔وہ اپنے سیاسی لیڈروں کے بتلائے ہوئے راستہ کو ہی صراط مستقیم اور اسلام کا صحیح راستہ سمجھ رہے ہیں اور غیر مسلم قومیں ان کے وجود کو مٹانے کے لئے سفاکی و خونریزی سے کام لے رہی ہیں ان حالات میں ان کی مظلومی میں جماعت ان کا ساتھ کیوں نہ دے اور غیر مسلموں سے اس مدافعانہ جنگ میں شریک کیوں نہ ہو۔

(2)اس وقت برطانیہ ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کے سپرد کر رہا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ایک یہ کہ ہندوؤں کے حوالہ کیا جائے اور مسلمانوں کا حصہ مسلمانوں کے حوالہ کیا جائے۔اور دوسری یہ کہ پورے ملک کی باگ ڈور اکثریت یعنی ہندوؤں کے حوالہ کی جائے اور مسلمانوں کا حصہ مسلمانوں کے حوالے کیا جائے۔اور دوسری یہ کہ پورے ملک کی باگ ڈور اکثریت یعنی ہندوؤں کے حوالے کردی جائے۔ظاہر ہے کہ اگر آپ نے مسلم لیگ کا ساتھ نہ دیا تو غیر مسلم اکثریت سارے ملک پر اور مسلمانوں پر مسلط ہو جائے گی''۔امیر جماعت۔۔۔۔۔''ان سوالوں کا واضح مطلب یہ ہے کہ موجودہ حالت میں مسلمانوں کی اس قومی تحریک کا ساتھ دیا جائے۔اور جب یہ حالات ختم ہو جائیں تو پھر ان کا ساتھ چھوڑ دیا جائے کیونکہ اسے تو سائل صاحب خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ تحریک غیر اسلامی ہے۔مگر میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ جس قسم کے حالات دیکھ کر وہ ہم سے اس وقت یہ مطالبہ کر رہے ہیں۔ایسے حالات کبھی ختم نہ ہوں گے۔مسائل پر مسائل پیدا ہوتے جائیں گے اور ہر مسئلہ پہلے مسئلے سے شدید تر ہوگا اور آپ کہیں بھی لکیر نہیں کھینچ سکیں گے کہ فلاں حد تک تو ہم ان قومی تحریکوں کا ساتھ دینگے اور وہاں پہنچ کر ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔یہ تو ہے اس سوال کا ایک رخ۔دوسرا رُخ جو اس سے کہیں زیادہ قابل غور ہے وہ یہ ہے یہ جب آپ ایک تحریک کو خود غیر اسلامی مان رہے ہیں تو پھر کس منہ سے ایک مسلمان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کا ساتھ دیا جائے۔جن مسائل اور مصائب کا اس قدر رونا رویا جا رہا ہے یہ مسائل اور مصائب سرے سے پیدا نہیں ہوتے۔اگر مسلمان اسلام کے فی الواقع سچے نمائندے ہوتے اور اگر مسلمان اب بھی سچے مسلمان بن جائیں تو آج ہی یہ سارے مسائل ختم ہو جاتے ہیں۔یہ لوگ ہندوستان کے ایک ذرا سے کونے میں پاکستان بنانے کو اپنا انتہائی مقصد بنائے ہوئے ہیں۔لیکن اگر یہ فی الواقع خلوص قلب سے اسلام کی نمائندگی کے لئے کھڑے ہو جائیں تو سارا ہندوستان پاکستان بن سکتا ہے۔اور اس میں ایک لادینی جمہوریت حکومت (secular Democracy) پارلیمینٹری حکومت(popularparliamentary Govt)نہیں بلکہ خالص خدا کی حکومت کتاب وسنت کے اصول پر قائم ہوسکتی ہے۔

اسلام کی لڑائی اور قومی لڑائی ایک ساتھ نہیں لڑی جاسکتی اگر اسلام اور اسلامی

طریق کار کو اپنی خواہشات نفس کے خلاف پا کر ان کو ترک کر دینا چاہتے ہیں تو ہیر پھیر کے راستوں سے آنے کے بجائے صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ اللہ اور رسول کے کام کو چھوڑ دیئے اور ہمارے نفس کے کام میں حصہ لیجئے۔''

آخری فقروں کی بدردی سے قطع نظر کیجئے اور یہ بات بھی نظر انداز کر دیجئے کہ مسلمانوں کی ''قومی لڑائی'' کو کس حد تک نفس کے کام کہا جا سکتا ہے۔لیکن اس ایک فقرہ سے مسلم لیگ اور جماعت اسلامی کے نقطہ نظر کا فرق سمجھا جا سکتا ہے۔مولانا نے فرمایا کہ ''مسلم لیگ کا خیال ہے کہ اسلام اور اسلامی قومیت ایک دوسرے کی ضد نہیں۔دونوں کے تقاضے پورا کرنے کی کوشش ہو سکتی ہے۔بلکہ یہ دونوں ایک تصویر کے دو پہلو ہیں۔یا اگر ایک آبِ حیات ہے تو دوسری آبِ حیات سے بھری ہوئی صراحی۔

ٹونک کے جلسے کے کوئی ایک ہفتہ بعد مدراس میں جماعت اسلامی کا ایک اہم جلسہ ہوا چونکہ اب مسلم لیگ کے بعض ذمہ دار حامیوں اور عام مسلمانوں نے جلسے میں خلل انداز ہونیکی کوشش کی اس پر لیگ کے ذمہ دار لیڈروں نے اظہار معذرت بھی کیا لیکن اس موقع پر مسلم لیگ کے ایک سربر آوردہ کارکن ڈاکٹر نعمت اللہ صاحب نے ایک چٹ پر لکھ کر ایک سوال مولانا کی خدمت میں پیش کیا۔یہ آج جماعت اسلامی ہی نہیں بلکہ سارے پاکستان کے سامنے سب سے بڑا سوال ہے۔

''کیا اسلام اور مسلمانوں کی خدمت ایک وقت میں نہیں کی جا سکتی۔اگر نہیں تو کیوں؟''

پنجاب میں لیگ یونینسٹ کشمکش اور کوثر کا رویہ

اسلامی جماعت کے راہنما لیگ کو بیکار کی جماعت کہتے تھے۔''جن کی بزدلی'' پر بقول مولانا مودودی ''دشمنوں کو بھی پورا پورا اعتماد ہے''۔جو جیل میں جائے اور لاٹھیاں کھانے سے ڈرتے تھے۔لیکن حیرت اس بات پر ہے کہ جب پنجاب میں مسلم لیگ کے لیڈر ''جیل جانے اور لاٹھیاں کھانے پر'' تل گئے تو کوثر پھر بھی اس تحریک کے نکتہ چینوں میں پیش پیش تھا۔

ع میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلمان ہو گیا۔

پنجاب مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی کو پاکستان کے حصول میں جو اہمیت حاصل ہے اس سے سیاسی مورّخ ناواقف نہیں۔ہندو اور سکھ جانتے تھے کہ جب تک پنجاب کی گدی پر مسلم لیگ کے دشمن ملک خضر حیات خاں ٹوانہ قابض ہیں اس صوبہ کے پاکستان میں شامل ہونے بلکہ پاکستان بننے کا کوئی امکان نہیں۔مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی غداری اور اسلام دشمنی کے اس سنگ گراں کو پاش پاش کرنے کے لئے شروع ہوئی۔اور مسلم جمہور کے زور بازو سے جو کامیابی حاصل ہوئی وہ صوبے اس کے باشندوں اور مسلم لیگ کے لئے باعث فخر ہے۔بلکہ واقعہ یہ ہے کہ قائداعظم کے تدبر سے پاکستان کا حصول زیادہ تر تو ''کاغذی کارتوسوں'' کی مدد سے یعنی سیاسی اور تدبیری (Tactical) طریق کار سے ہو گیا۔لیکن پنجاب میں حصول مقصد کے لئے مسلم لیگ کو حکومت کے خلاف باقاعدہ صف آرا ہونا پڑا۔اور وہ بھی ایسی حکومت کے خلاف جو اپنی بے آئینی، جبر اور تشدد کے لحاظ سے غیر منقسم ہندوستان کی سب صوبجاتی حکومتوں سے بڑھ چڑھ کر تھی۔لیکن قوم نے اپنی تنظیم، ایثار اور ہمت وجرات سے سب مشکلوں پر غلبہ پایا۔سینکڑوں نہیں ہزاروں نے قید وبند کی سختیاں جھیلیں۔زعمائے قوم نے جن کے متعلق کہا جاتا کہ وہ کسی قربانی کے اہل نہیں۔قوم کی آواز پر لبیک کہا اور ہر طرح کی سختیاں اور ذلّتیں برداشت کیں۔قوم کی معزز اور پردہ دار خواتین نے اس تحریک آزادی میں پورا حصہ لیا۔اور ظلم وستم اور اسلام دشمنی کے قلعہ کو مسمار کرنے کے لئے وہی کچھ کیا جو قرونِ اولیٰ میں عرب عورتیں کفار کے ساتھ جنگ کے دوران میں کیا کرتی تھیں۔مسلمانوں میں سول نافرمانی کی یہ پہلی تحریک تھی۔غیر جانبدار مبصرین کا قول ہے کہ جس منظم اور موثر طریقے سے مسلمانوں نے یہ تحریک چلائی اس کی مثال باردولی کی سول نافرمانی میں بھی نہیں ملتی جسے ستیہ گرہ کے تجربہ کار ماہرین نے چلایا پانچ ہی ہفتوں میں ہندوستان کی سب سے مستحکم اور جابر حکومت کا نظام درہم برہم ہو گیا اور اسے مسلم لیگ کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پڑے۔

انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ جو حضرات مدینہ الجمعیۃ میں مسلم لیگ کی کم ہمتی کی نوحہ خوانی کرتے نہ تھکتے تھے۔جن کے خیال میں لیگی لیڈر قوم کے لئے اپنا

بال تک بیکا ہونا گوارا نہیں کر سکتے تھے۔

وہ اس صورتحال سے خوش ہوتے لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے۔''کوثر'' کے صفحات دیکھئے۔ملک خضر حیات خاں اور ان کی یونینسٹ کی کسی بات کے خلاف اس تحریک سے پہلے اس کے دوران، یا اس کے بعد ایک حرف نہیں۔ہاں مسلم لیگ کی تحریک کے خلاف جا بجا مخالفانہ اور معاندانہ اظہار خیال ہے بلکہ علماء کو تلقین ہے کہ وہ اس جہاد حریت کے خلاف صف آرا ہوں۔

21رفروری 1947ء کے''کوثر'' میں یونینسٹ گورنمنٹ کے منظور نظر اخبار انقلاب سے ذیل میں نقل ہوئی ہے۔

''کیا تحریک چلانے والوں سے یہ عرض کرنیکی ضرورت ہے کہ صحیح الخیال اور راسخ العقیدہ اور غیرت مند مسلمان عورتوں کے جلوسوں کو دیکھ کر شرم سے گردن جھکا لینے پر مجبور ہیں۔

ہماری برقعہ پوش بہنیں اور بعض بے پردہ عورتیں جلوسوں میں نکلتی ہیں ،سڑکوں پر پھرتی ہیں نعرے لگاتی ہیں اور بعض جوش میں آ کر برقعے بھی اٹھا دیتی ہیں اور اس طرح ان تمام ذلتّوں اور رسوائیوں کا نشانہ بنتی ہیں۔جو اس قسم کے جلوسوں سے وابستہ ہیں۔''

کوثر علمائے کرام کو طعنہ دیکر گرماتا اور اُبھارتا ہے کہ تحریک کے خلاف میدان میں آئیں۔ملاحظہ ہو۔

''ہمارے نزدیک مستورات وہ علمائے کرام ہیں جو الیکشن کے زمانے میں تو اپنے علم وتقویٰ اور درس وتعلیم کے گوشوں سے نکل کر منبر ومحراب ہیں جلوہ گر ہو گئے تھے مگر اب اسلامی اخلاق اور وقار کو سرِ بازار رسوا ہوتے ہیں اور اپنے حجروں میں اس طرح دبکے ہیں گویا مستورات ہیں جن کا گھروں سے باہر نکلنا شرعاً ممنوع ہے بڑے بڑے مدعیان توحید جو الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ پر کہنے والے کا منہ نوچ لیا کرتے تھے اب نعرہ حیدری یا علی کا غلغلہ سنتے ہیں اور ٹس سے مس نہیں ہوتے بلکہ اس سیلاب میں اپنی لیڈری کی کشتی کو بے بسی کے ساتھ بہائے لئے جارہے ہیں۔''

کوثر نے اس تحریک کے متعلق ۷ارفروری کو ایک مستقل مقالہء افتتاحیہ لکھا ۔عنوان تھا---''درسِ عبرت''---اسمیں لیگ کی تحریک کے متعلق ذیل کا فتوائے عالیہ درج ہے۔

''جلسوں میں تقریریں ۔جلوسوں کی ترتیب ۔ان کے نعرے اور انکے آوازے،ایک شے بھی ایسی نہیں جس کو اسلامی اخلاق وشرافت کے ساتھ کسی قسم کا تعلق ہو۔''

مسلم لیگ کی تحریک برسوں کے ظلم وستم کے خلاف ایک ردعمل کی حیثیت رکھتی تھی اور ایک پُر جوش عوامی تحریک تھی ۔ممکن ہے کہ بعض موقعوں پر بے اعتدالیاں ظہور پذیر ہوئی ہوں مگر لیگی لیڈروں کی مسلسل کوشش تھی کہ تحریک کو ہر طرح کی بدعنوانیوں سے محفوظ رکھا جائے اور لیگی رہنما (جیسا کہ کوثر کا اعتراف ہے)بار بار لوگوں کو متنبہ کرتے رہے لیکن حیرت اس بات کی ہے کہ پنجاب میں برسوں یونینسٹ پارٹی کی حکومت رہی ۔برائے نام چند وزیر تھے لیکن فی الحقیقت انگریز آئی ۔سی ۔ایس افسروں اور انسپکٹر جنرل پولیس کی حکومت تھی ۔جنگ کے دوران میں انہوں نے ظلم وجبر سے کام لیا اور جس طریقے سے جنگی چندے وصول کیے ہر پنجابی کو معلوم ہے ۔مسلمان صوبے میں اکثریت میں تھے لیکن لڑائی کے بعد جو وزارت قائم ہوئی اس میں اصل اقتدار لالہ بھیم سین سچر اور سردار سورن سنگھ کے ہاتھ میں تھا لیکن اس ظلم وستم اور صریح بے انصافی کے خلاف کبھی کوثر نے احتجاج نہیں کیا ۔آپ کو ڈھونڈے سے بھی کوثر کے صفحات میں یونینسٹ گورنمنٹ کے خلاف (لیگ کی تحریک کے دوران میں یا اس سے پہلے یا بعد میں)ایک حرف شکایت نہ ملے گا۔لیکن اس ظلم وستم اور ملّت کشی کو ختم کرنے کے لئے ایک تحریک شروع ہوتی ہے کوثر میں اس کی خوبیوں کے متعلق ایک لفظ نہیں فقط شکایتیں اور ملامتیں ہیں ۔

خیر مسلم لیگ نے اپنی تحریک جاری رکھی ۔پولیس کی لاٹھیاں چلتی رہیں ۔جیل خانے بھر دیئے گئے ۔صوبے میں ہر طرف گرفتاریوں ضبطیوں اور جرمانوں کا دور دورہ تھا اور اس دوران میں وہ حضرات جو لیگی قیادت کی بزدلی اور کم ہمتی کی شکایت کیا کرتے تھے اب لاٹھیاں کھانے اور جیل جانے والوں پر اپنے ''تیر ونشتر'' کے وار کرتے رہے لیکن انجام کار کیا ہوا۔لیگ نے یہ معرکہ



اقلیت ہونے کی سزا تو بنتی ہے

وسعت اللہ خان

آج اقوامِ متحدہ کے تحت (بائیس اگست) مذہب کی بنیاد پر تشدد کے شکار لوگوں سے اظہارِ یکجہتی کا چوتھا سالانہ عالمی دن منایا جا رہا ہے۔اس کا مقصد ہر ریاست،سماج اور فرد کو بتانا ہے کہ عقیدہ اور اس پر عمل کی بلا جبر و خوف آزادی بنیادی انسانی حقوق کے چارٹر کا لازمی جزو ہے اور اس چارٹر کو جن جن ریاستوں نے تسلیم کیا ہے وہ پابند ہیں کہ اس آزادی پر بلا رکاوٹ قانونی اور آئینی عمل درآمد یقینی بنائیں،عدم رواداری کو فروغ دینے والی سوچ کی ہر مرحلے پر حوصلہ شکنی کریں اور ایسی قانون سازی کریں جس سے مذہبی اقلیتیں سماجی،معاشی و سیاسی زیادتیوں سے جامع انداز میں محفوظ رہ سکیں۔اگرچہ عقیدے کی بنیاد پر کسی فرد،گروہ یا نظریے کو نشانہ بنانے کا سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔مگر اکیسویں صدی میں فروغِ شعور کے دعوؤں کے باوجود تشدد میں سال بہ سال اضافہ دیکھنے میں آ رہا ہے۔

اقوامِ متحدہ کی انسانی حقوق کونسل کے تحت ایک خصوصی ایلچی کئی برس سے عالمی پیمانے پر مذہب کے نام پر زیادتیوں کی رپورٹ مرتب کرتا ہے۔مقصد ایسے تشدد کو نظرانداز کرنے والی ریاستوں میں ان کے بنیادی فرائض یاد دلانا ہے۔امریکی محکمہ خارجہ بھی مذہبی آزادی کی عالمی صورتِ حال پر سالانہ رپورٹ جاری کرتا ہے۔اس رپورٹ میں ہر ملک کا احوال فرداً فرداً بیان کیا جاتا ہے۔اس کے علاوہ کئی بین الاقوامی تھنک ٹینک اور انسانی حقوق کی تنظیمیں بھی اپنے اپنے طور پر مذہبی جبر کے تعلق سے علاقائی و بین الاقوامی رپورٹیں جاری کرتی رہتی ہیں۔ان رپورٹوں کو کچھ ریاستیں سنجیدگی سے لیتی ہیں اور اکثر ایسی رپورٹوں کو ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت قرار دے کر مسترد کر دیتی ہیں۔مگر یکسر رد کرنے کے باوجود یہ ریاستیں بہر حال بین الاقوامی رائے عامہ کے ریڈار پر نمایاں رہتی ہیں اور انھیں دنیا کے سامنے اپنا سافٹ امیج پیش کرنے کے لیے تھوڑی بہت سنجیدگی کا بہر حال بلاواسطہ ہی سہی مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔بھلے وہ لیپا پوتی کی شکل میں ہی کیوں نہ ہو۔چنانچہ عالمی سطح پر اس مسئلے پر مسلسل توجہ کچھ نہ کچھ فائدہ مند ہی ثابت ہوتی ہے۔

مذہبی عدم رواداری الگ سے کوئی مسئلہ نہیں بلکہ کئی دیگر مسائل کو جنم دیتا ہے۔مثلاً بہت سے ممالک میں کسی ایک اقلیت کو قومی سلامتی کے لیے خطرہ قرار دے کر اسے تادیبی و انتظامی قوانین کے ذریعے دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔نسل پرستی کو بھی ہم خیال متشدد گروہوں کی مدد سے بطور ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے۔ناپسندیدہ اقلیتوں کی حب الوطنی و شہریت کو طرح طرح سے چیلنج کیا جاتا ہے۔ان کی املاک و کاروبار کو نت نئے قوانین کے پردے میں نشانہ بنایا جاتا ہے۔اس بابت ریاستی ادارے غیر ریاستی گروہوں کو بھی بلاواسطہ اپنے امتیازی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے استعمال کرتے ہیں۔مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان اقلیتوں کو اکثریتی سماج سے بالکل الگ تھلگ کر کے اجنبیت کی کھائی میں پھینک دیا جائے تاکہ وہ یا تو خود ہی درجہ دوم اور سوم کے شہری ہونے پر سمجھوتہ کر لیں یا پھر اپنی دھرتی ہی چھوڑ دیں۔اس وقت دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ہو جہاں کسی نہ کسی مذہبی یا نسلی اقلیت کو ریاست یا اکثریتی گروہوں کی جانب سے زبانی و جسمانی تشدد کا سامنا نہ ہو۔دنیا میں دو بڑے مذاہب ہیں۔اکتیس فیصد لوگ خود کو مسیحی کہتے ہیں اور چوبیس فیصد مسلمان ہیں۔ان کے بعد ہندو،بودھ اور یہودی ہیں۔

چین سمیت بہت سی ریاستیں خود کو لامذہب تسلیم کرتی ہیں۔جب کہ کئی ریاستوں میں مسیحی یا مسلم اکثریت ہونے کے باوجود ریاست کا اپنا کوئی تسلیم شدہ سرکاری مذہب نہیں۔چند ریاستوں نے کسی ایک مذہب کو سرکاری درجہ بھی دے رکھا ہے اور اسی کی روشنی میں آئین و قانون سازی بھی ہوتی ہے۔امریکی

تھنک ٹینک پیو ریسرچ سینٹر کی رپورٹ کے مطابق مسیحی آبادی کو دنیا کے ایک سو پینتالیس ممالک میں طرح طرح کے امتیازات سے سابقہ پڑتا ہے۔مسلم کمیونٹیز کو ایک سو انسٹھ ممالک میں عدم تحفظ کا سامنا ہے۔جب کہ اکیانوے ممالک میں یہودی اقلیت کو عدم تحفظ کا سامنا ہے۔اگر ہم اپنے خطے پر دھیان دیں تو مذہبی آزادی پر نگاہ رکھنے والے اقوامِ متحدہ کے خصوصی ایلچی کی رپورٹ کے مطابق بھارت میں بالخصوص مسلمانوں اور مسیحیوں کے خلاف عدم رواداری کے واقعات میں گزشتہ نو برس سے سال بہ سال اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔اب یہ معمول بن گیا ہے کہ ہندو مذہبی تہواروں کے موقع پر بہانے بہانے سے مسلمانوں اور مسیحیوں کے خلاف تشدد بھڑک جاتا ہے۔مثلاً گزشتہ مارچ میں رام نومی کے موقع پر گجرات، مدھیہ پردیش اور بہار میں مسلمانوں کو انفرادی و معاشی طور پر نشانہ بنانے کے متعدد واقعات سامنے آئے اور ان کی شدت پچھلے برس کے مقابلے میں زیادہ تھی۔

ایسے مواقع پر گرفتاریاں بھی ہوتی ہیں مگر ان کا نشانہ بھی زیادہ تر اقلیتی فرقہ بنتا ہے۔گزشتہ ایک برس سے بالخصوص یہ طریقہ شروع ہو گیا ہے کہ کسی پر بھی شرپسندی کا الزام لگا کے عدالتی احکامات کے تکلف میں پڑے بغیر سرکاری بلڈوزروں کی ذریعے املاک مسمار کر دی جاتی ہیں۔نیز ان اقلیتوں کا معاشی بائیکاٹ بھی معمول بنتا جا رہا ہے۔تازہ ترین واقعات دلی کی ہمسایہ ریاست ہریانہ کے گوڑگاؤں ضلع میں ہوئے اور ان میں یہی پیٹرن دہرایا گیا۔جہاں تک پاکستان میں مذہبی اقلیتوں کے حالات ہیں تو کوئی ایک سال بھی ایسا نہیں گزرتا جس میں بین الاقوامی اداروں اور تنظیموں کی رپورٹوں میں پاکستان کا نام چوٹی کے ان بیس ممالک میں نہ آتا ہو جہاں مذہبی رواداری سال بہ سال تیزی سے کم ہو رہی ہے۔

خود ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کی فروری میں شائع ہونے والی سالانہ رپورٹ کے مطابق مذہبی اقلیتوں کو پہلے سے زیادہ ٹارگٹ کلنگ، اغوا، جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب، ہجوم کے ہاتھوں عبادت گاہوں کے انہدام اور اپنی شناخت چھپانے پر مجبور کرنے کے لیے مسلسل معاندانہ فضا کا سامنا ہے۔بالخصوص پنجاب میں اقلیتیں نہیں جانتیں کہ کب ان کی بستیاں گوجرہ، جوزف کالونی یا جڑانوالہ کی طرح جلنے لگیں یا ان کی عبادت گاہیں مسمار ہو جائیں۔کہنے کو پاکستانی آئین میں اقلیتوں کو بنیادی حقوق کی ضمانت ہے۔توہینِ مذہب کے قوانین اسلام کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کی مقدس ہستیوں اور عبادت گاہوں پر بھی لاگو ہوتے ہیں۔مگر عملاً غیض و غضب کا نشانہ اقلیتیں ہی ہیں۔

ریاست کی جانب سے مذمت بھی بھرپور کی جاتی ہے۔متاثرین کے نقصانات کے ازالے کا دعویٰ بھی کیا جاتا ہے۔شرپسندوں کی گرفتاریاں بھی ہوتی ہیں۔پر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔اور پھر ایسے کسی بھی واقعے کے بین الاقوامی ذرائع ابلاغ میں اچھلنے کے بعد کچھ نمائشی اقدامات۔جرم کرنے والوں کو بھی یقین ہے کہ قانون ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور جرم کا نشانہ بننے والوں کو بھی یقین ہے کہ قانون ان کی جان و مال عزت و آبرو اور عقیدے کی آزادی کے تحفظ میں مکمل بے بس ہے۔

(بشکریہ روزنامہ ایکسپریس)

اور کتنا لہو؟ امۃ الباری ناصر

میری ارضِ وطن! اور کتنا لہو؟
اے دریدہ بدن! اور کتنا لہو؟
کس بلا کی ہے پیاسی یہ تیری زمیں
اور کتنے کفن؟ اور کتنا لہو؟
یہ ترا حسن کس کی نظر کھا گئی
کیا ہوا بانکپن؟ اور کتنا لہو؟
ہر طرف خوف و دہشت کا ہی راج ہے
چل بسا فکر و فن اور کتنا لہو؟
تیرے دامن میں نفرت ہی نفرت ہے اب
بڑھ گئی ہے جلن ؟ اور کتنا لہو؟
ساتھ اپنے ہے تائیدِ رب الورا
سب ہے اس کی چبھن اور کتنا لہو؟



اے مسلمانو ! کیا تم سنتے ہو ؟

مولانا سیّد اَبوالحسن علی ندوی

مولانا سیّد اَبوالحسن علی ندوی تحریر فرماتے ہیں :

''اے مسلمانو ! کیا تم سنتے ہو؟ مغرب کی درسگاہوں، تحقیقاتی اِداروں اور علمی مرکزوں سے مسلسل ایک آواز ہم سے مخاطِب ہے مگر اَفسوس کوئی اِس پر توجہ نہیں دیتا کسی کا خون جوش نہیں مارتا اور کسی کی غیرت نہیں جاگتی ! ! یہ آواز کہتی ہے :

اے مسلمانو ! اے ہمارے غلامو! سنو ! تمہارے اِقبال کے دِن گزر گئے تمہارے علم کے کنویں سوکھ گئے اور تمہارے اقتدار کا سورج ڈوب گیا، اب تمہیں حکمرانی اور سلطانی سے کیا واسطہ، تمہارے بازو اب شل ہو گئے اور تمہاری تلواروں میں زنگ لگ چکا ہے، اَب ہم تمہارے آقا ہیں اور تم سب ہمارے غلام ہو۔

دیکھو ! ہم نے سر سے پاؤں تک کیسا تمہیں اپنی غلامی کے سانچے میں ڈھالا ہے، ہمارا لباس پہن کر اور ہماری زبان بول کر اور ہمارے طور اور طریقے اِختیار کر کے تمہارے سر فخر سے بلند ہو جاتے ہیں، تمہارے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے جب ہمارا قومی نشان اور مذہبی شعار ''ٹائی'' لگا کر اسکول جاتے ہیں تو اِس لباس کو دیکھ کر کیسا تمہارا دِل خوش ہوتا ہے ! ہم بے وقوف نہیں تھے ہم تمہارے دِل و دماغ کو اپنا غلام بنا چکے تھے، اَب تم ہماری آنکھوں سے دیکھتے ہو، ہمارے کانوں سے سنتے ہو اور ہمارے دماغ سے سوچتے ہو اَب تمہارے وجود میں تمہارا اپنا کچھ نہیں ! ! !

اَب تم ہر شعبہ زندگی میں ہمارے محتاج ہو تمہارے گھروں میں ہمارے طور طریقے ہیں، تمہارے دماغوں میں ہمارے اَفکار ہیں، تمہارے اسکولوں اور کالجوں میں ہمارا مرتب کیا ہوا نصاب ہے تمہارے بازاروں میں ہمارا سامان ہے اور تمہاری جیبوں میں ہمارا سکہ ہے ! تمہارے سکے کو ہم پہلے مٹی کر چکے ہیں تم ہمارے حکم سے کیسے سرتابی کر سکتے ہو؟ تم اَربوں اور کھربوں روپے کے ہمارے قرض دار ہو، تمہاری معیشت ہمارے قبضے میں ہے، تمہاری منڈیاں ہمارے رحم و کرم پر ہیں اور تمہارے سارے تجارتی اِدارے صبح اُٹھتے ہی ہمارے سکے کو سلام کرتے ہیں، تمہیں اپنے جوانوں پر بڑا ناز تھا، تم کہتے تھے

''ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی ''

تو سنو ! اِس زرخیز زمین کو ہم نے ہیروئین بھرے سگریٹ، شہوت اَنگیز تصویروں ہیجان خیز زنا کے مناظر سے لبریز فلمیں اور ہوسِ زر کا آبِ شور شامل کر کے بنجر کر دیا ہے تمہیں اپنی اَفواج پر بھی بڑا گھمنڈ تھا، اَب جاؤ ! اپنی فوج کے اسلحہ خانوں کو دیکھو اگر ہم ہاتھ روک لیں تو تمہارا سارا نظام درہم برہم ہو جائے، اَب تم بغیر ہم سے اِجازت لیے کسی پر فوج کشی نہیں کر سکتے، بوسنیا اور عراق کے حشر کو ہمیشہ یاد رکھنا۔ جاؤ ! اَب عافیت اِسی میں ہے کہ جو طرزِ حیات اور طرزِ حکومت ہم نے تمہیں سکھایا ہے اُس سے سرِ مو اِنحراف نہ کرنا۔

خبردار ! ہماری غلامی سے نکلنے کی کوشش نہ کرنا اور ہمیں اُمید بھی یہی ہے کہ تم برسوں تک ایسا نہیں کر سکو گے کیونکہ جتنے اِس کوشش کے محرکات ہو سکتے تھے یعنی اِیمان کی پختگی، جوشِ جہاد، بالغ نظری، غیرتِ دین وہ سب ہم نے تمہارے دانشوروں مفکروں اور عالموں

سے دُنیا کی چند آسائشی چیزیں دے کر خرید لیے ہیں۔

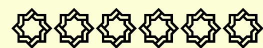
ہم نے تمہاری عورتوں کو ٹی وی کے ذریعے بے حیائی کی ترغیب دے کر سنگھار و آرائشِ حسن کا بہترین سامان دے کر اُن کی چادر اُتروادی ہے اور تمہارے مردوں کو عریاں اور فحش فلمیں دِکھا کر اُن کی مردانگی کی جڑ کاٹ دی ہے، اَب تمہارے یہاں کوئی ''خالد''، کوئی ''طارق''، کوئی ''صلاح الدین'' اور ''ٹیپو'' پیدا نہیں ہوسکتا۔

اور سنو ! ہم اِحسان فراموش نہیں ہیں تمہاری قوم کے کچھ اِحسان بھی ہم پر ہیں خاص طور پر تمہارے علماء کے، اُنہوں نے اپنی مسجدوں اور مدرسوں میں بیٹھ کر ایک دُوسرے کی تکفیر کر کے آپس میں لڑ لڑ کر ہماری تہذیب واَفکار کے لیے راستہ صاف کیا، تمہارے دانشوروں اور مفکروں نے ترقی یافتہ اور ماڈرن کہلانے کے شوق میں ملحد اور زندیق بن کر ہمارے فلسفے کی اِشاعت کی۔

تمہاری تعلیم گاہوں نے ہمارا نصاب تمہارے نوجوانوں کے دِل و دماغ میں ہم سے بہتر طریقے سے اُتار کر اپنے مذہب سے بغاوت پر اُکسایا۔

تمہارے صاحبانِ اِقتدار اپنے سارے وسائل تمہیں بے حیاء، بے غیرت اور بے دین، بنیاد پرست اور دہشت گرد بنانے کے لیے ہمارے ہی اِشاروں پر اِستعمال کرتے آئے ہیں، ہم اُن سب کے شکر گزار ہیں، تمہارے مذہب نے کیسی کیسی پابندیاں تم پر لگا رکھی تھیں یہ حرام وہ حرام، یہ جائز وہ ناجائز، زندگی کی راہیں تم پر تنگ کر دی تھیں، ہم نے تمہیں زندگی کا ایک نیا راستہ دِکھایا اور تمہیں حرام حلال کی قید سے آزاد کر دیا، کیا تم اِس پر ہمارا شکر اَدا نہ کرو گے ؟

اے مسلمانو ! اے غلامو ! کیا تم سنتے ہو ؟؟ ؟



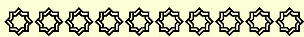


خلافت

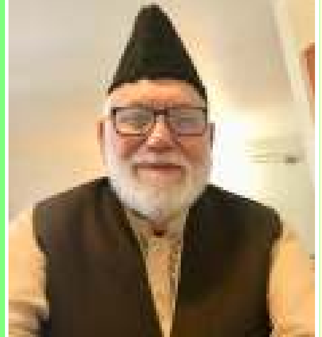
عاصی صحرائی

بخشی ہے خلافت نے۔ اک جرائتِ رندانہ
ایسی ہے محبت یہ ۔ جیسی کہ ہو پدرانہ
ہیں قافلے رندوں کے۔ بھرنے کو ہے میخانہ
الفت میں خلافت کی۔ ہر شخص ہے دیوانہ
سیدھی ہے رہِ الفت ۔ منزل ہے قریب آئی
شمع یہ صداقت کی ۔ ہر احمدی پروانہ
اللہ نے دی برکت ۔ کاسہ ہے بھرا اتنا
مفلس بھی یہی سمجھے ۔ بندہ ہے وہ شاہانہ
قربت ہے خلافت سے ۔ ہجرت نہ لگے ہجرت
خوش بخت ہیں ہم۔ دیکھا ۔ پھر جلسہء سالانہ
اسلام کے شیدا ہم ۔ احمدؑ کے ہیں دیوانے
مہدی ؑ کی محبت سے لبریز ہے پیمانہ
مانا ہے مسیحؑا کو ۔ رحمت کی ہی بارش ہے
ہر دل کو ملی تسکین ۔ اور لطف کریمانہ
کامل ہے خلافت ہی، شفقت میں، محبت میں
یہ نعمتِ ربی ہے ۔ ہر حرف محبانہ
عاصیؔ یہ خلافت کا ۔ ہے حُسن بھی یوسف سا
دنیا کے سروں پر یہ ۔ ہے دستِ حبیبانہ









"یادوں کی خوشبو"

محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب

از خواجہ محمد افضل بٹ روچسٹر (U.S.A)



محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب آرتھو پیڈک سرجن فضل عمر ہسپتال ربوہ نصف صدی سے زائد عرصہ تک لاکھوں لوگوں کی مسیحائی کرنے والے اور آپ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے انتہائی مخلص، فدائی، کامل اطاعت کرنے والے دیرینہ خادم اور آپ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک خدمت دین میں مصروف کار رہے اور اپنی تمام تر صلاحیتوں سے خدمت کا حق ادا کرتے ہوئے مورخہ 29 مئی 2023ء کی شب اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی اور آپ اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملے۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون**

بلانے والا ہے سب سے پیارا، اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

محترم صاحبزادہ صاحب موصوف 28 دسمبر 1943ء کو بمقام قادیان (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پڑپوتے اور حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب رحمہ اللہ (آپ فضل عمر ہسپتال کے چیف میڈیکل آفیسر اور ہسپتال کی ترقی میں آغاز سے ہی مدد و معاون رہے) اور حضرت محمودہ بیگم صاحبہ کے بیٹے اور حضرت خلیفۃ المسیح الموعود الثانی رضی اللہ عنہ کے پوتے اور حضرت نواب محمد علی خان صاحب و حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا کے نواسے تھے۔

محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب نے تعلیم الاسلام ہائی سکول و کالج ربوہ سے اپنے تعلیمی سفر کا آغاز کیا۔ بعد ازاں کنگ ایڈورڈ (King Edward) کالج لاہور سے ایم بی بی ایس (MBBS) کرنے اور ہاؤس جاب کرنے کے فوراً بعد 1969ء میں آپ نے اپنی خدمات سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لئے پیش کر دیں اور فضل عمر ہسپتال ربوہ میں بطور ڈپٹی چیف میڈیکل آفیسر تقرری ہوئی۔ اس طرح آپ نے بطور واقف زندگی اپنی خدمات کا آغاز کیا۔

کچھ عرصہ فضل عمر ہسپتال ربوہ کام کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے یو کے (U.K) تشریف لے گئے۔ یو۔کے روانگی سے قبل حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکرم مرزا مبشر احمد صاحب کو اپنے پاس بلا کر نصائح کیں اور دردبھری دعائیں دیں اور فرمایا:۔

"آپ واقف زندگی ہیں اور سرجری میں سپیشلسٹ کی ڈگری لے کر واپس آنا ہے اور حضور نے اپنی دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔"

آپ نے U.K پہنچنے کے بعد رائل کالج آف سرجنز ایڈنبرا میں U.K EDINBURG سے GENERAL ORTHOPEDIC میں تخصص (SPECIALIZATION) مکمل کیا اور جنرل سرجری میں FRCS کی ڈگری مکمل کرنے کے بعد U.K میں ہی عملی تجربہ حاصل کرنے کی غرض سے ایک سال تک رُک کے رہنے کے بعد واپس ربوہ تشریف لائے۔

جب آپ نے فضل عمر ہسپتال ربوہ میں سرجری کے شعبہ میں طبی خدمات کا چارج سنبھالا تو آپ کو کامیاب واپسی پر ہسپتال کے سٹاف کی طرف سے استقبالیہ اور ڈنر (Dinner) دیا گیا۔

اِس وقت جہاں طاہر ہارٹ کی عمارت ہے۔ اس جگہ سرجیکل وارڈ، ICU اور ایمرجنسی رومز تھے۔ اس سارے ونگز کے انچارج محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب تھے۔ آپ کے آنے سے قبل اس ونگ کو ہر طرح صاف ستھرا، رنگ و روغن اور رنگ برنگی روشنیوں سے سجایا گیا تھا۔ اسی طرح اس میں ہر قسم کی طبی سہولیات موجود تھیں۔ محترم صاحبزادہ صاحب موصوف کا اس وارڈ میں استقبالیہ اور ڈنر (Dinner) کا انتظام کیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی وارڈ کا

بھی افتتاح کر دیا گیا تھا۔

اُس وقت فضل عمر ہسپتال ربوہ کے چیف میڈیکل آفیسر حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تھے اور آپ کے زیر صدارت استقبالیہ کی کارروائی تلاوت قرآن مجید سے شروع ہوئی۔ خاکسار خواجہ محمد افضل بٹ اکاؤنٹنٹ فضل عمر ہسپتال کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اس بابرکت تقریب میں خاکسار نے تلاوت قرآن مجید اور محترم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب کی خدمت میں "سپاسنامہ" پیش کیا اور آپ کی اعلیٰ





کامیابی آرتھو پیڈک سرجن کی ڈگری حاصل کرنے پر فضل عمر ہسپتال کے سٹاف کی طرف سے مبارک باد پیش کی۔ اس کے بعد بزرگوارم حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے لمبی دعا



کروائی اور اس کے بعد کھانا تناول فرمایا۔ اور آپ کو حضرت میاں منور احمد صاحب رحمہ اللہ نے اپنے لخت جگر کو ہار پہنائے اور باقی سٹاف نے بھی ہار پہنائے۔ اس موقع پر فوٹوز بھی لئے گئے تھے۔ چند ایک ملے ہیں جو اس مضمون کی زینت ہیں۔

مکرم صاحبزادہ صاحب ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب کی شادی محترمہ صاحبزادی امۃ الرقیب صاحبہ سے 1968ء میں ہوئی۔ آپ محترم صاحبزادہ مرزا حمید احمد صاحب کی بیٹی اور حضرت مصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی نواسی اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ "قمر الانبیاء" کی پوتی ہیں۔ آپ کا نکاح حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے پڑھایا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا۔ جن کے نام یہ ہیں۔

1۔ محترم صاحبزادہ مرزا فخر احمد صاحب (ہالینڈ) آپ کئی سال تک صدر مجلس خدام الاحمدیہ برطانیہ رہ چکے ہیں۔

2۔ محترم صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب U.K

3۔ محترمہ صاحبزادی امۃ العلی ذنیوبیہ احمد صاحبہ اہلیہ محترم مرزا محمود احمد صاحب ہیڈ آف سینٹرل آڈٹ ڈیپارٹمنٹ یو۔کے (واقف زندگی) ہیں۔

واقف زندگی

آپ واقف زندگی تھے۔ آپ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے انتہائی مخلص، فدائی اور خلافت کے ساتھ اعلیٰ قسم کی وابستگی کا نمونہ تھے۔ آپ سلسلہ کے قیمتی وجود ملنسار، ہمدرد اور جاذب نظر شخصیت کے مالک تھے۔ آپ ہسپتال کے شعبہ سرجری کے مایہ ناز سربراہ تھے۔ اور لوگوں میں ماہر سرجن کے طور پر پہچانے جاتے تھے۔ آپ بہت غریب پرور اور محبت و شفقت کرنے والے انسان تھے۔ غریب، مستحق اور بیوگان کا مفت علاج کرتے اور مالی امداد بھی کرتے تھے۔ گویا آپ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک خدمت میں پیش پیش رہے۔ اور خدمت سلسلہ کا حق ادا کر دیا۔ اور آپ کو لمبا عرصہ ہسپتال میں خدمات سرانجام دینے کی توفیق ملی۔ آپ کی خدمات ہمیشہ تاریخ کا حصہ رہیں گی۔

خاکسار یہاں پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک اقتباس پیش کر رہا ہے اور میرا ایمان ہے کہ میرے پیارے میاں مبشر احمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمان پر پورا اترتے تھے اور یقیناً آپ اس کے مصداق ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام "سراج منیر" روحانی خزائن جلد 12 صفحہ 344 پر فرماتے ہیں کہ:۔

بَلٰی ۚ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡہَہٗ لِلّٰہِ وَ ہُوَ مُحۡسِنٌ فَلَہٗۤ اَجۡرُہٗ عِنۡدَ رَبِّہٖ ۪ وَ لَا

خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾

ترجمہ: نہیں نہیں، سچ یہ ہے کہ جو بھی اپنا آپ خدا کے سپرد کر دے اور وہ احسان کرنے والا ہو تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔ اور ان (لوگوں) پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

"یعنی جو شخص اپنے وجود کو خدا کے آگے رکھ دے اور اپنی زندگی اس کی راہوں میں وقف کرے اور نیکی کرنے میں سرگرم ہو۔ سو وہ سرچشمہ قرب الٰہی سے اپنا اجر پائے گا اور ان لوگوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔ یعنی جو شخص اپنے تمام قویٰ کو خدا کی راہ میں لگا دے اور خالص خدا کے لئے اس کا قول اور فعل اور حرکت اور سکون اور تمام زندگی ہو جائے۔ اور حقیقی نیکی کے بجا لانے میں سرگرم رہے سو اس کو خدا اپنے پاس سے اجر دے گا اور خوف اور حُزن سے نجات بخشے گا۔"

اعلیٰ اخلاق ہسپتال کی ترقی کا پیمانہ

خاکسار اپنے مضمون میں خدمات، اخلاق اور مریضوں کے ساتھ محبت و شفقت کا اظہار خیال کافی حد تک کر چکا ہے۔ اب کچھ اور ذکر کروں گا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی کوشش اور کامیاب آپریشنز اور علاج میں شفا کی بناء پر لوگ خصوصاً غیر احمدی باوجود مخالفت کے پاکستان سے دور دراز علاقوں سے علاج کے لئے آتے تھے۔ اس کا جائزہ ابتدائی دور سے آپ کی وفات تک کچھ یوں ہے۔

خاکسار اپنے مفوضہ فرائض کی بناء پر ہسپتال کے مختلف شعبہ جات کا جائزہ لیتا رہتا تھا۔ اس لئے مجھے علم ہے اب جو جائزہ محترم صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب رحمہ اللہ کے شعبہ سرجری کا پیش کروں گا اس بارے محترم صاحبزادہ موصوف نے جلسہ سالانہ U.K کے موقع پر ایک انٹرویو میں بھی کیا تھا۔

محترم میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فضل عمر ہسپتال میں 1969ء میں خدمات سرانجام دینے کی ابتداء کی۔ اس وقت آپ کے شعبہ سرجری میں چند لوگ ہی علاج کے لئے آیا کرتے تھے۔ اور ان مریضوں پر کسی قسم کا اثر نہیں تھا۔ البتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب مریضوں کو بہترین علاج، بہترین سہولیات اور کامیاب آپریشنز اور علاج میں شفاء اور قابل قدر خدمات کو دیکھتے ہوئے احساس ہونا شروع ہوا تو مریضوں کی فضل عمر ہسپتال میں آنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہونا شروع ہوا۔ اس کے بعد جماعت احمدیہ پر 1974ء کا واقعہ ہوا۔ ان نامساعد حالات میں بھی مریضوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ پھر 1984ء کا واقعہ ہوا تو بھی پہلے سے کہیں زیادہ مریض آنے شروع ہوئے اور اب اس تعداد کو سنبھالنا مشکل ہو گیا ہے۔ یہ اس لئے ہوا کہ غیر احمدی جانتے تھے کہ جماعت احمدیہ کے امام کی ہدایت ہے کہ فضل عمر ہسپتال میں ہر ایک کا علاج "بلا مذہب عقیدہ و نسل" خدمت کرتے ہیں اور یہی ہمارا مقصد اور مدعا ہے۔ اس وجہ سے ہر شعبہ خصوصاً شعبہ سرجری جس کے سربراہ محترم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب رحمہ اللہ تھے شعبہ کا معیار بلند تر ہو گیا۔ اور آنے والے مریضوں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ خاکسار سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ مریضوں میں اضافہ کی وجہ محترم میاں صاحب رحمہ اللہ کی ذاتی شخصیت اور اعلیٰ اخلاق کا نتیجہ ہے۔

اس موقع پر یہ بھی ذکر کروں گا۔ کہ علاج کے لئے فضل عمر ہسپتال میں آنے والے غیر از جماعت مریض یہ بھی اظہار کرتے تھے کہ "ہم لوگ (غیر احمدی مریض) آپ سے کیا کر رہے ہیں۔ اور کس قسم کا سلوک کرتے ہیں اور آپ ہمارے ساتھ کیسا سلوک؟ یعنی کتنا اچھا سلوک کرتے ہیں۔"

گویا وہ خاموش لفظوں میں اپنے طرزِ سلوک کو ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔ جو مریض علاج کی غرض سے محترم میاں صاحب رحمہ اللہ کے شعبہ میں آپ کے پاس غیر از جماعت آتے تھے اس کی تعداد 90 فیصد سے زیادہ تھی۔ گویا آپ کی بے لوث خدمت کرنے اور حکمت عملی کا نتیجہ تھا اور سب سے زیادہ امام وقت حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ کی گائیڈ لائن اور دعاؤں اور رہنمائی کا نتیجہ تھا۔

"صوم وصلوٰۃ کے پابند"

مرحوم صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ آپ دھیمے مزاج کے مالک، کم گو، خوش گفتار، پیار و محبت سے ملنے والے ایک نیک ہمدرد، غریب پرور اور مخلص انسان تھے۔ خلافت کے ساتھ عقیدت کا سچا اور سُچا والہانہ تعلق تھا۔ آپ سے خاکسار کی ملاقات اکثر و پیشتر بیت المبارک میں بعد از نماز مغرب، عشاء ہوتی تھی۔

اور آپ کا حسین و مبارک وجود مجھ سے بعض اہم امور Share فرماتے۔ ان میں بے شمار خوبیاں تھیں۔ ہر ایک چھوٹے بڑے سے محبت و پیار اور بزرگانہ مروّت سے پیش آتے تھے۔ اسی طرح پر جو لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ سچا تعلق اور محبت پیدا کرتے ہیں۔ وہ کسی حال میں بھی خدا تعالیٰ کو فراموش نہیں کرتے۔ یہی مفہوم اور غرض اسلام کی ہے۔

آسماں پر سے فرشتے بھی مدد کرتے ہیں
کوئی ہو جائے اگر بندہ فرماں تیرا
جس نے دل تجھ کو دیا، ہو گیا سب کچھ اس کا
سب ثنا کرتے ہیں جب ہووے ثناخواں تیرا

(درثمین صفحہ 49)

بچوں سے شفقت

محترم میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے اور دوسروں کے بچوں سے بہت شفقت فرماتے تھے۔ اپنے بچوں کے بارے بہت محبت کا اظہار فرماتے تھے۔ ایک دفعہ بہت پہلے کی بات ہے کہ خاکسار امریکہ سے ربوہ آیا تو محترم میاں صاحب سے ملاقات ہوئی تو بچوں کے طرز سلوک بارے میں ذکر ہوا۔ عزیزم محمود احمد صاحب کے بارے ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ محمود ابھی اولاد کی نعمت سے محروم ہے اور اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی سے دعائیہ کلمات کا اظہار فرماتے رہے۔ شائد وہ لمحات ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ ادا پسند آئی۔ اس کے بعد خاکسار کو دوبارہ فروری 2019ء کو پاکستان آنے کا موقع ملا اور محترم میاں صاحب سے ملاقات ہوئی۔ اور میں نے عزیزم محمود احمد صاحب بارے پوچھا تو آپ کے چہرہ پر خوشی اور مسرت کی جھلک نمایاں تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ چند دن پہلے دوسری اولاد سے نوازا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے شکرانہ کا اظہار فرمار ہے تھے۔ آپ کو عزیزم محمود سے بہت پیار تھا۔ ماں باپ کو سب بچے یکساں پیارے ہوتے ہیں۔ مگر قدرتی امر ہے کہ سب سے چھوٹے بچے سے بعض وجوہ کچھ زیادہ پیار ہو جاتا ہے۔ اور مَیں نے یہ اظہار اپنی سوچ کے مطابق کیا ہے۔

"اولاد کا فریضہ"

والدین کی اطاعت اور خدمت کا فریضہ حقوق العباد میں غالباً دنیا کا سب سے مقدس حق قرار دیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:۔

"باپ کی خوشی میں خدا کی خوشی اور باپ کی ناراضگی میں خدا کی ناراضگی ہے۔ اولاد ہر ماں باپ کے احسانوں کے بدلہ میں قرآن مجید نے یہ دعا سکھلائی ہے۔ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۔(بنی اسرائیل:25)

ترجمہ: اور تو کہہ کہ اے میرے رب! تو میرے ماں باپ سے اسی طرح رحم کا سلوک کرنا جیسا کہ انہوں نے میری پرورش میں محبت اور رحم کا سلوک کیا۔

حد نظر سے دُور اک تارا چلا گیا
لو آج ایک اور سہارا چلا گیا
یاد آ رہی ہے وہ غریبانہ زندگی
اس دل کے بادشاہ کی فقیرانہ زندگی

محبت و پیار کے تعلقات کی کچھ یادیں

محترم میاں صاحب رحمہ اللہ میرے بہت ہی پیارے اور محسن تھے اور آپ کا میرے ساتھ بہت ہی پیار اور اعتماد کا تعلق تھا۔ اور آپ میرے اور میرے خاندان کے معالج بھی تھے خاکسار آپ کے مشورہ اور رہنمائی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ سب سے پہلے خاکسار اپنی اہلیہ صاحبہ بارے ذکر کرے گا۔ خاکسار کی اہلیہ صاحبہ شدید بیمار تھیں۔ ہمیشہ آپ نے بہت ہی توجہ سے علاج کیا۔ آخر کار بیماری کی شدت اور تکلیف کے باعث حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی درخواست کی تو حضور کی شفقت اور رہنمائی میں مجھے اپنی اہلیہ صاحبہ کے علاج کے سلسلہ میں باہر آنا ہوا۔ اور خاکسار کا محترم میاں مبشر احمد صاحب رحمہ اللہ سے مسلسل فونز اور میسیجز کے ذریعہ رابطہ رہا اور صورتِ حال سے آگاہ کرتا رہتا۔ خاکسار کی اہلیہ صاحبہ کی وفات 24۔اگست 2022ء کو امریکہ میں ہوئی۔ مصروفیات اور پریشانی میں آپ کو اطلاع نہ کر سکا۔ چنانچہ وفات سے دو یا تین دن بعد آپ کا میسیج آیا کہ:۔

"بٹ صاحب السلام علیکم میں ہالینڈ آیا ہوں۔ میں نے آپ کی اہلیہ کے

بارے خبر سنی ہے کیا خبر ہے؟"

میں نے آپ کو واپسی میسیج کیا کہ "انا للہ انا الیہ راجعون"

اس کے بعد پیارے میاں صاحب رحمہ اللہ نے ہمارے ساتھ اظہار ہمدردی فرمایا اور پوچھا کہ تدفین کب اور کہاں کرنی ہے؟ خاکسار نے عرض کیا کہ پاکستان ربوہ لے جانے کا ارادہ ہے۔ اور امید ہے کہ 2 یا 3 ستمبر 2022ء تک پاکستان پہنچ جائیں گے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ" آپ بھی ستمبر کے پہلے ہفتہ تک پاکستان پہنچنے کی کوشش کریں گے اور وہاں ملاقات ہوگی۔" مگر کسی وجہ سے آپ ستمبر کے پہلے ہفتہ تو نہ پہنچ سکے۔ البتہ ستمبر 2022ء کے وسط میں خاکسار کی رہائش گاہ تشریف لا کر ہمارے ساتھ تعزیت کی اور محبت و پیار کا اظہار فرمایا۔ کافی دیر تک ہمارے ساتھ رہے۔ کافی باتیں ہوئیں۔ پیارے میاں صاحب کی بظاہر اچھی صحت لگ رہی تھی اور کوئی کمزوری کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ البتہ خاکسار کی طرف سے پوچھنے پر کہ طبیعت کیسی رہتی ہے؟ تو آپ نے ٹانگوں میں درد اور کمزوری کا اظہار فرمایا تھا۔ اور میں نے بھی عرض کیا کہ میری ٹانگ میں بھی اور کمر میں درد رہتی ہے اور Gabapentine کیپسول تین ٹائم روزانہ لے رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں! یہ درد کے لئے ہیں۔ بہت خوشگوار موڈ میں باتیں ہوتی رہیں۔ خاکسار کی یہ طویل ملاقات بنفس نفیس ملاقات تھی۔

اس ملاقات کے دو روز بعد واپس امریکہ آ گئے۔ البتہ میسیج کے ذریعہ آپ سے ملاقات زندگی کے آخری سانس تک ہوتی رہی۔

اسی طرح خاکسار کی بڑی ہمشیرہ بوجہ Breast Cancer (بریسٹ کینسر) بیمار رہتی تھیں۔ آپ کے زیر علاج تھیں۔ آپ نے بہت ٹیسٹ کروائے اور علاج تجویز کیا۔ یہاں تک کہ آپ کی ہدایت پر میو ہسپتال لاہور سے ریڈی ایشن (Ra_diation) بھی کروائی گئی اور باقاعدگی سے میڈیسنز بھی دی جاتی رہیں۔ اور کچھ آفاقہ بھی ہوا مگر چند ماہ بعد ہی پھر زیادہ تکلیف شروع ہوگئی اور دن بدن حالت بگڑتی چلی گئی۔ محترم میاں صاحب رحمہ اللہ کی شفقت اور انسانی کوشش جس کی انتہا کر دی۔ آپ اکثر جب صبح ہسپتال ڈیوٹی پر تشریف لاتے اور جب ہسپتال کی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر گھر واپس لوٹتے تو ہمشیرہ صاحبہ کو چیک کرتے۔ اور محترم میاں صاحب کی ہدایت تھی کہ آپ کو جس وقت ضرورت ہو تو فوری کال کریں۔ بعض دفعہ آدھی رات کو ضرورت پڑی تو بلایا گیا اور آپ فوری تشریف لے آتے تھے۔ محترم میاں صاحب رحمہ اللہ ہر ایک کے ساتھ اسی طرح کی شفقت اور سلوک فرماتے تھے۔ آپ بہت ہمدرد اور انسان دوست تھے۔ اسی وجہ سے آپ کی یاد تازہ ہو رہی ہے۔

سن 2001ء غالباً ماہ اپریل بعد دوپہر خاکسار کو سیریس ہارٹ اٹیک (Heart Attack) ہوا۔ اپنے بیٹے کے ساتھ نیم بے ہوشی کی حالت میں فضل عمر ہسپتال پہنچا تو آن ڈیوٹی ڈاکٹر صاحب نے فوری ICU میں داخل کر کے علاج شروع کر دیا گیا۔ اس وقت فضل عمر ہسپتال میں چھٹی ہو چکی تھی۔ محترم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب کو علم ہوا تو بعد نماز عصر ICU میں تشریف لائے اور مجھے ملے۔ آپ نے مجھے چیک کیا اور وہاں نرسنگ عملہ سے میرے علاج کی فائل منگوائی اور چیک کرنے کے بعد آپ نے آن ڈیوٹی نرسنگ عملہ سے پوچھا کہ Streptokinase Injection لگا دیا ہے۔؟ نرسنگ عملہ نے کہا کہ آن ڈیوٹی ڈاکٹر نے یہ ٹیکہ تجویز ہی نہیں کیا تو ہم از خود کیسے لگا سکتے ہیں۔ Streptokinase Injection ہارٹ اٹیک کے مریض کو چند منٹ کے اندر لگ جانا چاہئے۔ محترم میاں صاحب نے ناراضگی کا اظہار فرماتے ہوئے فوری ٹیکہ لگانے کا آرڈر کیا۔ تو نرسنگ سٹاف نے کہا کہ یہ ٹیکہ ICU اور ہسپتال کے سٹور میں دستیاب نہیں۔ تو محترم میاں صاحب نے فرمایا کہ میری گاڑی باہر کھڑی ہے فوری ڈرائیور کو بلائیں اور پہلے چنیوٹ سے پتہ کریں اگر وہاں سے نہ ملے تو فیصل آباد چلے جائیں۔ غرضیکہ یہ ٹیکہ جہاں سے ملے لے کر آئیں اور میں اس وقت تک یہاں پر موجود ہوں گا۔ چنانچہ محترم میاں صاحب رحمہ اللہ کی گاڑی پر تیز رفتاری سے چنیوٹ گئے اور تقریباً پون گھنٹہ سے پہلے پہلے ٹیکہ لے کر آ گئے۔ اور محترم میاں صاحب رحمہ اللہ ICU میں ہی موجود تھے اور اپنی موجودگی میں ٹیکہ لگایا گیا اور بعد میں بھی کافی دیر تک ICU میں رہے اور جب دیکھا کہ خاکسار کی طبیعت کافی بہتر ہوگئی ہے اور مجھے بھی تسلی

دی کہ اب میں کافی بہتر ہوں اور نرسنگ سٹاف کو ہدایات دے کر کافی رات کو فضل عمر ہسپتال سے واپس گھر تشریف لے گئے۔

خاکسار سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل اور رحم سے اور محترم میاں صاحب رحمہ اللہ کی شفقت اور خاص توجہ کے نتیجہ میں میری جان بچ گئی۔ اگر محترم میاں صاحب رحمہ اللہ ایمرجنسی ٹیکہ Streptokinase نہ لگواتے تو میں شائد زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ ٹیکہ لگانے کے اثرات سے باہر نکل آیا تو محترم میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے مکرم بریگیڈیئر ڈاکٹر مسعود الحسن نوری صاحب ہارٹ سپیشلسٹ راولپنڈی سے رابطہ کر کے Appointment بنوائی اور مجھے آپ کے پاس چیک اَپ (Check Up) کے لئے جانے کی ہدایت فرمائی۔ نیز ہماری رہائش کے لئے گیسٹ ہاؤس راولپنڈی میں انتظام کیا گیا۔ چنانچہ خاکسار معہ بیٹی اور بیٹا محترم بریگیڈیئر ڈاکٹر نوری صاحب کو راولپنڈی کلینک جا کر ملے۔ آپ کی شفقت قابل دید تھی۔ آپ نے میری ECG اور بعض دوسرے ٹیسٹ کروائے اور محترم ڈاکٹر نوری صاحب نے فرمایا :۔"میری ایک آرٹری سو فیصد بند ہے۔ انجیو پلاسٹی ہوگی اور سٹنٹ ڈالنا پڑے گا۔ لہٰذا خاکسار کو 15 مئی 2001ء کی شام کو M.H. Rawalpindi داخل کر لیا گیا۔ مورخہ 16 مئی 2001ء صبح نرسنگ عملہ نے آپریشن کے لئے تیار کر لیا اور محترم بریگیڈیئر ڈاکٹر نوری صاحب اور دیگر سٹاف نے انجیو پلاسٹی کر دی۔ تقریباً اڑتالیس گھنٹے M.H (ملٹری ہسپتال) داخل رہا اور اس کے بعد نئی پٹی کر کے ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا اور ہم گیسٹ ہاؤس منتقل ہو گئے۔

ہسپتال میں محترم بریگیڈیئر ڈاکٹر نوری صاحب اور محترم بزرگوارم فضل الرحمٰن خان صاحب امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی خاکسار کی خیریت پوچھنے آتے رہے اور دیگر احباب، رشتہ دار بھی آتے تھے۔ ہسپتال کا سارا اسٹاف ہی بہت اچھا تھا اور میرا بہت ہی خیال رکھا۔ جب ہم گیسٹ ہاؤس شفٹ ہو گئے تو بھی محترم امیر صاحب جماعت احمدیہ راولپنڈی اور محترم بریگیڈیئر ڈاکٹر نوری صاحب میری طبیعت اور خبر گیری کے لئے تشریف لاتے رہے۔ ہمیں دو ہفتہ سے زائد گیسٹ ہاؤس میں قیام کئے ہو گئے تھے۔

"بائی پاس آپریشن"

ہمیں M.H Rawalpindi (ملٹری ہسپتال) سے ڈسچارج ہو کر گیسٹ ہاؤس آئے تین چار روز گزرے ہوں گئے کہ محترم میاں صاحب مرحوم اور محترمہ بیگم صاحبہ کو گیسٹ ہاؤس راولپنڈی کی اُوپر کی منزل سے نیچے اُترتے دیکھا۔ جب آپ نیچے تشریف لائے تو محترم میاں صاحب سے معانقہ ہوا اور پوچھنے پر معلوم ہوا کہ آپ کا بائی پاس آپریشن ہوا ہے جو الحمدللہ کامیاب رہا ہے اور آپریشن محترم بریگیڈیئر ڈاکٹر مسعود الحسن نوری صاحب کے زیر نگرانی ہوا ہے۔ محترم میاں صاحب رحمہ اللہ کے اندازاً 10، 9 سال قبل انجیو پلاسٹی ہوئی اور ایک سٹنٹ بھی پڑا تھا۔ آپ بہت صابر و شاکر بہت کم گو تھے آپ میرے ساتھ ہر بات Share کرتے تھے۔

گیسٹ ہاؤس میں خاکسار اور خاکسار کی بیٹی اور بیٹے محمد احسن بٹ کو قیام کئے دو ہفتے ہو گئے تھے اور ربوہ واپسی کا پروگرام بنا رہے تھے۔ میں نے محترم میاں صاحب سے "ٹی پارٹی" کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے رضامندی ظاہر کر دی۔ چنانچہ خاکسار نے مکرم فضل الرحمٰن خان صاحب امیر جماعت احمدیہ راولپنڈی اور محترم بریگیڈیئر ڈاکٹر محمد مسعود الحسن نوری صاحب سے ملاقات کر کے "ٹی پارٹی" میں شمولیت کی درخواست کی تو اُنہوں نے بھی میری حوصلہ افزائی فرمائی اور میری دلی خواہش کو قبولیت بخشی۔ اس طرح اُن دنوں ہم سب نے ایک میز پر چائے نوش کی "ٹی پارٹی" میں گیسٹ ہاؤس کے دیگر عملہ کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔

"پھولوں کا شوق"

محترم میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو پھولوں کا بہت شوق تھا۔ ہر موسم میں مختلف اقسام کے پھولوں کے بیج منگواتے اور اپنے گھر کے سبزہ زار میں ان کی کاشت کرتے اور پنیری تیار کرتے اور گملوں میں لگواتے اسی طرح آپ ہر سال گل داؤدی کے پھول مختلف اقسام کے تیار کرتے اور بڑی تعداد میں گملوں میں لگواتے۔ اپنے خاندان، دوستوں اور خاکسار کو بطور خاص مختلف قسم کے گل داؤدی کے تیار گملے تحفہ بھجواتے۔ میری رہائش کوارٹر صدر انجمن احمدیہ میں تھی۔ میرا کوارٹر ہر موسم میں کئی اقسام کے پھولوں کی خوشبو سے معطّر رہتا۔ یہاں پر یہ بھی عرض کروں گا کہ خاکسار کو آپ کے عظیم باپ بزرگوارم حضرت ڈاکٹر مرزا

منور احمد صاحب چیف میڈیکل آفیسر فضل عمر ہسپتال ربوہ تا حیات ہر خوشی اور عید وغیرہ کے موقع پر یاد رکھتے اور ضرور کوئی تحفہ بھجواتے۔ آپ رحمہ اللہ کے عظیم باپ کی وفات کے بعد یہ سلسلہ محترم ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب نے جاری رکھا اور ہر موقع پر ضرور کوئی تحفہ بھجواتے۔ خاکسار باہر آ گیا اور کبھی کبھار پاکستان جاتا تو بھی مجھے ضرور کوئی تحفہ دے کر عزت بخشتے۔ اس سے مجھے کسی بزرگ کا قول یاد آتا ہے کہ:

"اگر کوئی شخص آپ کو عزت دیتا ہے تو وہ شخص خود ایک اعلیٰ ظرف انسان ہے" اب تو میرا دل بجا طور پر پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

شفقتوں اور پیار کا بادل جیسے چھٹ گیا
آپ کے جانے سے پدری سایہ ہم سے ہٹ گیا
آپ کے ہوتے کبھی دکھ نہ تکلیف تھی
دعاؤں کا سارا خزانہ لحظے میں ہی گھٹ گیا

"اللہ تعالیٰ کی مصلحت"

حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ اور خاکسار کی تاریخ پیدائش اور فضل عمر ہسپتال میں تقرری کا سال ایک ہی ہے۔ البتہ آپ کی خدمات سلسلہ بہت زیادہ نمایاں اور بلند ترین معیار کی ہیں۔ خاکسار کی خدمات سلسلہ فقط 47 سال کی ہیں۔ الحمدللہ

خاکسار نے آپ کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور شرح صدر سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کا وجود نافع الناس اور قیمتی وجود تھا۔

آپ کے اعلیٰ اخلاق ، اخلاص اور محبت و شفقت کرنے والے انسان دوست وجود کی وجہ سے اور آپ کے علاج میں اللہ تعالیٰ نے شفاء رکھی تھی۔ جس کی وجہ سے لوگ آپ سے محبت رکھتے تھے اور بہت دُور دراز سے لوگ علاج کے لئے آتے تھے۔ ایک بہت بڑی صفت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کر رکھی تھی کہ آپ ہر ایک ملنے والے اور مریض کو بہت پیاری مسکراہٹ سے ملتے تھے۔ یہ انداز اور مسکراہٹ مریض کی آدھی بیماری کو ختم کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھی ایسا خوبصورت انداز پسند ہے۔ میں نے تو بہت مریضوں کو یہ کہتے بھی سنا ہے کہ "فضل عمر ہسپتال ربوہ میں فرشتے رہتے ہیں۔ بہت بلند اخلاق والے ہیں جن کو ملتے ہی مریض کی آدھی تکلیف دور ہو جاتی ہے۔"

آپ کی مسکراہٹیں لوگوں میں بکھیرنے کا انداز ان چند اشعار میں آپ کی جھلک نظر آتی ہے۔

وہ پھول جیسا چہرہ مہکتا گلاب تھا
اس پر خدا کا فضل ہوا بے حساب تھا
وہ خود بھی ایک دوا تھا مریضوں کے واسطے
حکمت کی جیسے ایک کھلی وہ کتاب تھا
گویا وہ ہر مریض ہی کا ہمرکاب تھا
اس پر خدا کا فضل ہوا بے حساب تھا
لوگوں میں مسکرا کے شفا بانٹتا رہا
وہ حبس میں بھی ٹھنڈی ہوا بانٹتا رہا
سمجھا کسی مرض کو بھی اس نے نہ لاعلاج
بے چینیوں میں صرف دعا بانٹتا رہا
لوگوں میں شفقتوں کی ردا بانٹتا رہا
اپنے میں اور پرائے میں اس نے نہ کی تمیز
ورثے میں اس کی دست سخی تھا ملا ہوا
جو کچھ بھی اس کے ہاتھ لگا بانٹتا رہا

حرف آخر

آپ کو مئی 2001ء میں دل کا عارضہ ہوا اور مکرم بریگیڈیئر محمد مسعود الحسن نوری صاحب DOPT AFIC.Head Of cardiology ▪ NIHD.Rawalpindi نے M.H.Rawalpindi میں بائی پاس کامیاب آپریشن کیا۔ اس کے بعد 9 یا 10 سال ہوئے سٹنٹ بھی ڈلا تھا۔ اس بارے لوگوں کو بہت کم علم ہے۔ آپ صابر اور شاکر تھے۔ اس خدا کی رضاء پر خوش رہنے والے، اس لئے کسی کو کان و کان خبر نہ ہوئی۔

راضی ہیں ہم رضا میں اُس مالک کونین کی
ورنہ جیسے رنج کا بادل سروں پہ پھٹ گیا

ابھی کچھ عرصہ سے جگر اور گردوں کے کینسر (Cancer) میں مبتلا رہے اور

فضل عمر ہسپتال ربوہ میں داخل ہو کر علاج کرواتے رہے مگر طبیعت دن بدن خراب ہوتی گئی اور سنبھل نہ سکی۔ آپ کی صحت کو بحال کرنے کے لئے ہر ممکن انسانی کوششیں کی گئیں۔لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی اور آپ 29 مئی 2023ء بروز سوموار علی الصبح ایک بجے کے قریب طاہر ہارٹ انسٹیٹیوٹ ربوہ تقریباً بعمر 80 سال اپنے خالق حقیقی سے ملے۔انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی نماز جنازہ اسی دن شام چھ بجے احاطہ بہشتی مقبرہ دارالفضل ربوہ میں ادا کی گئی۔ربوہ کے ادارہ جات اور ربوہ اور دور ونزدیک علاقوں سے آنے والے احباب سے احاطہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور آپ کو بہشتی مقبرہ کی اندرونی چار دیواری میں آپ کی والدہ محترمہ صاحبزادی محمودہ بیگم صاحبہ کے بالکل ساتھ دائیں جانب سپرد خاک کیا گیا۔قبر تیار ہونے پر اجتماعی دعا مکرم سید خالد احمد شاہ صاحب ناظر اعلیٰ وامیر جماعت مقامی نے کروائی۔

اے خدا، بر تُربَتِ اُو ابرِ رحمت ہا ببار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

ترجمہ: اے خدا! اس کی قبر پر رحمتوں کے بادل کی بارش برسا اور کمال فضل سے اسے نعمتوں والے گھر میں داخل فرما۔

مرنے والے پر خدا کی رحمتیں ہوں تا ابد
رہنے والوں کو مناسب ہے بنیں نقش قدم

(ذوالفقار علی گوہر)

اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے قرب میں آپ کو جنت الفردوس کے اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور خلیفہ وقت کو آپ کی طرح سلطان نصیر عطا فرماتا رہے اور ہمیں جب تک زندہ رکھے آپ کے نقش قدم پر چلائے اور آپ کی اولاد کو بھی حضرت نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق عمل کرنے اور آپ کے عزیزان اور دوستوں کے ساتھ احترام اور تکریم کا تعلق رکھنے کی توفیق دے۔آمین اللّٰھم آمین



انجام

ثاقب زیروی



فرصت ہے کسے جو سوچ سکے پس منظر ان افسانوں کا
کیوں خواب طرب سب خواب ہوئے کیوں خون ہوا ارمانوں کا
تاریخ کے سینے میں اب تک ہیں دفن وہ سارے ہنگامے
انسان کے ہاتھوں دنیا میں کیا حال ہوا انسانوں کا
طاقت کے نشے میں چور تھے جو توفیق نظر جن کو نہ ملی
مفہوم نہ سمجھے وہ ناداں قدرت کے لکھے فرمانوں کا
پستے ہیں بالآخر وہ اک دن اپنے ہی ستم کی چکّی میں
انجام یہی ہوتا آیا فرعونوںؔ کا ہامانوںؔ کا
کم مایہ ہیں پر قدرت نے ہمیں احساس کی دولت بخشی ہے
ہر آنکھ سے آنسو پونچھیں گے دکھ بانٹیں گے سب انسانوں کا
جب زخم لگیں تو چہروں پر پھولوں کا تبسم لہرائے
فرزانوں کا اتنا ظرف کہاں یہ حوصلہ ہے دیوانوں کا
اے صبر و رضا کے متوالو اُٹھو تو سہی دیکھو تو سہی
طوفانوں کے مالک نے آخر رُخ پھیر دیا طوفانوں کا
جھنکار پہ سونے چاندی کی ہوتا ہے ضمیروں کا سودا
اس دور خرابی میں یارو خطرہ ہے بہت ایمانوں کا
اب آئے جو یار کی محفل میں جاں رکھ کے ہتھیلی پر آئے
اس راہ پہ ہر سو پہرہ ہے کم فہموں کا، نادانوں کا
ہم دین ہدیٰ کے پرچم کو اونچا ہی اڑاتے جائیں گے
جو طوفانوں کے پالے ہوں کیا خوف انہیں طوفانوں کا
آندھی کی طرح جو اُٹھے تھے اب گرد کی صورت بیٹھے ہیں
ہے میری نگاہوں میں ثاقبؔ انجام بلند ایوانوں کا





اعجاز الحق کا عذر گناہ



محمد کولمبس خاں

اعجاز الحق صاحب ابن جناب جنرل ضیا الحق صاحب مرحوم کا ایک مضمون مورخہ 8 جولائی 2023 کو نوائے وقت میں شائع ہوا ہے۔ اس میں وہ 5 جولائی 1977 کے اقدام اور آئین کی بالادستی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جہاں بھی حکومت آئین کی اس بنیادی روح کو نہیں سمجھے گی اور اسے نظر انداز کرے گی تو پھر آئین کہتا ہے کہ ملک کا ہر شہری آئین کا وفادار ہوگا۔ یہ وہ ذمہ داری ہے جو پانچ جولائی جیسے واقعات کے ہر سوال کا جواب دیتی ہے۔ (ایسی بات اگرچہ آئین میں کہیں درج نہیں ہے۔ ناقل) ہوسکتا ہے کہ کوئی اسے تعصب کی آنکھ سے دیکھ رہا ہو لیکن جب اسے حقائق کے عدسے سے دیکھا جائے گا تو اس فوجی اقدام کے لئے اس وقت کی حکومت کے مستقل اقتدار میں رہنے کے خاموش اقدامات اور خواہشات کا ایک انبار نظر آئے گا۔"

اعجاز الحق صاحب ایک سیاسی جماعت کے لیڈر بن چکے ہیں لیکن ان کو ابھی تک یہ علم نہیں کہ سیاسی پارٹی کا مستقل اقتدار میں رہنے کے لئے خواہشات کا انبار کوئی جرم نہیں بلکہ یہ اس کا فریضہ ہے کہ وہ حصول اقتدار یا اس کے دوام کے لئے قانونی کوشش کرے۔ اور پارٹیوں کی یہی کشمکش جمہوریت کو پروان چڑھاتی ہے۔ پھر پانچ جولائی 1977 کے اقدام کے جواز میں مزید دلائل دیتے ہوئے اس اقدام کے ثمرات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"5 جولائی 1977 کے فوجی اقدام سے متعلق بہت کچھ کہا اور لکھا بھی گیا۔ 46 سال گزرنے کے باوجود یہ موضوع پرانا نہیں ہوا، آج جب بھی کوئی اس واقعہ پر گفتگو کرے گا تو اسے حامی اور مخالف نکتہ نظر ملے گا"۔ اور "یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ملک میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق شہید کی سیاسی وراثت نہ صرف موجود ہے بلکہ اس ملک کی ترقی، سلامتی، خوشحالی اور اس ملک کے دفاع کو مضبوط بنانے کے ناقابل تسخیر اقدامات کی وجہ سے ان کی سیاسی وراثت کا دائرہ وسیع ہے"

کامن سینس سے ہٹ کر بھی ہر انسان کی ایک اپنی منطق ہو بھی سکتی ہے لیکن ان کی منطق نے تو نیا ریکارڈ قائم کر دیا ہے۔

5 جولائی 1977 سے پہلے اور بعد کے واقعات کو بڑا قریب سے اور کسی تعصب کا عدسہ لگائے بغیر مشاہدہ کرنے کا جو موقع ملا وہ الگ ان کے بیان کے برعکس ہے۔ لیکن اعجاز الحق صاحب کے اپنے ہی "سنے سنائے" بیان میں تضادات اور جناب جنرل ضیا الحق صاحب کی پہلی تقریر، آٹھویں ترمیم اور آئین سے روگردانیاں ہی ان کے بیانیہ کی تردید کے جب عملی ثبوت میرے سامنے پیش کر رہی ہوں تو کھلی حقیقت کا انکار ناممکن ہے۔ ان کے بقول کہ:

"17 اگست کو ان کے یوم شہادت پر ہر سال ملک بھر سے لاکھوں عقیدت مند دعا کے لیے آتے ہیں۔"

کوئی اخلاقی یا قانونی جواز مارشل لاء کا مجھے تو دکھائی نہیں دیتا۔

ضیا الحق صاحب کا حادثے میں ہلاک ہونا دکھ کی بات ہے۔ اس پر یقیناً خوشی نہیں لیکن اس روز کروڑوں لوگوں نے جو سکھ کا سانس لیا تھا اس کو بھی تو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ بے شک مرحوم آپ کے والد تھے لیکن صداقت کو چھپانے کی اجازت کوئی اخلاق نہیں دیتا کجا اسلامی اخلاق۔ بھٹو کے اقتدار سے علیحدہ ہونے پر کشمکش سے تھکی عوام کو ریلیف ملا اور ضیا الحق کے حادثہ پر بھی عوام نے سر سے اتری ایک بلا محسوس کی۔ بھٹو صاحب کو لوگ اب بھی زندہ اور شہید شمار کرتے ہیں اور ان کی برسی آن بان سے منائی جاتی ہے۔ دونوں کی اموات ان کے آئینی فرائض میں کوتاہی کے لئے کسی طور بھی ڈھال کا کام نہیں دے سکتیں۔

خاکسار پیپلز پارٹی کا حلیف نہیں ہے لیکن اعجاز الحق صاحب کے مضمون میں پیپلز پارٹی کی چیرہ دستیوں کو مارشل لا کا جواز بھی بنایا گیا ہے اور ان کا کافی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ان بداعمالیوں سے انکار نہیں لیکن ان سے مارشل لا کا جواز اور پھر جھوٹے ریفرینڈم کی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ دنیا میں ایسا شاید کسی اور

جگہ ریفرینڈم ہوا ہو۔عزیزم اعجاز الحق صاحب! ریفرینڈم میں کیا گیا سوال پڑھ کر اس پر خدا کے لئے ایک بار غور تو کریں۔

"کیا آپ صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق کی طرف سے پاکستان کے قوانین کو قرآن پاک اور سنت نبوی ﷺ میں بیان کردہ اسلام کے احکام کے مطابق لانے کے لیے شروع کیے گئے عمل کی توثیق کرتے ہیں؟ اور نظریہ پاکستان کے تحفظ کے لیے، اور کیا آپ اس عمل کو جاری رکھنے اور مزید مستحکم کرنے اور عوام کے منتخب نمائندوں کو اقتدار کی ہموار اور منظم منتقلی کے حق میں ہیں؟"

سوال میں 'ہاں' یا 'نہیں' جواب طلب کیا گیا۔ اثبات میں جواب دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ جنرل ضیاء کو 1990 تک صدر کے عہدے پر برقرار رہنے کی حمایت۔

مارشل لا کے ابتدائی دنوں میں کوئٹہ تھا ہمارے دفتر میں ایک صحافی آئے اور بتایا کہ انہوں نے یا ان کے ساتھی نے ضیا الحق صاحب کے کوئٹہ تشریف لانے پر ان کے مارشل لاء پر آئینی جواز کا سوال اٹھایا تو جنرل ضیا الحق صاحب کے جواب:

"یہ چھیاسی صفحے کی کتاب ہے۔ میں جب چاہوں اسے پھاڑ سکتا ہوں" نے ہمیں تو مبہوت ہی کر دیا۔ اور پاکستان پر منڈلاتی ہوئی تاریکی برسوں پر محیط دکھائی دینے لگی۔

اعجاز الحق صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ سارے حالات جو مارشل لا کا باعث بنے ان کی تفصیل سے جنرل صاحب کو جب آگاہی تھی اور پھر نوے دن میں الیکشن کروانے کا عہد خدا اور رسول کا نام لے کر عوام کو گواہ بنا کر نہیں کرنا چاہیے تھا۔

"اعمال کا دارو مدار نیتوں پر" شمار کیا جائے (جس پر اعجاز الحق صاحب اور ان کے والد محترم کو بوجہ حدیث صحیحہ ہونے کے سو فیصد یقین ہونا چاہیے) تو ان کے اعلان اور عمل میں تفاوت اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان کے پروگرام میں نوے دن کے اندر اندر الیکشن کروانے کا کوئی ارادہ سرے سے تھا ہی نہیں اور یہ اعلان فقط فوری ایجی ٹیشن کی روک تھام کے لئے تھا۔

حیرت کی بات ہے کہ اعجاز الحق صاحب نے "آئین کی بنیادی روح" کو سمجھاتے ہوئے اور "ملک کا ہر شہری آئین کا وفادار ہوگا" لکھ کر 5 جولائی 1977 کے اقدام کو آئین سے وفاداری قرار دے رہے ہیں۔ ان کی یہ دلیل آئین کی تقدیس کے ذکر کے ساتھ ایک طرف تو آئین کے خاتمے کو مباح قرار دے رہی ہے اور ایسی باتیں شاعری میں تو محبوب سے کی جاسکتی ہیں کہ:

اگر آں صنم ز رہ ستم، پئے کشتم بنھد قدم
لقد استقام بسیفہٖ فلقد رضیت بما رضیٰ

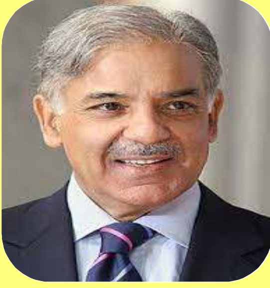
اگر وہ محبوب مجھ پر ستم ڈھانے کی غرض سے، میرے قتل کے لیے قدم بڑھائے گا تو میں ضرور اس کی تلوار کے سامنے استقامت دکھاؤں گی، چونکہ میں اس کی رضا پر راضی ہو چکی ہوں

لیکن دنیا کے کسی بھی آئین میں اس طرح کی بات درج نہیں ہے کہ نام نہاد "وفادار" شہری آئین کی دھجیاں اڑانے آئے تو وہ آئین اسے برضا رغبت خوش آمدید کہنے کے لئے چہرے پر مسکراہٹ بھی بکھیرے گا۔

دوسری طرف ان کی یہی دلیل بڑی ہی بھیانک بات کی دعوت دیتی ہے اور ان کی اس دلیل سے یہ حق ہر شہری کو حاصل ہو جاتا ہے کہ اگر وہ طاقت رکھتا ہے تو آئین شکنی اور قانون شکنی کے ساتھ ساتھ جتنوں کو چاہے قتل بھی کر دے ان کے مطابق آئین جواز فراہم کرتا ہے۔ سیاسی جدوجہد جب ملکوں میں اس قسم کے جواز کی بنا پر شروع ہوتی ہے تو کئی نسلوں کو اس حماقت کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے اور یہی پاکستان آج کل بھگت رہا ہے۔

ملک کی پارلیمنٹ کو اختیارات حاصل ہیں وہ حقوق نہیں ہیں جو کسی ادارے نے عطا کیے ہوں پارلیمنٹ کے سامنے باقی سب ادارے ماتحت رکھ کر ہی ملک کو جمہوریت کی راہ پر گامزن کیا جانا ممکن ہے۔ اس کا ایک موقع عمران کو حاصل ہوا تھا جب ان کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش ہوئی۔ ان کے "غلام" اسپیکر قومی اسمبلی نے اسے پیش ہونے سے روک کر یہ موقع ضائع کر دیا۔ کاش وہ ایسا نہ کرتے اور نہ ہی کرواتے۔ جن ممالک میں جمہوریتیں ہیں وہاں آئے دن حکومتیں آتی جاتی رہتی ہیں۔ جمہوریت ایک سیکھنے کی چیز ہے اور اپنے مخالف کو ملک کی خاطر قبول کرنا ایک جمہوری لیڈر کی ابتدائی علامت ہے۔





محترم وزیر اعظم ! کیا میری لاش کو پاکستان میں رہنے کی اجازت ہوگی؟

الم نگار

محترم وزیر اعظم میاں محمد شہباز شریف صاحب

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے ۔ میں اس خط کو السلام علیکم سے شروع کر کے نیک تمناؤں کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس نازک دور میں ہمارے پیارے پاکستان کے وزیر اعظم کو ہم سب کی نیک تمناؤں کی ضرورت ہے لیکن ایک انجانے خوف نے میرے ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لے لیا کیونکہ یہ عاجز پاکستان کا شہری ہونے کے علاوہ عقیدہ کے اعتبار سے ایک احمدی بھی ہے۔اور آپ جانتے ہیں ہوں گے کہ پاکستان میں بہت سے احمدیوں پر صرف اس پاداش میں مقدمہ درج کیا گیا ہے کہ انہوں نے السلام علیکم کہہ کر یا لکھ کر اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا تھا۔ بہر حال یہ خط لکھنے کا مقصد احمدیوں کے متعلق قوانین کا شکوہ کرنا نہیں ہے اور نہ ہی اپنی زندگی کی ان ساٹھ سالوں کا رونا رونا ہے جو اس قسم کے خوفوں کی بھینٹ چڑھ گئے ۔ سودا نے یہ کہہ کر سب شکووں کا دفتر لپیٹ دیا تھا

جو گزری مجھ پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا
بلا کشان محبت پہ جو ہوا سو ہوا
کہے ہے سن کے مری سرگزشت وہ بے رحم
یہ کون ذکر ہے جانے بھی دو ہوا سو ہوا

اس خط کا مقصد تو صرف آپ سے ایک سادہ سا سوال پوچھنا ہے جو کہ خاکسار اس خط کے آخر میں پوچھنے کی جسارت کرے گا۔ شاید آپ کو خبر ملی ہو کہ دو ہفتہ قبل ضلع سرگودھا کے ایک گاؤں گھوگھیاٹ میں احمدیوں کی کچھ قبروں کی بے حرمتی کی گئی ۔ ان کی قبروں کے کتبے مسمار کئے گئے ۔ پیغام واضح تھا کہ مر کر یہ نہ سمجھو کہ تم محفوظ ہو گئے ہو، اسلامی جمہوریہ پاکستان میں تمہاری لاشوں کو بھی یہ احساس دلایا جائے گا کہ تم احمدی ہو اور تمہاری قبر کو بھی وہ حقوق حاصل نہیں ہوں گے جو کہ مہذب دنیا میں کسی انسان کی لاش کو حاصل ہوتے ہیں ۔

اس کے چند روز بعد 17 مئی 2021 کو اوکاڑہ کے ایل پلاٹ میں ایک احمدی عبد السلام کو ان کے بچوں کے سامنے چاقو سے وار کر کے قتل کر دیا گیا۔ قتل کرنے والا حال ہی میں ایک قریبی مدرسہ سے فارغ التحصیل ہونے والا علی رضا تھا۔ جب علی رضا مدرسہ سے فارغ ہوا تھا تو مدرسہ کے استاد نے اپنی الوداعی تقریر میں احمدیوں کی سرکوبی کرنے کی نصیحت کی تھی ۔ چنانچہ چند ہی روز میں علی رضا نے ایک احمدی کو بہیمانہ انداز میں قتل کر کے بزعم خود اپنے لئے جنت کا ٹکٹ حاصل کر لیا۔ پیغام واضح ہے کہ ہم تمہیں پاکستان میں جینے کا حق بھی نہیں دیں گے۔

ابھی عبد السلام صاحب کی لاش ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ 19 اور 20 مئی کی درمیانی رات کو پشاور کے قریب ایک گاؤں سانگو میں ایک احمدی اشفاق احمد صاحب ولد ڈاکٹر سرور کی قبر کو کھود کر اشفاق احمد کے جسد خاکی کے باقی ماندہ ٹکڑے باہر پھینک دیئے گئے ۔ اشفاق احمد صاحب کا انتقال 1995 میں یوکرین میں ہوا تھا۔ ان کے ورثاء سے یہ غلطی ہوئی کہ وہ ان کے جنازے کو مادر وطن لے کر آئے اور یہاں دفن کر دیا۔ تا کہ اشفاق احمد کا جسد خاکی اس خاک میں آرام کرے لیکن افسوس عزیز اہل وطن کو یہ بھی گوارا نہیں ہوا۔ پیغام واضح ہے کہ ہم تمہاری لاش کو بھی اس ملک کی زمین میں آرام سے نہیں رہنے دیں گے۔

یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ سے چل رہا ہے۔ 3 دسمبر 2012 کو ماڈل ٹاؤن لاہور میں احمدیوں کی قبرستان میں پندرہ کے قریب نقاب پوش حملہ آور داخل ہوئے اور ان میں سے کئی حملہ آوروں نے ہتھیار اٹھائے ہوئے

تھے۔انہوں نے وہاں پر موجود افراد کو ایک کمرہ میں بند کیا اور سو سے زائد قبروں کے کتبے مسمار کر دیئے۔ یہ حملہ آور فون پر ہدایات بھی وصول کر رہے تھے کہ یہ کارنامہ کس طرح سرانجام دینا ہے۔محترم وزیر اعظم اس وقت آپ پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے اور یہ مقام آپ کے گھر سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔شاید آپ کو یہ سانحہ یاد نہ ہو لیکن جن کے عزیزوں کی قبروں کی بے حرمتی کی گئی تھی، کم از کم وہ اسے ابھی تک نہیں بھولے۔

گذشتہ دو سال کے دوران پہلے سے زیادہ احمدیوں کی قبروں پر حملے کئے گئے ہیں۔فروری 2020 میں فتح دریا جھنگ میں دو احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔اور اسی مہینے کے دوران خود پولیس کے اہلکاروں نے چک 2 ٹی ڈے اے ضلع خوشاب میں احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی۔مئی 2020 میں پچاس مولوی صاحبان اور کچھ پولیس اہلکاروں نے شوکت آباد ننکانہ صاحب میں احمدیوں کی قبروں کو مسمار کیا۔ جون 2020 میں چک 79 نواں کوٹ ضلع شیخوپورہ میں احمدیوں کی قبروں کے خلاف مہم چلائی گئی اور آخر کار خود پولیس والوں نے احمدیوں کی درجنوں قبروں کے کتبوں کو مسمار کر دیا۔اس سے اگلے ماہ ایک شکایت پر عمل کرتے ہوئے گوجرانوالہ کینٹ کے پولیس سٹیشن کے اہلکاروں نے ایک گاؤں کے احمدی قبرستان پر دھاوا بول کر 69 احمدیوں کی قبروں کو مسمار کیا۔دسمبر 2020 میں پولیس سٹیشن کلر کہار کی حدود میں ایک گاؤں میں احمدیوں کے قبرستان میں تین قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔

2021 شروع ہوا تو تھانہ گوجرہ صدر ٹوبہ ٹیک سنگھ کی حدود میں احمدیوں کے ایک قبرستان میں داخل ہو کر خود ایس ایچ او، پٹواری اور تحصیلدار نے ایک احمدی کی قبر کا کتبہ مسمار کیا۔اسی مہینے میں بھوئیوال ضلع شیخوپورہ میں تین احمدیوں کی قبروں کے کتبے توڑ دیئے گئے۔ یہ واقعہ تھانہ شرقپور کی حدود میں پیش آیا۔فروری 2021 میں 565 گ ب جڑانوالہ ضلع فیصل آباد میں خود پولیس افسران نے 25 احمدیوں کی قبروں کو مسمار کروایا۔مارچ میں پولیس نے ایک مرتبہ پھر ایک شکایت پر چابکدستی دکھاتے ہوئے کوٹ دیالداس ضلع ننکانہ میں 16 احمدیوں کی قبروں کو مسمار کیا۔

اسی طرح اپریل 2021 میں چک 604 ضلع مظفر گڑھ میں پولیس کے اہلکاروں نے ایک احمدی کی قبر کے کتبہ سے کچھ عبارتیں مٹائیں۔ یہ چند مثالیں ظاہر کرتی ہیں کہ عزیز از جان وطن میں اب دل کی دھڑکن رکنے کے بعد بھی احمدی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ان کی قبریں بھی دل آزاری کا باعث بن جاتی ہیں۔ان کی لاشوں اور ان کی قبروں سے بھی انتقام لیا جائے گا۔اور خود حکومتی ادارے اس بربریت میں دل کھول کر اپنا حصہ ڈالیں گے۔

اور یہ تاریخ میں پہلی مرتبہ نہیں ہو رہا کہ مذہبی تعصب میں قبروں کو نشانہ بنایا جا رہا ہو۔بربریت کی یہ تاریخ بار بار دہرائی گئی ہے۔اور اگر اس سلسلہ کو جاری رہنے دیا جائے تو کسی کی بھی قبر محفوظ نہیں رہتی۔مثال کے طور پر جب سپین میں پہلے مسلمانوں اور پھر یہودیوں کو نشانہ بنایا گیا تو قبریں بھی اس نام نہاد تطہیر کے عمل سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ 1580 میں Seville میں یہودیوں کی قبروں کو بھی اکھیڑ دیا گیا۔اور ان میں موجود قیمتی اشیا کو لوٹا گیا۔اور ایسے واقعات بار بار ہوئے۔اس وقت کیتھولک چرچ قبروں کی اس بے حرمتی کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔

لیکن 1936 میں اسی سپین میں خود کیتھولک چرچ اسی بربریت کا شکار بنا۔سپین کی خانہ جنگی کے دوران بہت سے چرچوں میں قبرستانوں کو نشانہ بنایا گیا۔اور ایسے بہت سے واقعات ہوئے۔مثال کے طور پر بارسلونا میں 19 کیتھولک نن کی لاشوں کو ان کی قبروں سے نکال کر کئی روز کے لئے باہر نمائش پر رکھ دیا گیا۔اور ہزاروں لوگ ان کے سامنے سے گذر کر انہیں دیکھتے اور بعض تو ان لاشوں پر تحقیر آمیز جملے بھی کستے۔ اور آپ اس حقیقت سے واقف ہوں گے کہ پیرس کے قریب مسلمانوں کی قبروں کی بے حرمتی کے اندوہناک واقعات منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ہر صاحب ضمیر کو ایسے واقعات کی مذمت کرنی چاہیے۔

میں نے اس خط کے شروع میں عرض کی تھی کہ اس خط کے آخر میں آن مکرم سے ایک سادہ سا سوال کرنے کی جسارت کروں گا۔خاکسار کو جیتے جی تو اس

ملک میں برابر کے شہری بننے کا موقع نہیں ملا۔ نثار میں تیری گلیوں پر اے وطن۔۔۔مگر مجھے یہ اعزاز نہیں ملا کہ وطن کی گلیاں مجھے قبول کرتیں لیکن اب میں عمر کے اس حصہ میں ہوں جب موت زیادہ دور نہیں ہوتی۔ مجھے اب اپنی زندگی سے زیادہ اپنی لاش کی فکر ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں میری لاش کو سکون سے دفن رہنے کی اجازت ہوگی؟ کیا مجھے یہ تسلی دلائی جا سکتی ہے کہ جب میں دفن ہو جاؤں گا تو کوئی پولیس کا اہلکار یا تحصیلدار میری قبر کو مسمار کرنے یا میرے کتبہ کو توڑنے کے فرائض سرانجام نہیں دے گا۔ یا کوئی جنت کے حصول کے لئے میری لاش کی باقیات کو اکھیڑ کر باہر نہیں پھینکے گا۔ اگر حکومت پاکستان یہ سہولت نہیں مہیا کر سکتی تو کوئی بات نہیں۔ میں اسے بھی قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کرلوں گا اور اپنے ان بچوں کو جو ملک سے باہر رہائش پذیر ہیں یہ وصیت کر دوں گا کہ میری موت کی خبر سن کر خاموشی سے پاکستان آئیں اور میری لاش کو اسی خاموشی سے ملک سے باہر لے جائیں۔ اور اس وقت کا انتظار کریں جب وطن کی خاک اس غریب الوطن لاش کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو۔ آدمی جیتے جی اپنے سے ہونے والے امتیازی سلوک کا بوجھ اٹھا کر زندہ تو رہ سکتا ہے لیکن مرنے کے بعد اپنی لاش کو خود اپنے کندھوں پر اٹھا کر کہیں نہیں لے جا سکتا۔ محترم وزیر اعظم مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

میں جس طرح خط شروع کرتے ہوئے ایک الجھن کا شکار تھا، اسی طرح خط کو ختم کرتے ہوئے بھی ایک الجھن کا شکار ہوں کیونکہ میرے نام کا آخری حصہ ایسا ہے جس پر اسلام آباد ہائی کورٹ ایک تفصیلی فیصلہ میں اس تحفظ کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہ کسی احمدی کے نام کا حصہ ہونا چاہیے۔ شاید ان کے نزدیک یہ بھی قانون شکنی اور دل آزاری ہے۔ بہرحال اتنی جلدی نام تو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے

سب باتوں کے باوجود خیر اندیش

(بحوالہ ہم سب 29 مئی 2022)



عزمِ نو

ثاقب زیروی

ہجومِ غم سے شب جو نفشاں سے گزریں گے
کھلیں گے پھول وہاں ہم جہاں سے گزریں گے

اُٹھائے پرچمِ دینِ محمد ﷺ عربی
ہم ایک دن حدِ کون و مکاں سے گزریں گے

مسیحِ وقت کے فرزند کی قیادت میں
بہ عزمِ نو رہِ آہ و فغاں سے گزریں گے

فرازِ دار سے کس نے ہمیں پکارا ہے
ہم آرہے ہیں کہو ہم وہاں سے گزریں گے

صلیبِ وقت نہ مصلوب کر سکے گی ہمیں
ہر آزمائش و ہر امتحاں سے گزریں گے

رہیں گے تیروں کی بوچھاڑ میں بھی خندہ بلب
مثالِ برق دلِ دشمناں سے گزریں گے

کھلائے رکھیں گے گلشن لہو سے زخموں کا
ہم اس فریبِ بہار و خزاں سے گزریں گے

لگائے بیٹھے ہیں پہرے جو وادیٔ گل پر
سکوتِ گل پہ بھی انکو گماں سے گزریں گے

قدم قدم پہ اُجالوں کی بارشیں ہوں گی
جلائے مشعلِ جاں ہم جہاں سے گزریں گے

جو ہم پہ سنگِ ملامت اُٹھائے پھرتے ہیں
کبھی تو وہ بھی کسی امتحاں سے گزریں گے

خدا کسی کو نہ مانیں گے ہم خدا کے سوا
ستم کی راہ سے بھی شادماں سے گزریں گے

ہے سدِّ راہ زمانہ تو کیا ہوا ثاقبؔ
بفیضِ عشق ہر اک ہفت خواں سے گزریں گے

10 سوالات اہل دل کے لئے

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

1. کیا اسلام عالمی مذہب ہے یا علاقائی؟
2. کیا اسلامی قوانین عالمگیر ہیں یا علاقائی نوعیت کے ہیں؟
3. اگر اسلام عالمی قوانین پیش کرتا ہے تو پاکستان میں بنایا جانے والا قانون کیا دوسرے ممالک بھی بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟
4. کیا حج کے دن اور حج کے موقعہ پر قربانی کی رسم کا آغاز اسلام سے ہوا یا اسلام سے پہلے ایک لمبے زمانے سے مکہ میں انہی دنوں حج ہو رہا تھا اور ابراہیمی قربانی دی جارہی تھی؟
5. اگر پاکستان کے علماء یہ قانون بناتے ہیں کہ سوائے ہمارے کوئی بھی ابراہیمی سنت پر عمل نہیں کر سکتا تو ایسے ممالک جہاں یہود کی کثرت ہے یا عیسائیوں کی کثرت ہے وہ ان ممالک میں یہ قانون نہیں بنا سکتے کہ ہمارے ملک میں صرف جو یہودی ہوگا یا عیسائی ہوگا وہی ابراہیمی سنت پر عمل کر سکے گا؟
6. آج پاکستان کی گورنمنٹ یہ اعلان کرتی ہے کہ احمدیوں کو اس لئے سنت ابراہیمی پر عمل کرنے کا حق نہیں کہ وہ انکے دین پر نہیں پہلے وہ مسلمان ہوں پھر قربانی کریں۔اسی قسم کا اعلان اگر یہودیوں یا عیسائیوں کے ممالک بھی کریں کہ وہاں بسنے والے مسلمان انکے دین پر نہیں اس لئے جب تک وہ یہودی یا عیسائی نہیں ہوتے وہ قربانی نہیں کر سکتے تو ایسے قانون کو کیسے غلط ثابت کیا جاسکتا ہے؟
7. آج پاکستان میں احمدیوں کو عید پڑھنے سے روکا جارہا ہے کہ یہ امن عامہ کے لئے خطرہ ہے۔اسی بنیاد پر کشمیر انڈیا میں ہندو مسلمانوں کو عید گاہ میں نماز پڑھنے سے روک رہے ہیں۔ایک پاکستانی کس طرح ہندوستان کے اس فعل کی مزمت کر سکے گا؟
8. آج پاکستان میں اکثریت والے مسلمان احمدی مسلمانوں کو قربانی سے اس لئے روک رہے ہیں کہ انکے جزبات مجروح ہوتے ہیں۔اسی طرح ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کو قربانی سے اس لئے روک رہے ہیں کہ اکثریت والے ہندووں کے جزبات مجروح ہوتے ہیں۔ایک پاکستانی کس طرح ہندوستان کے اس رویے کی مزمت کر سکے گا؟
9. کیا پاکستان کا اسلام اتنا کمزور ہے کہ ایک کافر کا اپنے گھر کے اندر چھپ کر بکرا ذبح کرنے سے خطرے میں پڑ جاتا ہے؟ کیا ایسا کمزور مذہب عالمی مذہب یا عالمگیر اسلام کہلا سکتا ہے۔
10. اگر پاکستان کے علماء قرآن کی اس آیت پر ایمان رکھتے ہیں کہ قربانی کا گوشت یا خون اللہ تک نہیں پہنچتا بلکہ تقوی ہے جو اللہ تک پہنچتا ہے تو ایک کافر چاہے ہزار قربانی کرلے اگر اس میں تقوی نہیں تو اس آیت کے مطابق اس قربانی کا کوئی فائدہ نہیں وہ ایک لغو کام ہے۔کیا کافر کے ایک بے فائدہ اور لغو کام کرنے پر اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہے۔اور اس کے بے فائدہ کام کو روکنے کے لئے سارے ملک کی انتظامیہ کا حرکت میں آنا کیا یہ اقدام عقلمندی والا کہلا سکتا ہے یا اسے پرلے درجہ کی جہالت کہا جائے گا؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے!

سید حسن خان۔ موروڈن پارک جماعت۔ لندن

وقت ہے مسیحا کا نہ کسی اور کا وقت
مَیں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا۔

(درثمین)

اس مبارک شعر میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہی وقت ہے اسلام کی دوبارہ تجدید اور اسلام کی حقیقت اور سچائی کو ظاہر کرنے اور بگڑے اسلام کو دوبارہ حقیقی طور پر لانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے اس زمانہ میں بھیجا ہے۔ اگر مَیں نا آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا۔

قرآن مجید میں سورۃ جمعہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ سورۃ جمعہ آیت نمبر۔ 4

ترجمہ! اوران کے سوا ایک دوسری قوم میں بھی وہ اس کو بھیجے گا جو ابھی تک ان سے ملی نہیں اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک عیسیٰ بن مریم عادل حاکم اور منصف امام بن کر نازل نہ ہوں گے۔ وہ آ کر صلیب کو توڑیں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے اور جذیہ کو معاف کر دیں گے، اور مال اس قدر زیادہ ہوگا کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب فتنۃ الدجال وخروج عیسیٰ ابن مریم وخروج یاجوج وماجوج)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا!

بعض نادان اور ناواقف لوگ خیال کرتے ہیں کہ سچے نبی کو واضح نشانات دیئے جاتے ہیں اور وہ اپنے ساتھ بیّنہ دلائل اپنے ساتھ لاتا ہے اس لئے اس کی مخالفت کا سوال نہیں پیدا ہوتا بلکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا۔ (سورہ الانعام آیت 112)

ترجمہ! کہ ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن بنائے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انسان کو اندھیروں سے نکالنے کے لئے اللہ تعالیٰ اپنا نور نازل فرماتا ہے۔ چنانچہ اس نے محض اپنے فضل سے ایسا ہی کیا اور سلسلہ نبوت جاری فرمایا۔ پس نبوت ایک نور ہے جو انسان کو روشنی بخشتا ہے تب سلیم اور نیک فطرت اس کو قبول کرتے ہیں۔

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب احیاء علوم میں فرمایا کہ انبیاء کرام دلوں کے طبیب ہیں۔ الانبیاء اطباء القلوب۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب ایام صلح صفحہ نمبر 147 میں تحریر فرماتے ہیں کہ "کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن مجید یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے یا کسی مفسر یا محدث کی شاگردی اختیار کی ہے"۔ بلکہ خدا تعالیٰ نے خود مجھے قرآن مجید کے معارف بتائے اور سکھائے ہیں۔ اور پھر فرمایا کہ کوئی نہیں جو اس وقت میرا مقابلہ کر سکے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کشتی نوح صفحہ نمبر 54 میں فرماتے ہیں "ایک اینٹ تو خدا تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لگا دی کہ مجھے عین چودھویں صدی کے سر پر بھیجا اور میرے لئے اپنے زبردست نشان دکھلاتا رہا ہے اور آسمان کے نیچے کسی مخالف مسلمان یا یہودی یا عیسائی وغیرہ کو طاقت نہیں کہ ان کا مقابلہ کرے۔ یہ تو وہ بنیادی اینٹ ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ہر ایک جو اس اینٹ کو توڑنا چاہے گا وہ توڑ نہیں سکے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں "اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دف سے بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سُن لیں اور کس دوا سے علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔ (روحانی خزائن۔ کشتی نوح)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے بارہ تو اسلامی دنیا اس صدی کا انتظار کر رہی تھی کہ کب امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ اس بارہ بہت سے بزرگوں نے حضرت مسیح موعود مہدی موعود علیہ اسلام کی بعثت سے قبل اپنے بچوں کو بتا دیا تھا کہ بچو آپ کے وقت حضرت مسیح موعود امام مہدی کا ظہور ہوگا اور آپ کے والدین نے یہ بھی کہا تھا کہ تم نے ان کو ماننا ہے۔ اس کی ایک مثال اپنے نانا جان سید احمد نور کابلیؓ کے والد صاحب مرحوم مغفور سید اللہ نور صاحب مرحوم مغفور کی ہے۔ میرے نانا جانؓ نے بتایا کہ میرے والد نے مجھے کہا تھا کہ بیٹا آپ کے زمانہ میں امام مہدی اور مسیح موعود علیہ اسلام کا ظہور ہوگا تم نے ان کو ماننا۔ اور پھر یہ بھی کہا کہ میرے بیٹے مجھے افسوس ہے کہ میں اس وقت نہیں ہوں گا۔ اس طرح نا جانے کتنے بزرگ کرام نے بتایا ہوگا اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کو مانا ہوگا۔ اور پھر میرے نانا جانؓ بتاتے ہیں کہ بچو! پھر میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کو قادیان خود جا کر محسوس کیا اور پھر قبول کیا۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ ان کو ماننے کے بعد اپنے گھر بار اور اہل وعیال سمیت چھوڑ کر مسیح موعود کے در پر آ کر وقت گزارا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے در پر ان کی خدمت کی اس بارہ آپ نے ہمیں بہت سی باتیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی بھی بتائیں۔ یہ تو چند ایک ہی مثالیں ہے امام وقت کو ماننے اور پھر خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کی طرف سے رحمتیں اور عظمتیں پانے والوں کیں۔ میں تو خود جانتا ہوں کہ ہمارے بڑوں نے جو وقتِ مسیحا علیہ السلام کو مانا اس کے پھل ہم آج کھا رہے ہیں۔ میں تو سوچتا ہوں کہ اگر ہمارے بڑے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو نا مانتے تو ہم بھی ان جاہل ملانوں کے پیچھے لگے ہوتے۔

کیوں عجب کرتے ہو گر میں آ گیا ہو کر مسیح
خود مسیحائی کا دم بھرتی ہے یہ بادِ بہار

حضرت امام رازی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ہزاروں انبیاء بھیجے گئے لیکن اُس امت کا تعلق موسیٰ علیہ السلام سے تو نہیں کٹا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حزقیل نبی کے ماننے والوں نے دعویٰ نہیں کیا کہ ان کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کٹ گیا ہے بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات ہی واجب العمل رہی۔ پس امتی نبی جو نبی کریم ﷺ کے لئے بطور فرزند جلیل ہے اگر دعوت دے گا تو یہی دے گا کہ آ ؤ روحانی باپ سے وفاداری کا سلوک کرو اور اخلاص اور نیک نیتی اور محنت سے اس کے حکموں کو بجالاؤ۔ گویا اس دعوت پر شبہ تک نہیں ہوسکتا کہ ان کا تعلق نبی کریم ﷺ سے کٹ جائے گا بلکہ اس دعوت کا مقصد ہی یہ ہوگا کہ ہم سب دل وجان سے نبی کریم ﷺ کے ساتھ وابسطہ رہیں''۔

حضرت امام رازیؒ کے اس قول کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ ہر لحاظ سے تمام مسلمانوں کے لئے قابل عمل ہونا چاہیے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی تو حقیقی اسلام کو دوبارہ اس دنیا میں قائم کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے نبی اور امام مہدی علیہ السلام کی صورت میں تشریف لائے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو کثرت سے اخبار غیبیہ عطا کی گئیں، تفسیر قرآن کا خاص علم دیا گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں!

'' مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ مجھے قرآن کے حقائق اور معارف کے سمجھنے میں ہر ایک روح پر غلبہ دیا گیا ہے۔ اور اگر کوئی مولوی میرے مقابل پر آتا جیسا کہ میں نے قرآنی تفسیر کے لئے بار بار اُن کو بُلایا تو خدا اس کو ذلیل اور شرمندہ کرتا سو فہم قرآن جو مجھ کو عطا کیا گیا یہ اللہ جلشانہٗ کا ایک نشان ہے۔'' (سراج منیر صفحہ 39)

اور جہاں تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کتابیں لکھیں ہیں ان کے بارہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں!

ارشاد حضورؑ ''سلسلہ تحریر میں مَیں نے اتمام حُجت کے واسطے مفصّل طور سے ستر پچھتر کتابیں لکھی ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک جداگانہ طور سے ایسی جامع ہے کہ اگر کوئی طالب حق اور طالب تحقیق ان کا غور سے مطالعہ کرے تو ممکن نہیں کہ اس کو حق وباطل میں فیصلہ کرنے کا ذخیرہ بہم نہ پہنچ جائے۔ کوئی پہلو ایسا نہیں رہ گیا جس کو ہم نے پورا نہ کیا ہو'' (ملفوظات جلد دہم صفحہ 229)

عربی زبان میں ہزاروں مفردات سکھائے گئے، آپ کی دعائیں کثرت سے قبول ہوئیں، اہل وعیال کے متعلق خدا تعالیٰ کی طرف سے الہاماً نیک

وصالح اولاد پیدا ہوئی، قادیان کا طاعون سے بچنا، جماعت احمدیہ کی ترقی کا واعدہ کہ دنیا کے کناروں تک پھیل جائے گی، نیز دو بڑے مظلوم بزرگوں کی شہادت ''شَاتَانِ تُذْبَحَان'' جس میں افغانستان میں دو بڑے مظلوم بزرگوں کی بابت جو افغانستان میں قتل کئے گئے پہلے ہی ان الفاظ میں خبر دی گئی تھی ''شَاتَانِ تُذْبَحَان'' ۔کہ دو بکرے ذبح کئے جائیں گے۔اور ان کے بعد اس ملک میں عذاب آئے گا جس میں بہت سے لوگ ہلاک ہونگے۔چنانچہ مولانا عبداللطیف صاحب اور مولانا عبدالرحمن صاحب قتل کئے گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام صاحبزادہ عبداللطیف شہید کے صبر واستقلال کے نمونہ کے بارہ فرماتے ہیں!''مولوی عبداللطیف صاحب شہید مرحوم کا نمونہ دیکھو لوکہ کس صبر اور استقلال سے انہوں نے جان دی ہے۔ایک شخص کو بار بار جان جانے کا خوف دلا یا جاتا رہا اور اس سے بچنے کی امید دلائی جاتی ہے کہ تو اپنے اعتقاد سے بظاہر تو بہ کردے تو تیری جان نہ لی جاوے گی مگر انہوں نے موت کو قبول کیا اور حق سے روگردانی پسند نہ کی۔اب دیکھو اور سوچو کہ اسے کیا کیا تسلی اور اطمینان خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہوگا کہ وہ زرا اس طرح پر دنیا و مافیہا پر دیدہ دانستہ لات مارتا رہا اور موت اختیار کرتا ہے اگر وہ زرا بھی توبہ کرتے تو خدا جانے کیا کچھ اس کی عزت کرنی تھی مگر انہوں نے خدا کیلئے تمام عزتوں کو خاک میں ملادیا اور جان دینی قبول کی۔کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ آخر دم تک اور سنگساری کے آخری لمحات تک ان کو مہلت توبہ کی دی جاتی ہے اور وہ خوب جانتے تھے کہ میرے بیوی بچے ہیں لاکھوں روپے کی جائیداد ہے دوست یار بھی ہیں۔ان تمام نظاروں کو وہ پیش چشم رکھ کر اس آخری موت کی گھڑی میں بھی جان کی پرواہ نہ کی۔۔''

(ملفوظات مطبوعہ انگلستان جلد 6 صفحہ 196)

لیکھرام کی ہلاکت کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آریہ دھرم تالیف 1895ء میں تصنیف فرمائی جس میں آپؑ نے فرمایا کہ اس کتاب کے لکھنے کی دو وجوہات بتائیں۔

اوّل۔یہ کہ قادیان کے آریہ سماجیوں نے بھی عیسائیوں کے نقش قدم پر چل کر آنحضرت ﷺ کی مقدس ذات پر گندے الزامات لگائے اس کی تشہیر کی۔

دوئم۔اس میں آپؑ نے فرمایا کہ پنڈت دیانند صاحب جو کہ آریہ سماج کے لیڈر تھے اپنی تالیفات میں آریہ سماج پر زور دے رہے تھے کہ وہ نیوگ کو اپنی بیویوں، بہو، بیٹیوں میں وید کے مسئلہ کے مطابق رائج کریں۔

''الیگزینڈر ڈوئی نامی شخص نے امریکہ میں الیاس ہونے کا دعویٰ کیا اور اعلان کیا کہ وہ اسلام کو مٹانے کے لئے کھڑا ہوا ہے اس کے مقابل حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام نے دعویٰ فرمایا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اسلام کی ترقی اور کامیابی کی بشارت دی ہے اور اعلان کیا ہے کہ مجھے خدا تعالیٰ نے اطلاع بخشی ہے کہ اس (ڈوئی) کے (آباد کردہ شہر) صیحون پر جلد تر ایک آفت آنے والی ہے۔(1903) اس کے بعد اس پر فالج کا حملہ ہوا اس کی بیوی اور بیٹا اس کے دشمن ہوگئے اور بالآخر مارچ 1907ء میں پاگل ہو کر فوت ہوگیا۔''(حقیقۃ الوحی صفحہ نمبر 71)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں!''کہ خدا تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ انصاف کرو عدل پر قائم ہو جاؤ اور اگر اس سے زیادہ کامل بننا چاہتے ہو تو پھر احسان کرو یعنی ایسے لوگوں سے سلوک کرو اور نیکی کرو جنھوں نے تم سے کوئی نیکی نہیں کی۔اور اگر اس سے بھی زیادہ کامل بننا چاہو تو محض ذاتی ہمدردی سے اور محض طبعی جوش سے بغیر نیت کے کسی شکر یا ممنون نیت کر کے بنی نوع سے نیکی کرو جیسا کہ ماں باپ بچے سے فقط اپنے طبعی جوش سے نیکی کرتے ہیں۔''

(لیکچر سیالکوٹ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر تو امت محمدیہ کا اس پر اجماع ہے کہ جب امت محمدیہ اندرونی اور بیرونی فتنوں میں گِھر جائے گی اور اس کی حالت یہود و نصاریٰ کی سی ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ مسیح موعود امام مہدی کو مبعوث فرمائے گا۔جو بیشک نبی ہوگا مگر امتی ہوگا اور متبع شریعت محمدیہ ہوگا۔اس کے ذریعہ سے اسلام دنیا کے تمام مذاہب پر غالب آئیگا۔اور یہی آج عالم اسلام میں ہو رہا ہے ہر اسلامی ملک ایک دوسرے پر الزام تراشی کرتا ہے اور اسلام بیشمار فرقوں میں بٹ چکا ہے اور ایک دوسرے پر کفر کی فتوے لگا کر ان پر زیادتیاں کر رہا ہے۔سنی شیعوں پر شیعہ فرقہ سنیوں پر فتوے لگا کر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔اس کے علاوہ اسلام میں تو ملانوں نے اسلام کو بیگاڑ کر رکھ دیا ہے ان کی مسجدوں میں سوائے ایک دوسرے کو گالی دینے کے اور اپنے مدرسوں

میں بجائے نیکی کا درس دینے کا سبق دینے کے کفر کے فتوے لگا کر ایک دوسرے پر ظلم وستم کرا رہے ہیں۔

ہر نبی کے زمانہ میں ان پر نا ماننے والوں نے ظلم وستم ڈھائے اور ان کے ماننے والوں پر بھی ایسے ہی ظلم وستم ڈھائے جو آج جماعت احمدیہ پر کئے جارہے ہیں۔اور یہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت ہے ۔جب ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے تو اس وقت عرب وعجم کا کیا حال تھا۔ بھائی بھائی کا دشمن تھا نا کسی کی جان محفوظ تھی اور نہ مال نہ عزّت بلکہ ہر طرف گمراہی ہی گمراہی نظر آتی تھی جس کا بیان کرنا ناممکن ہے۔تو پھر خدا تعالیٰ نے پیارے نبی کریم حضرت محمد مصطفی ﷺ کو دنیا کی طرف رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا۔جس سے سب بھائی بھائی بن گئے اور گمراہی کا خاتمہ ہوا۔

قرآن مجید میں پہلے لوگوں کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے!

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ (سورۃ یوسف)

ترجمہ: ان لوگوں کے ذکر میں عقلمندوں کے لئے ایک عبرت (کا نمونہ موجود) ہے۔

اس قرآن مجید کی آیت میں عقلمند انسانوں کے لئے عبرت ہے۔مگر آجکل کے مسلمان جاہل ملانوں کی باتوں میں آ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر گندے اور بودے الزامات لگاتے ہیں کہ نعوذ باللہ نبی کی بھلا کیا ضرورت ہے اور ہر جگہ یہ ملاں لوگ کہتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ تو خاتم الانبیاء ہیں ان کے بعد کسی اور نبی کی بھلا کیا ضرورت ہے ۔دراصل یہ خاتم کے اصل معنی سے بے خبر ہیں کہ خاتم کے اصل معنی مہر کے ہیں یعنی خاتَم ہے نا کہ خاتِم ۔خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دنیا میں تمام مذاہب والوں کی اصلاح کے لئے ہی بھیجا ہے۔ نیز بگڑے ہوئے اسلام کی حقیقت کو دنیا میں پیش کرنے کی لئے ہی بھیجا ہے۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جلد عالم اسلام کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دل سے ماننے کی توفیق بخشے۔اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مان کر خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑیں۔

ہمارے والدین نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مان کر ہماری نیک تربیت کے سامان پیدا کئے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں خدا تعالیٰ کے حکموں پر عمل کرنے کی توفیق بخشے اور احمدیت کے مخالفین کی باتوں پر عمل کرنے سے خدا تعالیٰ بچاتا رہے۔ ویسے خدا تعالیٰ نے ہمارے دلوں میں احمدیت کی حقیقت اور سچائی کو مخالفین سے مقابلہ بھی کرنے کی توفیق بخشی ہے۔آمین

جماعت احمدیہ کے مخالفین جن میں ان کے ملاں لوگ جماعت کے خلاف اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت میں گندے اور بودے الزامات لگا کر عوام النّاس کو جماعت احمدیہ کے خلاف بہکاتے ہیں اور ان سے احمدیوں پر ظلم وستم اور قتل بھی کروانے میں اپنے چیلے چانٹوں کی مدد اور راہنمائی کرتے ہیں۔یہی حال کافی عرصہ سے چلا آرہا ہے۔اور جب سے بھٹو کی حکومت نے ملانوں کے کہنے پر پاکستان کی اسمبلی میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا ہے نیز اس کے بعد ضیاء الحق نے بھی اس سے اور زیادہ نئے قوانین بنا کر احمدیوں پر ہر طرح سے پابندیاں لگوادیں کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہہ سکتے اور اگر وہ اسلام وعلیکم بھی کہیں تو ان کو جیل میں ڈال دیا جائے۔اسی طرح نہ صرف پاکستان میں بلکہ چند اسلامی ممالک میں بھی جماعت احمدیہ پر ظلم وستم اور ناانصافیاں کر کے ان کے حقوق پامال کئے جارہے ہیں۔اور اب تو ہماری مساجد کو بھی گرا کر اسلام کی خدمت کا نعرہ لگاتے ہیں۔دراصل عوام الناس کی جاہلیت کی وجہ سے یہ سب ہورہا ہے۔مگر وہ وقت بھی انشاء اللہ جلد آنے والا ہے جب جھوٹوں کو ہر طرف سے ناکامی ہی ناکامی ہوگی۔ اب تو خدا تعالیٰ کے فضل سے عیسائی ممالک میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اور جماعت احمدیہ کی صداقت اور انسان پروری کے چرچے ہورہے ہیں۔دراصل جماعت احمدیہ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے راہنمائی اور مدد اس طرح دی جاتی ہے کہ غیر از ممالک کو علم ہوتا جارہا ہے کہ جو انسانیت کی مدد اور حوصلہ افزائی جماعت کے ممبران ہر ملک میں کرتے ہیں وہ دوسرے مسلمانوں میں زرہ بھر نہیں۔مگر غیر از جماعت کے ملاں اپنی دال روٹی کی خاطر عوام الناس کو بہکا کر جماعت کی مخالفت میں لگے رہتے ہیں۔اور ان کے مدرسوں میں اسلام تو کیا غلط حرکات سکھائی جاتی ہیں ۔بلکہ اب تو ان کے مدرسوں میں جو غلط کام ہورہے ہیں وہ غلط کرتوتیں اب دنیا کے سامنے آتی جارہی ہیں۔اور عوام کو اس طرح جماعت کو بدنام کرتے ہیں کہ

انہوں نے نیا اسلام بنالیا ہے۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کا خوف کریں کہ ان کا انجام بھی ویسا ہی نا ہو جائے جو پہلے انبیاء کے مخالفوں کا ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ ان کو عقل و شعور دے اور خدا تعالیٰ کے پیارے حضرت مسیح موعود مہدیٔ موعود علیہ السلام کو جلد ماننے والے بن جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کیا یہ لوگ اپنی روگردانی سے خدا کے سچّے ارادہ کو روک دیں گے جو ابتداء سے تمام نبی اس پر گواہی دیتے آئے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی یہ پیشگوئی عنقریب سچی ہونے والی ہے کہ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ (المجادلہ۔کشتی نوح)

نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں'' کہ ایسا ہی اس نے نبیوں کی پیشگوئی کے موافق زمین پر بھی دو نشان ظاہر فرمائے ایک وَاِذَا الۡعِشَارُ عُطِّلَتۡ ۔ اور حدیث میں ہے کہ ارض حجاز میں یعنی مدینہ اور مکہ کی راہ میں ریل بھی طیار ہو رہی ہے۔'' (بلکہ ہو بھی گئی ہے۔سید حسن خان)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی جماعت کو نصیحت فرماتے ہیں'' کہ تم اپنے وہ نمونے دکھلاؤ جو فرشتے بھی آسمان پر تمہارے صدق و صفا سے حیران ہو جائیں اور تم پر درود بھیجیں۔تم ایک ایسی راہ اختیار کرو تا تمہیں زندگی ملے۔ اور تم نفسانی جوشوں سے اپنے اندر کو خالی کرو تا کہ خدا اس میں اُترے ایک طرف سے پختہ طور پر قطع کرو اور ایک طرف سے کامل تعلق پیدا کرو۔خدا تمہاری مدد کرے۔'' (کشتی نوح صفحہ 111)

آنحضرت ﷺ کا ایک صاحبزادہ ابراھیم حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن مبارک سے اس وقت پیدا ہوا جب آیت خاتم النبیّین نازل ہو چکی تھی۔قضاء الٰہی سے فوت ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا!

''ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے اپنے پیارے بیٹے ابراھیم کی وفات پر لَوۡ عَاشَ اِبۡرَاھِیۡمُ لَکَانَ صِدِّیۡقًا نَبِیًّا فرمایا کہ اگر ابراھیم زندہ رہتا تو ضرور نبی ہوتا۔ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اس کے جنازہ کے ساتھ نکلے اور دوسرے لوگ بھی ساتھ تھے۔آپ ﷺ نے اسے دفن کیا اور اپنا ہاتھ اس کی قبر میں داخل کر کے فرمایا خدا کی قسم وہ نبی ہے نبی کا بیٹا ہے۔ پھر آپ ﷺ رو پڑے اور دوسرے لوگ بھی رو پڑے۔''(روایت الفتاویٰ۔الحدیث صفحہ 150)

اس حدیث مبارکہ سے تو پھر اس کا مطلب ہوا کہ اگر ابراھیم زندہ رہتے تو وہ بھی نبی بن جاتے اور ان کی وفات ہی صرف ان کی روک ہوئی اگر ختم نبوت کسی امتی کے نبی بننے میں روک ہوتی تو آپ فرماتے کہ اگر میرا بیٹا زندہ رہتا تو بھی نبی نہ بن سکتا۔لیکن آنحضرت ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا۔

''ہمارے پیارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ایک بہت پیاری حدیث ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ قریب ہے کہ وہ زمانہ آئے جس میں اسلام کا صرف نام رہ جائے گا اور قرآن کریم کے نقش رہ جائیں گے۔ان کی مسجدیں آباد ہونگیں مگر دراصل ہدایت سے خالی ہونگی اور ان کے علماء آسمان کے نیچے بدترین ہونگے (کیونکہ) ان کے پاس سے ہی فتنے نکلیں گے اور ان کی طرف ہی لوٹ کر جائیں گے۔'' (مشکوٰۃ المصابیح صفحہ 36)

ہمارے پیارے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ کی اس حدیث مبارکہ کے علاوہ حضرت امام رازیؒ کا ایک قول ہے۔حضرت امام رازیؒ فرماتے ہیں'' کہ تمہیں علم ہونا چاہئے کہ اب یہی یہود و نصاریٰ کا حال بعینہٖ امت محمد ﷺ کا حال بھی ہے کیونکہ مسلمانوں میں سے ہر ایک فرقہ دوسرے کو کافر قرار دے رہا ہے۔حالانکہ سارے فرقے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔اس اجتماعی انتشار کے علاوہ انفرادی حالات بھی سخت تکلیف دہ حالت تک پہنچے ہوئے ہیں۔ان کے متعلق بھی آنحصرت ﷺ نے مسلمانوں کو پہلے ہی متنبہ کر دیا تھا۔ '' (التفسیر الکبیر جزاء 439)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی صداقت اور غیر از جماعت اور دیگر مذاہب کے ردّ پر 300 سے زائد کتب اور اشتہارات لکھے۔اور اس زمانہ کے عیسائیوں اور ہندوؤں پر حجت پوری کی گئی ایسا ہی سکھوں پر بھی حجت کو پورا فرمایا۔نیز آپ نے اپنی کتاب ست بچن میں فرمایا!

''میں نے ست بچن میں ثابت کر دیا کہ بابا نانک صاحب دراصل مسلمان تھے۔اور ان لوگوں میں سے تھے جن کا دل غیر کی محبت اور انس سے پاک کیا جاتا ہے اور ان کا چولہ جس کو وہ پہنتے تھے اب تک ڈیرہ نانک میں موجود ہے جس پر قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔''

(ضمیمہ نمبر 2 ترقیاق القلوب صفحہ 18۔19)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اور اسلام کے بارہ جو کتب لکھی گئی ہیں ان سب کی صداقت پر اس وقت کے علماء کرام نے بھی اپنے نیک خیالات کا اظہار اس طرح فرمایا ہے۔ جو کہ میں ان کو بھی بیان کرتا ہوں!

نمبر 1۔ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے اپنے اخبار وکیل امرتسر 20 جولائی 1900ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر مدلل بیان شائع کیا۔ اس میں سے مَیں چند ضروری الفاظات کا ذکر ضروری بیان کرتا ہوں۔" مولانا ابوالکلام آزاد صاحب بیان کرتے ہیں۔

"اگرچہ مرزا صاحب نے علوم مروجہ اور دینیات کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی مگر ان کی زندگی کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک خاص فطرت لے کر پیدا ہوئے تھے۔ جو ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہوسکتی۔ انہوں نے اپنے مطالعہ اور فطرتِ سلیمہ کی مدد سے مذہبی لٹریچر پر کافی عبور حاصل کیا۔ نیز کہا کہ اسلام اپنے گہرے رنگ کے ساتھ ان پر چھایا ہوا ہے کبھی وہ آریوں سے مباحثے کرتے ہیں اور کبھی حمایت اسلام سے اور کبھی حقیقتِ اسلام میں وہ کتابیں لکھتے ہیں۔ اور ان کی کتاب براہین احمدیہ نے غیر مسلموں کو مرعوب کر دیا اور اسلامیوں کے دل بڑھا دیئے ہیں۔"

نمبر 2۔ اس کے علاوہ اس زمانہ کے چند اخبارات میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کو بیان کیا ہے۔ سید ممتاز علی صاحب نے تہذیب نسواں (لاہور) میں لکھا ہے کہ!

"ان کی ہدایت و راہنمائی مردہ روحوں کے لئے واقعی مسیحائی تھی"۔

نمبر 3۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ (علی گڑھ)۔ انہوں نے لکھا کہ" مرحوم ایک مانے ہوئے مصنّف اور مرزائی فرقہ کے بانی تھے۔ 1874ء سے 1876ء تک شمشیر قلم عیسائیوں آریوں اور برہموں کے خلاف خوب چلایا۔ آپؑ نے 1880ء میں تصنیف کا کام شروع کیا آپؑ کی پہلی کتاب اسلام کے ڈیفینس میں تھی۔ جس کے جواب میں آپؑ نے 10 ہزار روپیہ انعام رکھا تھا۔۔۔ آپؑ نے اپنی تصنیف کردہ اسّی 80 کتابیں پیچھے چھوڑی ہیں جس میں سے بیس عربی زبان میں ہیں۔۔۔ بے شک مرحوم اسلام کا ایک بڑا پہلوان تھا۔"

(بحوالہ تشحیذ الاذہان جلد 3۔ 1908ء)

نمبر 4۔ صادق الاخبار (ریواڑی) خواجہ حسن نظامی دہلوی صاحب (اخبار

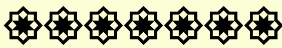


اللہ تعالیٰ مومن سے دوست کا واسطہ رکھتا ہے

• حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

"یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا۔ تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔ پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے۔"

(رسالہ الوصیت، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 309)



منادی) میں لکھتے ہیں!

" مرزا غلام احمد صاحب اپنے وقت کے بہت بڑے فاضل بزرگ تھے۔ آپ کی تصنیف کے مطالعہ اور آپ کے ملفوظات کے پڑھنے سے بہت فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اور ہم آپ کے تبحرِ علمی اور فضیلت و کمال کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے"۔ (اخبار منادی 27 فروری 1930ء)

نمبر 5۔ مولوی ظفر علی خان صاحب" ہندو اور عیسائی مذہبوں کا مقابلہ مرزا صاحب نے نہایت قابلیت سے کیا ہے۔ آپ کی تصانیف سرمہ چشم آریہ اور چشمہ مسیحی وغیرہ آریہ سماجیوں اور مسیحیوں کے خلاف نہایت اچھی کتابیں لکھی ہیں"۔

نمبر 6۔ مولوی عبد الماجد صاحب دریا بادی۔" مرزا صاحب تو بہر حال اپنے تئیں مسلمان اور خادم اسلام کہتے ہیں اور مسیحیوں، آریوں، ملحدوں کے جواب میں سینکڑوں ہزاروں صفحے لکھے ہیں۔

(اخبار سچ بحوالہ پیغام صلح 26 جنوری 1916ء)

نمبر 7۔ ایوننگ ٹائمز۔" اس میں لکھتا ہے! مرزا صاحب ایک اعلیٰ

درجہ کے مصنّف تھے۔ آپ نے ستر 70 کے قریب کتابیں لکھیں اور آپ کی مشہور کتاب براہین احمدیہ میں 300 دلائل حقیقتِ اسلام کی تائید میں موجود ہیں''۔ (ایوننگ ٹائمز ویسٹ بابت 23 اگست 1916ء)

اس طرح میونسپل گزٹ دھلی، کرزن گزٹ دہلی وغیرہ اور اُس وقت کے بہت سے اخبارات نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اور آپؑ کی تصانیف پر بے حد تعریف کے کلمات استعمال کئے۔

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی تو عقل و شعور رکھنے والوں کے دلوں میں گھر چکی تھی۔ جو حالات اُس وقت مسلمانوں کے اور مسلمانوں کے عقائد کے تھے۔ کیا عیسائی اور کیا ہندو اور آریہ اسلام پر پے در پے حملے کر کے مسلمانوں کو عیسائی بنا رہے تھے۔ مگر آجکل کے جاہل ملاؤں نے مسلمانوں کو دوسری قوموں کے غلام اور محکوم بنا دیا ہے۔ ان کے حکموں پر عمل کر کے اسلام میں تفرقے ڈالتے ہیں اور ایک دوسرے کو کافر اور مرتد کہہ کر ان کو واجب القتل قرار دیتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت اسلام اور مخلوق خدا کے لئے ایک محافظ بن چکی ہے۔ جیسا کہ ہمارے پیارے آقا و مولیٰ آنحضرت ﷺ نے چودہ سو سال پہلے فرمایا دیا تھا کہ اس وقت کے علماء بد ترین مخلوق ہوں گے اور یہی کچھ ہم آجکل خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

یقین مانیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ کی اولادیں خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہیں کہ ہمارے بڑوں اور والدین نے حضرت مسیح موعود مہدیٔ موعود علیہ السلام کو مانا اور قربانیاں دیں جس کے پھل ان کی نسلیں آج کھا رہی ہیں۔ یہ خاکسار بھی ایک صحابی کی نسل میں سے ہے اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ پیارے خدا تعالیٰ نے ہمیں بزرگوں کی قربانیوں کے صدقے سچا مسلمان بنایا اور ہمیں اسلام اور احمدیت کا سچا شعور عطاء فرمایا۔ ورنہ نا جانے ہم بھی ان ظالم ملانوں کے پیچھے لگے ہوتے اور اسلام کا حلیہ بگاڑ رہے ہوتے۔ مجھے یاد ہے جب خاکسار ریلوے میں کام کرتا تھا تو اُدھر دو بھائی غیر احمدی بھی کام کرتے تھے ان سے جب میری اسلام کے بارہ بات ہوتی تو میں ان کے ہر سوال کا جواب دے کر ان کو ناکام کر دیتا۔ تو اس پر وہ ہمیشہ کہا کرتے کہ خان صاحب آپ کو تو اسلام کا بڑا علم ہے۔ تو میں یہی کہتا کہ میرے بڑوں نے آنے والے مسیح موعود اور مہدی موعود علیہ السلام کی صداقت کو مانا جس سے ہمیں بھی اسلام کی حقیقت معلوم ہوئی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں'' مَیں بار بار کہتا ہوں اور بلند آواز سے کہتا ہوں کہ قرآن اور رسول کریم ﷺ سے سچّی محبت رکھنا اور سچّی تابعداری اختیار کرنا انسان کو صاحبِ کرامات بنا دیتا ہے۔ اور اُسی کامل انسان پر علوم غیبیہ کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اور دنیا میں کسی مذہب والا روحانی برکات میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ مَیں اس میں صاحبِ تجربہ ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ بجز اسلام تمام مذاہب مردے، ان کے خدا مردے اور خود وہ تمام پَیرو مردے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق ہو جانا بجز اسلام قبول کرنے کے ہرگز ممکن نہیں ہرگز ممکن نہیں۔''

(ضمیمہ رسالہ انجام آتھم صفحہ 61-62)

آجکل کے ملاں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی پیاری جماعت احمدیہ پر دن رات ایسے ایسے بیہودہ الزامات لگا کر اپنے عوام کو جماعت پر ظلم و ستم کرواتے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر الزام لگاتے ہیں کہ آپؑ نے نبوت کا دعویٰ کر کے آنحضرت ﷺ کی ختم نبوت کو نعوذ باللہ ختم کر دیا ہے۔ اس بارہ جناب نواب صدیق حسن خان صاحب نے فرمایا ہے کہ'' جب امام مہدی علیہ السلام سُنّتِ رسول کو جاری کرنے اور بدعت کو مٹانے کی جنگ میں مصروف ہوں گے علمائے زمانہ جو اپنے فقہاء کی تقلید اور اپنے مشائخ کی اقتداء کے خوگر ہیں کہیں گے کہ یہ شخص تو ہمارے دین و ملّت کے طریق کے برخلاف ہے۔ اس لئے اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو جائیں گے اور اپنی سابقہ عادت کے موافق ان کو کافر اور گمراہ قرار دینے لگیں گے''

(حجج الکرامہ صفحہ 363 مطبوعہ 1291)

لہٰذا اس جگہ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جہاں تک علماء کے کفر کے فتویٰ کا تعلق ہے کوئی فرقہ اس سے محفوظ نہیں رہا۔ سب ایک دوسرے کو اسلام کے خلاف اور کافر قرار دیتے ہیں۔ اور ہم احمدی خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمیں خدا تعالیٰ نے وقت کے امام کو ماننے والوں کی اولاد میں پیدا کیا جنھوں نے حضرت مسیح موعود مہدیٔ علیہ السلام کو مانا اور قربانیاں بھی دیں

اور اپنے گھر بھار اور عزیزوں سے الگ ہو کر قربانیاں دیں۔ ورنہ ہم بھی نا جانے ان جھوٹے اور جاہل ملاؤں کی تقلید کر رہے ہو کر جماعت احمدیہ کے خلاف ہوتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ''ہم مسلمان ہیں۔ خدائے واحد لاشریک پر ایمان لاتے ہیں اور کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے قائل ہیں اور خدا کی کتاب قرآن اور اس کے رسول محمد ﷺ کو جو خَاتَمُ الْاَنْبِیَاء ہے مانتے ہیں اور فرشتوں اور یوم البعث اور دوزخ اور بہشت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں اور اہل قبلہ ہیں اور جو کچھ خدا اور رسولؐ نے حرام کیا اس کو حرام سمجھتے ہیں اور جو کچھ حلال کیا اس کو حلال قرار دیتے ہیں اور نہ ہم شریعت میں کچھ بڑھاتے اور نہ کم کرتے ہیں اور ایک ذرہ کی کمی بیشی نہیں کرتے اور جو کچھ رسول ﷺ نے ہمیں پہنچایا اس کو قبول کرتے ہیں چاہے ہم اس کو سمجھیں یا اس کے بھید کو سمجھ نہ سکیں اور اس کی حقیقت تک پہنچ نہ سکیں اور ہم اللہ کے فضل سے مؤمن موحدّ مسلم ہیں''۔

(نور الحق جزء اوّل صفحہ 5)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی ایک نظم میں فرماتے ہیں!

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اُس کا ہے محمدؐ دِلبر مرا یہی ہے
سب ہم نے اس سے پایا شاہد ہے تو خدایا
وہ جس نے حق دکھایا وہ راہنما یہی ہے۔

غیر احمدی ملاں کیوں ہم احمدیوں کو کہتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو غیر مسلم کیوں نہیں مانتے وہ اس لئے کہ

احمدی اس بارہ بالکل بے اختیار ہیں۔ اگر کسی جمہوری اکثریت کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی جمہوری اقلیت کے مذہب کا نام تجویز کرے تو اس اقلیت کو یہ حق کیوں نہیں کہ خود اپنا نام اپنے عقائد کے مطابق رکھے۔ پس جب تک کوئی قانون کسی ملک میں نافذ کیا جائے کہ ملکی دستور میں جس شخص کو غیر مسلم قرار دیتا ہے اسے حق سے محروم کرتا ہے کہ قرآن کریم کو کلام الٰہی یقین کرے اور آخری واجب الاطاعت شریعت قرار دے۔ اسے اس بات پر مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ خود ہی اپنی واجب الاطاعت شریعت کی صریح خلاف ورزی کرے۔ پس اگر اکثریت کو یہ حق حاصل ہے تو احمدی کو اس عقیدہ کے خلاف کچھ قرار دے تو احمدی کو بدرجہ یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے آپ کو وہی قرار دے جو اس کا عقیدہ ہے۔ لہٰذا اسے قانون شکنی قرار دینا تمسخر نہیں تو اور کیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اور آپؑ کی پیاری جماعت کی سچائی کی ایک اور بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس جماعت کی بہتری اور نشوونما کی خاطر خلفاء کرام کا سلسلہ بھی جاری فرمادیا ہے۔ جو کہ اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے پیارے پانچویں خلیفہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ ہیں جن کی قیادت میں یہ جماعت دن بدن ساری دنیا میں اپنی نیکی اور حقیقت کی وجہ سے ترقی پذیر ہے۔ اس حقیقت کو یہ ملاں لوگ خود تسلیم کرتے ہیں۔ اور ان کو کرنا ہی پڑے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''ایک طرف حضرات مولوی صاحبان کہہ رہے ہیں کہ کسی طرح اس شخص کی بیخ کنی کرو اور ایک طرف الہام ہوتا ہے یتربّصون عَلَیْکَ الدَّوَائرَ عَلَیْھِم دَائِرَۃُ السَّوْء اور ایک طرف وہ کوشش کر رہے ہیں کہ اس شخص کو سخت ذلیل اور رسوا کریں اور ایک طرف خدا وعدہ کر رہا ہے کہ اِنِّی مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اَھَانَتَکَ ۔ اللّٰہُ اَجْرُکَ ۔ اللّٰہُ یُعْطِیْکَ جَلَالَکَ۔ اور ایک طرف مولوی فتوے پر فتوے لکھ رہے ہیں کہ اس شخص کی ہم عقیدگی اور پیروی سے انسان کافر ہو جاتا ہے اور ایک طرف خدا تعالیٰ اپنے اس الہام پر بتواتر زور دے رہا ہے کہ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ غرض یہ تمام مولوی صاحبان خدا تعالیٰ سے لڑ رہے ہیں اب دیکھیے کہ فتح کس کی ہوتی ہے۔''

(حوالہ کتاب نشان آسمانی صفحہ نمبر 73)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب ضرورۃ الامام میں فرماتے ہیں۔

''اگر میں حَکم نہیں ہوں تو میرے نشانوں کا مقابلہ کرو۔ میرے مقابل پر جو اختلاف عقائد کے وقت آیا ہوں اور سب بحثیں نکمّی ہیں۔ صرف حَکم کی بحث میں ہر ایک کا حق ہے جس کو مَیں پورا کر چکا ہوں۔ خدا نے مجھے چار نشان دیئے ہیں۔

نمبر 1۔مَیں قرآن شریف کے معجزہ کے ظِل پر عربی بلاغت فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں۔کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

نمبر 2۔مَیں قرآن شریف کے حقائق معارف بیان کرنے کا نشان دیا گیا ہوں۔کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔

نمبر 3۔مَیں کثرتِ قبولیت دُعا کا نشان دیا گیا ہوں۔کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔مَیں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میری دُعائیں تیس ہزار کے قریب قبول ہو چکی ہیں۔اور ان کا میرے پاس ثبوت ہے۔

نمبر 4۔مَیں غیبی اخبار کا نشان دیا گیا ہوں۔کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔یہ خدا تعالیٰ کی گواہیاں میرے پاس ہیں۔اور رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئیاں میرے حق میں چمکتے ہوئے نشانوں کی طرح پوری ہوئیں۔''

(حوالہ ضرورۃ الامام صفحہ نمبر 45)

آجکل کے ملاں لوگوں نے مسلمانوں کے اخلاق اور اسلام کے ہر حکم کو بالکل نابود کر چھوڑا ہے۔کیا اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ کسی کے عبادت خانوں کو گراؤ جہاں پر خدا تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے اور جہاں پر ایک احمدی یا مسلمان اپنے پیارے خدا تعالیٰ کے آگے جھکتا ہے اور اس کی عبادت کرتا ہے ۔ یہ جھوٹے ملاں لوگ عوام کو بہکا کر مساجد کو گراتے ہیں ۔کیا یہ اسلام ہے اور کیا آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کبھی ایسا ہوا کہ مسلمانوں نے کسی دوسرے مذہب والے کی عبادت گاہ کو گرایا ہو کبھی نہیں ۔ یہ جاہل لوگ جماعت احمدیہ کی مساجد کو گرانے کے در پے ہیں۔بجائے احمدی مسلمان کے سامنے بیٹھ کر جس بارہ بھی کوئی اختلاف ہو اس کو بیٹھ کر پوچھیں اور اگر ان کے دل میں ہمارا عقیدہ اور اسلامی اقدار میں کوئی غلطی ہے تو بات کریں۔مگر وہ یہ کرنے سے کتراتے ہیں کیونکہ ان کو علم ہے کہ وہ جماعت کی سچائی کو غلط نہیں کہہ سکتے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی ہی تو ہے جو احمدیت خدا تعالیٰ کے فضل سے کُل عالم میں پھیلتی جا رہی ہے اور ہر مذہب کے لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی اور احمدیت کی سچائی کو مان کر احمدیت میں داخل ہوتے جا رہے ہیں ۔ اور اسی میں ہی خدا تعالیٰ کی رضا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مان کر خدا تعالیٰ کی برکتیں اس پیاری جماعت پر نازل ہو رہی ہیں اور یہی جماعت ہے جو دنیا کے کونے کونے میں اسلام کی سچائی کو پھیلانے میں اور انسانیت کی ہمدردی کرنے میں سرگرم ہے۔بعض نادان اور ناوقف لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ سچے نبی کو واضح نشانات دیئے جاتے ہیں اور وہ دلائل بیّنہ اپنے ساتھ لاتا ہے تو اس کی مخالفت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔مگر اس کے جواب میں قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا کہ ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن بنائے ہیں۔(سورۃ الانعام آیت 112)

اس کا مطلب ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی دلیل ہی یہ ہے کہ مخالف لوگ مخالفت کرتے نہیں تھکیں گے اور نعوذ باللہ حضرت مسیح موعود ومہدی موعود علیہ السلام کو اور آپ کی پیاری جماعت کو جھوٹا قرار دینے کی کوشش میں ہی لگے رہیں گے مگر ان کی کوششوں سے جماعت کو کوئی نقصان تو کیا ان کی مخالفت اور بکواس سے احمدیت کی مقبولیت انشاء اللہ تعالیٰ اور بڑھتی چلی جائے گی۔اور خدا تعالیٰ نے صاف طور پر بتا دیا ہے کہ مخالف لوگ مخالفت اس لئے کرتے ہیں کہ اس موعود کی صداقت ظاہر ہو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سورۃ المرسلٰت میں فرماتا ہے وَإِذَا الرُّسُلُ أُقِّتَتْ (12)

ترجمہ۔اور جب سب رسول اپنے وقتِ مقررہ پر لائے جائیں گے۔

تفسیر القرآن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یعنی ایک ایسا مامور کھڑا ہوگا جسے سب نبیوں کے نام دیئے جائیں گے۔یعنی اس کے متعلق موسیٰؑ۔عیسیٰؑ۔کرشنؑ۔رامچندرؑ اور بدھؑ سب کی پیشگوئیاں ہوں گی۔اسی طرح بعد کے ولیوں کی جیسے امام سرہندیؒ۔اور نعمت اللہ ولی اللہؒ وغیرہ کی پیشگوئیاں بھی ہوں گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ایک شعر میں فرمایا!

مَیں کبھی آدمؑ کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوب ہوں
نیز ابراھیمؑ ہوں نسلیں ہیں میری بیشمار۔

اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود ومہدی موعود علیہ السلام کے آنے سے صاف بتلا دیا کہ میرے اس مہدی موعود علیہ السلام کا آنا سب انبیاء کے روپ میں آنا ہے۔اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اپنی حدیث

مبارکہ میں فرمادیا تھا کہ مسیح موعود علیہ السلام کا ظہور ہوگا جس سے اسلام کا دوبارہ احیاء ہوگا۔ اور وہی ہو کر رہے گا ملاں جاہلوں کو جتنی بھی کوشش کرنی ہے کرتے رہیں مگر انشاء اللہ حضرت مسیح موعود ومہدی موعود علیہ السلام کی صداقت ساری دنیا میں پھیل کر رہے گی اور احمدیت کا چرچہ ساری دنیا میں ہوتا چلا جائے گا۔

قرآن مجید کی سورۃ قیامت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **وَخَسَفَ الْقَمَرُ۔ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ۔**

ترجمہ! چاند کو خسوف لگے گا۔ اور سورج اور چاند دونوں کو خسوف کی حالت میں جمع کر دیا جائے گا۔

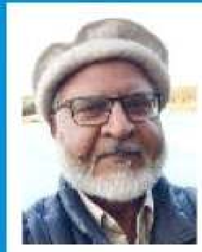
حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر میں بتایا ہے کہ یہ آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والی ایک اہم پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے یعنی رمضان کے مہینہ میں سورج اور چاند کو گرہن لگنے کی طرف ہے۔ جو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت پر یہ واقعہ ہوا اور ساری دنیا نے اس نظارہ کو بھی دیکھا۔ مگر آجکل کے جاہل ملاں ابھی بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کو جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔

حضرت مسیح موعود ومہدی موعود علیہ السلام کی صداقت کو یہ جاہل لوگ کبھی بھی جھٹلا نہیں سکیں گے۔ آپ علیہ السلام کی صداقت تو روز روشن کی طرح ساری دنیا میں پھیلتی جا رہی ہے اور ساری دنیا کے لوگ آپ علیہ السلام اور جماعت احمدیہ پر ایمان لاتے جا رہے ہیں اور آپؑ کی تعلیم اور آپ کے ماننے والوں کی تعداد انشاء اللہ تعالیٰ دن بدن ساری دنیا میں پھیلتی چلی جائے گی۔ اور ہمارے مخالفین کو اللہ تعالیٰ کبھی بھی خوشی اور کامیابی کا موقع نہیں دے گا۔ اور وہ نامراد ہی ہو کر رہیں گے۔

آخر میں اس عاجز کی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میری اولاد در اولاد کو احمدیت کے سچے خادم بنائے اور خلیفۂ وقت کے سچے خادم اور آپ کی تعلیم اور حکموں پر عمل کرنے والے بناتا چلا جائے۔ ہم اور ہماری اولاد احمدیت اور خلیفۂ وقت کی دعاؤں سے ہمیشہ مستفیض ہوتے چلے جائیں۔ آمین

سید حسن خان نواسہ سید احمد نور کابلیؓ

☆☆☆☆☆☆☆



نظم

جلسے کا پا لیا ہے خزینہ تو سوچنا

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

جلسے کا پا لیا ہے خزینہ تو سوچنا
گزرا ہے برکتوں کا مہینہ تو سوچنا

آیا ہے اور چل دیا جلسہ پھر ایک بار
دے کر گیا ہے دل کو سکینہ تو سوچنا

ہے جرمنی کو فخر کہ آیا وہ بادشاہ
پُر نور جب ہو دل کا مدینہ تو سوچنا

آئینہ گرچہ ماند پڑا تھوڑی دیر کو
اب گر چمک اٹھا ہے نگینہ تو سوچنا

ایمان میں ہے تازگی کچھ ایسے بھر گئی
سستی سے دور زندگی جینا تو سوچنا

اٹھتے ہیں نیک سارے ارادہ لئے ہوئے
اس میں ہے گر دعا کا قرینہ تو سوچنا

ڈالیں جو کارکردگی پر اپنی اک نظر
اور دیکھیں پھر خدا کا سفینہ تو سوچنا

با قاعدہ کریں گے تہجّد کا التزام
ہو گا قیام اب جو شبینہ تو سوچنا

جلسے نے آکے پھر سے سبھی کو ملا دیا
پھر مل گیا دلوں کو دفینہ تو سوچنا

ہر سال جلسہ ایسے ہی آئے خدا کرے
اور ساتھ اپنے رحمتیں لائے خدا کرے

توفیق گر ملے ہمیں شامل ہوا کریں
جلسے کی برکتوں کے بھی حامل ہوا کریں



پہلا احمدی مسلمان نوبیل انعام یافتہ سائنسدان
ڈاکٹر محمد عبدالسلام ایک زندہ جاوید شخصیت

(انجینئر محمود مجیب اصغر)



The Nobel Prize shows that ideas can change the world .The courage , creativity and perseverance of the Nobel Laureates inspire us and give us hope for future.

نرفع درجات من نشآء وفوق کل ذی علم علیم (یوسف: 77) یعنی ہم جسے چاہیں درجات کے لحاظ سے بلند کرتے ہیں اور ہر علم رکھنے والے سے برتر ایک صاحب علم ہے۔

ایک عظیم الشان پیشگوئی

بانیٔ جماعت احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں؛

" خدا تعالیٰ نے مجھے بار بار خبر دی ہے کہ وہ مجھے بہت عظمت دے گا اور میری محبت دلوں میں بٹھائے گا اور میرے سلسلہ کو تمام زمین میں پھیلائے گا اور سب فرقوں پر میرے گروہ کو غالب کرے گا اور میرے گروہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کے رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے اور ہر ایک قوم اس چشمہ سے پانی پئے گی اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا اور پھولے گا یہاں تک کہ زمین پر محیط ہو جاوے گا۔ بہت سی روکیں پیدا ہوں گی اور ابتلا آئیں گے مگر خدا سب کو درمیان سے اٹھا دے گا اور اپنے وعدہ کو پورا کرے گا۔ اور خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ سوا ے سننے والو! ان باتوں کو یاد رکھو۔ اور ان پیش خبریوں کو اپنے صندوقوں میں محفوظ رکھ لو کہ یہ خدا کا کلام ہے جو ایک دن پورا ہوگا" (تجلیات الٰہیہ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 410.409)

نوبیل انعام یافتہ سائنسدان

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث مرزا ناصر احمد رحمہ اللہ کے دور خلافت میں علم و معرفت میں کمال حاصل کرنے والے پہلے احمدی مسلمان سائنسدان پروفیسر ڈاکٹر محمد عبدالسلام صاحب ہیں جنہیں 1979ء میں دو امریکی سائنسدانوں شلڈن گلاشو اور سٹیون وین برگ کے ساتھ فزکس میں نوبیل انعام ملا۔

عزت اور مرتبہ کا مقام

آپ کے نوبیل انعام ملنے پر پورے عالم اسلام، پاکستان اور تیسری دنیا میں خاص طور پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے انہیں مبارکباد کا تار دیا اور فرمایا" سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ میری طرف سے اور جماعت احمدیہ کی طرف سے پرخلوص دلی مبارکباد قبول کریں۔ احمدیت اور تمام پاکستانیوں کو آپ پر فخر ہے کہ وہ پہلا مسلمان سائنسدان اور پاکستانی جس کو انعام ملا وہ ایک احمدی ہے۔ خدا تعالیٰ مستقبل میں آپ کو اپنی تائید ونصرت سے نوازتا رہے" (روزنامہ الفضل ربوہ 17 اکتوبر 1979ء)

صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے بھی مبارکباد کو تار دیا اور کہا کہ آپ نے یقیناً پاکستان کی عظمت اور سرفرازی کو نئی تابانی بخشی ہے۔ اور انہیں اعلیٰ ترین سول ایوارڈ نشان امتیاز دیا" (جنگ کراچی 16 اکتوبر 1979ء)

مکہ معظّمہ کے ایک اخبار نے لکھا" ایک مسلمان پاکستانی عالم کا اس انعام کا حصول سارے عالم اسلامی کے لئے شرف وعزت کا موجب اور ان کی محنت کا ثمرہ ہے۔" (العالم الاسلامی 19 نومبر 1979ء)

لجنہ اماء اللہ مرکزیہ ربوہ کے سالانہ اجتماع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے

فرمایا" ڈاکٹر سلام کی عزت اور مرتبہ کا یہ مقام ہے کہ اگر کوئی کانفرنس ہو رہی ہو اور اس میں روس، امریکہ اور۔ دیگر ممالک کے چوٹی کے سائنسدان شریک ہوں اور یہ بعد میں کانفرنس ہال میں داخل ہوں تو جونہی یہ داخل ہوتے ہیں سارے لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں لیکن ان کی اپنی یہ حالت ہے کہ جسے انگریزی میں unassuming کہتے ہیں۔کسی کی پرواہ نہیں،کوئی خیال نہیں کہ میں اتنا بڑا انسان ہوں۔ نہ آرام کا خیال نہ کپڑوں کا خیال۔ آپ ان سے ملیں تو عام انسانوں جیسا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وہ بالکل نہیں جانتے کہ میں اتنا بڑا سائنسدان ہوں اور دوسروں میں اور مجھ میں کوئی فرق ہے" (خطاب سالانہ اجتماع لجنہ اماء کے اللہ مرکزیہ ربوہ 20 اکتوبر 1979ء بحوالہ پہلا احمدی سائنسدان صفحہ 35.34)

چلڈرن سٹوری بک

معروف احمدی خاتون سائنس دان مکرمہ منصورہ شمیم صاحبہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے جنیوا سوئٹزرلینڈ میں سرن میں ہگز بوسان پارٹیکل کی دریافت میں کام کرنے کا موقع دیا بیان کرتی ہیں ۔''میں نے بچپن میں ایک چھوٹی سی کتاب ۔ پہلا احمدی مسلمان سائنسدان عبدالسلام ۔ مرتبہ مکرم محمود مجیب اصغر صاحب پڑھی تو لفظ پہلا میرے ذہن میں چمٹ گیا اور یہ چیز شعوری یا غیر شعوری طور پر مجھے فزکس کے میدان کی طرف لے گئی۔۔۔''

(الفضل ڈائجسٹ مرتبہ محمود احمد ملک الفضل انٹرنیشنل 26 مئی 2022ء)

یہ چلڈرن سٹوری بک حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے ارشاد پر محمود احمد صاحب شاہد صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ نے اس عاجز سے لکھوائی تھی ۔الحمدللہ علی ذالك

زندہ جاوید شخصیت

ڈاکٹر پروفیسر محمد عبدالسلام صاحب نے 1979ء کے جلسہ سالانہ ربوہ پر اپنے مختصر خطاب میں فرمایا کہ آج سے تقریباً 15 سال پیشتر ان کے والد محترم چوہدری محمد حسین صاحب مرحوم نے اپنی ڈائری میں تحریر فرمایا تھا کہ انہیں (قمر الانبیا) حضرت مرزا بشیر احمد صاحب مرحوم نے ایک خط میں لکھا تھا کہ میں آپ کے عزیز فرزند کے متعلق دور افق میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی (مندرجہ بالا) پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھتا ہوں۔"

چنانچہ نوبیل انعام حاصل کرنے پر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب حضرت مسیح کی اس پیشگوئی کے مصداق بن کر ایک محبوب وجود اور ایک زندہ جاوید شخصیت بن کر ابھرے ۔ جو لوگ آپ کو سائنس کی دنیا میں اپنا mentor مانتے ہیں ان میں سے ایک شخص یہ راقم الحروف بھی ہے۔اس مضمون میں ان کی ذات سے وابستہ بعض یادوں کو شیئر کرنا چاہتا ہوں۔ **وما توفیقی الا باللہ**

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی دعا

آپ کے نوبیل انعام حاصل کرنے کے بارہ میں راقم الحروف نے نومبر 1980ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث سے خود سنا کہ 1978ء میں جب حضور کسر صلیب کانفرنس پر لندن تشریف لے گئے اور ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو شرف ملاقات بخشا تو آپ نے عرض کیا کہ حضور! مجھے اب تک فزکس میں کئی انعام مل چکے ہیں لیکن نوبیل انعام نہیں ملا.اس کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ حضور نے فرمایا کہ اگلے سال (یعنی 1979ء میں) آپ کو نوبیل انعام بھی مل جائے گا۔چنانچہ حضور کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہو بہو پورا فرما دیا۔

پہلا احمدی مسلمان سائنسدان اور جلسہ سالانہ پر ملاقات

کتاب" پہلا احمدی مسلمان سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام" مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ کہ اشاعت پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے 1983ء کے جلسہ سالانہ پر خدام الاحمدیہ کی اور کتابوں کے ساتھ اس کتاب کا اعلان فرمایا۔

27 دسمبر 1983ء کو راقم الحروف نے ان کے بھائی انجینئر محمد عبدالسمیع صاحب کی وساطت سے صدر انجمن احمدیہ کے گیسٹ ہاؤس (سرائے محبت)میں ان سے ملاقات کی اور انہیں ان پر لکھی گئی کتاب پیش کی۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے عام انسانوں کی طرح ملے۔بعض اور امور پر ان سے باتیں ہوتی رہیں۔اور ڈاکٹر صاحب کتاب اپنے ساتھ لے گئے۔اٹلی سے انہوں نے اپنے اہم مضامین کی ایک کتاب، اپنے تھیسس کے کاغذات وغیرہ بھجوائے اور کتاب میں اپنے ہاتھ سے لکھ کر چند معمولی غلطیاں درست کر کے بھیجیں جنہیں 2008ء کی اشاعت ثانی میں خدام الاحمدیہ نے شامل کرلیا۔

سٹی ہال اور نوبیل میوزیم

چند سال بعد راقم الحروف کو مع اہلیہ اپنے چھوٹے بیٹے محمود فاتح احسن کے پاس سٹاک ہولم سویڈن جانے کا اتفاق ہوا جہاں ہم نے سٹی ہال دیکھا جہاں ڈاکٹر عبدالسلام صاحب اور ان کے ساتھیوں کو ایک شاہی تقریب میں نوبیل انعام پیش کیا گیا تھا۔ 1901ء سے نوبل انعام دینے کی تقریب 10 دسمبر کو منعقد ہوتی ہے جو کہ الفرڈ نوبیل کا یوم وفات ہے۔ 10 دسمبر کو فزکس، کیمسٹری، میڈیسن، ادب، اکنامکس سائنسز کے انعامات دیئے جاتے ہیں۔ 10 دسمبر 1979ء کی تقریب میں فزکس کا نوبیل انعام ڈاکٹر عبدالسلام اور ان کے دو ساتھیوں کو دیا گیا۔ تفصیل درج ذیل ہے

The Royal Swedish Academy of Sciences has decided to award the 1979 Nobel Prize in Physics to be shared equally between Prof Sheldon L. Glashow, Havard Univ USA, Prof Abdus Salam , Intl.centre of Theoretical Physics ,Italy and Imperial college,Great Britain and Stoven Weinberg , Harvard Univ.USA, for their contribution to the theory of the Unified weak and electromagnetic Interaction between elementary particles ,including inter alla the prediction of the weak neutral current .

الفرڈ برن ہارڈ نوبیل

یہ ایک سویڈش کیمسٹ، انجینئر، موجد، تاجر اور philanthropist تھا جس نے dynamite کی تخلیق کی اور اپنے منافع کے سرمایہ سے نوبیل انعام کی وصیت کی۔ لکھا ہے

Nobel was inspired to donate his fortune to the Nobel Prize institution , which would annually recognise those who "conferred the greatest benefit to humankind".He was born on 21 October, 1833 in Stockholm ,Sweden and died on 10 December 1896 in Italy.

نوبیل کی وصیت

All of my remaining realizable assets are to be disbursed as follows: the capital , converted to safe securities by my executors , is to constitute a fund , the interest of which is to be distributed annually as prizes to those who، during the preceding year, have conferred the greatest benefit to humankind.

نوبیل کا مشہور اقتباس (quote)

"(my) dynamite will sooner lead to peace than a thousand world conventions.As soon as men will find that in one instant, whole armies can be utterly destroyed , they surely will abide by golden peace"

نوبیل میوزیم سویڈن

سویڈن میں عظیم سائنسدان اور دانشور کی یاد میں ایک میوزیم قائم کیا گیا ہے۔ جو بہت معلوماتی اور سائنس اور ٹیکنالوجی کا سٹور ہاؤس ہے۔ اس میں نوبیل کی وصیت کا اصل مسودہ اور نوبیل انعام پانے والوں کا مکمل باضابطہ ریکارڈ ہے۔ ڈاکٹر سلام کے عشق میں ہم نے یہ میوزیم بھی جا کر دیکھا۔

عبدالسلام انٹرنیشنل سنٹر آف تھیوریٹیکل فزکس

(Abdus Salam ICTP Italy

اٹلی میں ٹرسٹے کے مقام پر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے عالمی سنٹر فار تھیوریٹیکل فزکس 1964 میں قائم کیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالسلام کی یاد میں اعزاز

کے طور پر وہاں کے سائنسدانوں نے 1997ء میں اس کا نام Abdus Salam International Centre for Theoretical Physics رکھ دیا۔ سن 2018ء میں اس عاجز کو اپنی اہلیہ اور چھوٹے بچے اور بہو کے ساتھ یہ عظیم انسٹی ٹیوشن دیکھنے کا موقع ملا۔ الحمدللہ

BLUE PLAQUE (نیلی تختی)

2020ء میں ڈاکٹر عبدالسلام صاحب عالمی سطح پر مشہور سائنس دان کے اعزاز میں ان کے گھر پر نیلی تختی blue plaque لگائی گئی جس کی عبارت درج ذیل ہے

ABDUL SALAM

Physicist Nobel Laureate

and Champion of Science

in developing countries lives here

BLUE PLAQUE

unveiled for Nobel Prize winner

Abdus Salam

27 November 2020

ڈاکٹر عبدالسلام ڈاکومنٹری فلم

ڈاکٹر سلام کی کرشماتی شخصیت ، ترقیات اور احمدی ہونے کی وجہ سے پاکستان میں نفرت وعداوت اور دنیا بھر میں عزت واحترام پر مبنی ایک شاندار فلم بنائی گئی ہے

"Salam" - The film reveals the extraordinary life of the charismatic Abdus Salam , in all its. color, virtuality and tragedy.........

While Salam's legacy looms large in the world of Physics , he is largely forgotten in Pakistan because of his faith .

Children do not read about him and he is still vilified and maligned by right wing clerics for being a "Qadiani" - a derogatory term for someone belonging to the Ahmadiyyas community.

عبدالسلام کا مجسمہ

Pakistan's first Nobel Laureate's bust (Jamal Shah's Sculpture) was unveiled at the International Atomic Energy Agency (IAEA) Vienna by Director General Yukiya Amano at IAEA's 61st General conference .This day also marked Salam's 60th birth anniversary. (Sept 21, 2017)

30 جون 2023ء امپیریل کالج لندن لائبریری کا نام

ڈاکٹر محمد عبدالسلام صاحب کے نام پر۔

London - Pakistan's physicist and Nobel Prize winner Dr Abdus Salam's legacy continues to inspiring young scientists, as contributions to science left a lasting impact on researchers in parts of the world .

Salam made significant contributions to the field of particle physics , and in light of his contributions, the prestigious Imperial College London has announced renaming its central library after Pakistani Sciencist known for unification theory.

خدا پرست سائنس دان

آپ کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے فرمایا "۔۔۔ایک دفعہ مجھے کہہ رہے تھے کہ جب میں کسی سائنسی اجتماع میں جاتا ہوں تو بعض سرگوشیوں کی آواز آتی ہے "یہ وہ ہے جو خدا کو مانتا ہے"

☆☆☆☆☆☆☆



(تقریر برموقع جلسہ سالانہ یوکے ۲۰۲۳ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسوۂ حسنہ امن عالم کا ضامن ہے

(ڈاکٹر سرافتخار احمد ایاز)

قرآن کریم میں امن کے پیامبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (الانبیاء :۱۰۸) ترجمہ: اور ہم نے تجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت کے طور پر بنا کر بھیجا ہے۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمام بنی نوع انسان کے لیے رسول اور رحمۃ للعالمین بن کر دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے تشریف لائے۔

آپؐ پر ایک کامل شریعت قرآن کریم نازل کی گئی جس میں امن عامہ کی بہترین تعلیم دی گئی جسے آپؐ نے دنیا میں قائم کرنے کا بہترین نمونہ بھی عطا فرمایا۔ آج مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور امن عالم کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔ لیکن اس سے قبل کہ اس رحمۃ للعالمین کا ذکر خیر کیا جائے ایک نظر چودہ سو سال قبل بے امن معاشرہ پر بھی ڈالنا ضروری ہے تبھی رحمت کے اس بحر بے کنار کا وجود سراج منیر کی طرح اپنی پوری آب و تاب سے سب پر آشکار ہوگا۔

عالمی منظر نامہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور میں چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں دنیا کے تمام مذاہب اپنی اصلی شکل کھو چکے تھے! یہود کا مذہب کچھ بے جان رسموں کا مجموعہ تھا۔ جس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ تھی۔ روم کے نصرانیوں کی بت پرستی اس کے خون میں گھل گئی تھی اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی تعلیمات شرک کے ملبے تلے دبی ہوئی تھی۔

سیاسی، سماجی، روحانی اور اقتصادی زنجیروں کی گرفت سے بچنے کی ہر سعی ناکام ہو چکی تھی۔ الغرض کیا یہود، کیا ہنود، کیا نصاریٰ تو کیا مجوس دنیا ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِي الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ (الروم:۴۲) کا نمونہ بن چکی تھی۔ ہر طرف کفر و شرک کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ عرب کی سرزمین بھی شرک اور بدامنی کا گہوارہ بن چکی تھیں۔

ظہور اسلام سے قبل عرب کے حالات

عرب کے لوگ سخت مزاج اور وحشی تھے۔ وہاں امن، عدل و انصاف کا کوئی نام و نشان ہی نہ تھا۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون جاری تھا۔ قبائل کے درمیان جنگ و جدل عام بات تھی۔ چھوٹی سے چھوٹی بات پر سالہا سال کی دشمنی اس قوم کا وطیرہ تھی اور کئی نسلوں تک ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے خون کا پیاسا رہتا تھا۔

مردوں اور عورتوں کو قید کرنے اور لونڈی و غلام بنانے کا رواج عام تھا۔ عورتوں کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ نہ بیٹی کے لحاظ سے، نہ بیوی کے لحاظ سے اور نہ ماں کے لحاظ سے۔

الغرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا گمراہی کی اس انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ امام الزماں حضرت اقدس مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زاد بوم ایک محدود جزیرہ نما ملک ہے جس کو عرب کہتے ہیں...... اس ملک کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے بالکل وحشیانہ اور درندوں کی طرح زندگی بسر کرنا اور دین اور ایمان اور حق اللہ اور حق العباد سے بے خبر محض ہونا اور سینکڑوں برسوں سے بت پرستی و دیگر ناپاک خیالات میں ڈوبے چلے آنا اور عیاشی اور بدمستی اور شراب خوری اور قمار بازی وغیرہ فسق کے طریقوں میں انتہائی درجہ تک پہنچ جانا اور چوری اور قزاقی اور خون ریزی اور دختر کشی اور یتیموں کا مال کھا جانے اور بیگانہ حقوق دبا لینے کو کچھ گناہ نہ سمجھنا۔

غرض ہر یک طرح کی بُری حالت اور ہر یک نوع کا اندھیرا اور ہر قسم کی ظلمت و غفلت عام طور پر تمام عربوں کے دلوں پر چھائی ہوئی ہونا ایک ایسا واقعہ مشہودہ ہے کہ کوئی متعصب مخالف بھی بشرطیکہ کچھ واقفیت رکھتا ہو اس سے انکار نہیں کر سکتا اور پھر یہ امر بھی ہر یک منصف پر ظاہر ہے کہ وہی جاہل اور وحشی اور یاوہ اور ناپارسا طبع لوگ اسلام میں داخل ہونے اور قرآن کو قبول کرنے کے بعد کیسے ہو گئے اور کیونکر تاثیرات کلام الٰہی اور صحبت نبی معصوم ﷺ نے بہت ہی تھوڑے عرصہ میں ان کے دلوں کو یکلخت ایسا مبدل کر دیا کہ وہ جہالت کے بعد معارف دینی سے مالا مال ہو گئے اور محبت دنیا کے بعد الٰہی محبت میں ایسے کھوئے گئے کہ اپنے وطنوں اپنے مالوں اپنے عزیزوں اپنی عزتوں اپنی جان کے آراموں کو اللہ جل شانہٗ کے راضی کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔'' (سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۷۶ تا ۷۷، حاشیہ)

الغرض انسانیت تباہی کے دہانے پر کھڑی تھی۔ ایسے حالات میں اللہ رب العزت نے انسانیت پر احسان فرمایا اور نبی اکرم ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے رحمت عالم بنا کر مبعوث فرمایا۔

ایسے بدامنی کے وقت میں خدا تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لیے پیکر محبت اور امن کے شہزادے محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِین بنا کر مبعوث فرمایا جس نے اپنی خداداد قوت قدسی کے طفیل اس وحشی اور خونخوار جنگجو قوم کے دلوں کو محبت اور دلائل کے ذریعہ ایسا گھائل اور قائل کیا کہ وہ لوگ ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے۔ اور محبت و اخوت کے وہ بے نظیر نمونے دکھلائے کہ قیامت تک دنیا کی ہدایت کے لیے ستاروں کی مانند ٹھہرے اور باخدا بلکہ خدا نما انسان بن گئے اور آپؐ نے بچیوں کو رحمت کا خطاب دے کر عورت کے صرف حقوق ہی نہیں قائم کیے بلکہ آپ ﷺ نے اولاد کے لیے جنت کی کنجی ماں کے قدموں تلے رکھ دی۔

سلطان القلم بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ السلام اس معجزہ کا ذکر کرتے ہوئے اپنے اشعار میں فرماتے ہیں۔

کہتے ہیں یورپ کے ناداں یہ نبی کامل نہیں
وحشیوں میں دیں کا پھیلانا یہ کیا مشکل تھا کار
پر بنانا آدمی، وحشی کو ہے اک معجزہ
معنیٔ رازِ نبوت ہے اسی سے آشکار

گویا امن کے قیام کے لیے بعض دفعہ جنگ کی بھی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ کبھی انسان کا دماغ فطرت سے اتنا بعید ہو جاتا ہے اور انسانی عقیدے مرکز سے اتنے پرے ہٹ جاتے ہیں کہ وہ حُریّتِ ضمیر کو بھی باطل کرنا چاہتے ہیں۔ پس اُن سے جنگ امن قائم کرنے کے لیے ہوگی۔ جیسے جسم کا کوئی عضو سڑ جائے تو انسان فیس خرچ کر کے بھی اُس کو ڈاکٹر سے کٹوا دیتا ہے۔ اسی طرح ایسے گروہ کا آپریشن ضروری ہو جاتا ہے جو سرطان کا مادہ اپنے اندر رکھتے ہیں تا کہ وہ باقی قوم کو ناپاک نہ کر دیں۔ پس آگے فرمایا: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (البقرۃ:۲۵۲) یعنی اللہ صرف قوم کو ہی امن نہیں دینا چاہتا بلکہ وہ ساری دنیا کو با امن دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے امن برباد کرنے والوں سے تب تک جنگ کی جاتی ہے جب تک وہ خلافِ امن حرکات سے باز نہ آ جائیں۔

پس امن کے قیام کے حوالے سے بھی رسول کریم ﷺ کا وجود دنیا کا سب سے بڑا محسن ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے ماتحت آپؐ پر درود بھیجیں کہ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (الاحزاب:۵۷)۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰۤى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰۤى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰۤى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰۤى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰۤى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ (خلاصہ تقریر ''آنحضرت ﷺ اور امن عالم'' انوار العلوم جلد ۱۵)

دنیا میں پائیدار امن کے قیام کے لیے آنحضور ﷺ کے بیان فرمودہ زرّیں اصول اور اسوۂ حسنہ

رسول اللہ ﷺ نے امن کے قیام کے لیے بے پناہ قربانیاں دیں اور اپنے عملی نمونے سے ثابت کر دیا کہ اگر دنیا میں قیامِ امن کے لیے حقیقی کوشش کی جائے تو ایک پرامن معاشرے کا قیام ممکن ہے۔ آپؐ نے اپنے ماننے والوں کو اعلیٰ اخلاق کا درس دیا اور اپنی قوت قدسیہ کے ذریعہ ایسی بے نفس جماعت تیار کر دی جو حق اللہ اور حق العباد کی ادائیگی میں سبقت لے جانے والی تھی۔ آپؐ

نے یہ صدائے عام دی کہ اگر حقیقی امن چاہتے ہو تو سلامتی اور عافیت کے دین میں داخل ہو جاؤ اور میری لائی ہوئی تعلیم پر عمل کرو۔

نبی کریم ﷺ جو دین لے کر مبعوث ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اُس کا نام اسلام رکھا ہے۔ اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ (آل عمران:۲۰) یقیناً دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ جبکہ اسلام میں شامل ہونے والوں کا نام مسلمان رکھا گیا ہے۔ ہُوَ سَمّٰٮکُمُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ (الحج:۷۹) اُس (یعنی اللہ) نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔

اسلام عربی زبان کا لفظ ہے جو سَلِمَ سے نکلا ہے۔ سَلِم کا مطلب ہے امن و سلامتی۔ پس آنحضور ﷺ کے اوپر نازل ہونے والی تعلیم امن و سلامتی اور صلح و آشتی پر مبنی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَ اللّٰہُ یَدۡعُوۡۤا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ (یونس:۲۶) اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: اَلسَّلَامُ مِنَ الۡاِسۡلَامِ امن و سلامتی اسلام سے ہی ہے۔ آپ ﷺ نے ایک مسلمان کی یہ نشانی بیان فرمائی ہے کہ اَلۡمُسۡلِمُ مَنۡ سَلِمَ النَّاسُ مِنۡ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ وَالۡمُؤۡمِنُ مَنۡ اَمِنَہُ النَّاسُ عَلٰی دِمَآئِہِمۡ وَاَمۡوَالِہِمۡ۔ (سنن نسائی کتاب الایمان باب صِفَۃُ الۡمُؤمِنِ حدیث ۵۰۰۰) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے انسان امن میں رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کی جانیں اور مال محفوظ رہیں۔

آپ ﷺ کا ایک اور ارشاد مبارک ہے کہ ہر آسانی پیدا کرنے والا، نرم خو، نرم دل اور لوگوں کے قریب رہنے والا اہل جنت میں شامل ہے۔ (المعجم الصغیر طبرانی جلد ا صفحہ ۷۲ حدیث نمبر ۸۹ مکتب اسلامی بیروت ۱۹۸۵ء طبع اوّل)

امن کے پیامبر

نبی کریم ﷺ ابتدائی عمر سے ہی امن کے داعی اور انسانوں کی تکلیفوں کو دُور کرنے میں پیش پیش تھے۔ ایام جاہلیت میں قریش کے بعض قبیلوں بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب، بنو اسد، بنو زہرہ اور بنو تیم نے آپس میں ایک معاہدہ کیا کہ ہم ہر مظلوم کی مدد کیا کریں گے۔ اس معاہدے کو ''حلف الفضول'' اور ''حلف المطیّبین'' ناموں سے یاد کیا جاتا



ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شَھِدۡتُ حِلۡفَ الۡمُطَیَّبِیۡنَ مَعَ عُمُوۡمَتِیۡ، وَاَنَا غُلَامٌ، فَمَا اُحِبُّ اَنَّ لِیۡ حُمۡرَ النَّعَمِ، وَاَنِّیۡ اَنۡکُثُہٗ (مسند احمد بن حنبل، مسند العشرۃ المبشرۃ، حدِیث عَبۡدُ الرَّحۡمٰنِ بۡنُ عَوۡفٍ الزُّھرِی حدیث نمبر ۱۶۵۵)

جبکہ ابھی میں نوعمر تھا حلف المطیبین جسے حلف الفضول بھی کہا جاتا ہے میں شریک ہوا تھا، مجھے پسند نہیں کہ میں اس معاہدے کو توڑ ڈالوں اگرچہ مجھے اس کے بدلہ میں سرخ اونٹ بھی دیے جائیں۔

اس معاہدے کی شرائط میں دو باتیں خاص طور پر شامل تھیں:

☆......حدودِ شہر میں وہ کسی پر ظلم نہ ہونے دیں گے (شہری ہو یا اجنبی)

☆......مظلوم کی مدد کر کے ظالم سے اس کا حق دلائیں گے۔ (ماہنامہ الفرقان۔ دسمبر ۱۹۷۴ء صفحہ ۳۴)

پس نوعمری میں امن کے قیام میں مدد دینے والے اس معاہدے میں شامل ہونا اور منصب نبوت پر فائز ہونے کے بعد بھی اس معاہدے کی پاسداری کرنا ثابت کرتا ہے کہ آپؐ نہ صرف امن کے داعی ہیں بلکہ عملی طور پر امن پھیلانے والے عالی وجود ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ہمیشہ اس معاہدے کو نبھایا اور جب کبھی کوئی مظلوم آپ کے پاس کسی ظالم سے اپنا حق دلانے کی درخواست کرتا آپؐ فوراً اُس کی مدد کے لیے تیار ہو جاتے اور ظالم سے مظلوم کو اُس کا حق دلا کر رہتے۔ ایک مرتبہ دشمن اسلام ابوجہل کی شکایت ہونے پر بلا خوف وخطر مظلوم کی دادرسی کے لیے اُس کے گھر تشریف لے گئے اور مظلوم کو اُس کا حق دلوا دیا۔ یہ واقعہ دیکھ کر قریش کے سرداروں نے ابوجہل سے پوچھا کہ اے ابوالحکم! تمہیں کیا ہو گیا تھا کہ محمدؐ سے

اس قدر ڈر گئے۔ اُس نے کہا۔ خدا کی قسم! جب مَیں نے محمدؐ کو اپنے دروازے پر دیکھا تو مجھے یوں نظر آیا کہ اُس کے ساتھ ایک مَست اور غضبناک اونٹ کھڑا ہے اور مَیں سمجھتا تھا کہ اگر ذرا بھی چون و چرا کروں گا تو وہ مجھے چبا جائے گا۔

(سیرۃ ابن ہشام بحوالہ سیرۃ خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ۱۶۳)

تاریخ کا علم رکھنے والے عربوں کے مزاج کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ کس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر وہ سالہا سال تک جنگ وجدل کا بازار گرم رکھا کرتے تھے۔ پس اس نازک موقع پر امانت دار نے امانت کا حق خوب اچھی طرح ادا کیا اور دنیا میں امن وسلامتی کی حقیقی علامت بیت اللہ کی تعمیر نو کے وقت پیدا ہونے والے ایک بڑے فساد کو نہایت حکمت اور دانائی کے ساتھ فرو کر کے سب کو امن کے سائے تلے لا کھڑا کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ ہر قبیلہ اس چادر کا ایک کونا پکڑ لے پھر سب مل کر حجر اسود کو اٹھاؤ۔ چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا یہاں تک کہ جب وہ حجر اسود رکھنے کی جگہ کے پاس پہنچ گئے تو آنحضور ﷺ نے حجر اسود کو اپنے ہاتھ سے اس کی جگہ پر نصب فرما دیا۔

آنحضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: وَاللہِ اِنِّیْ لَأَمِیْنٌ فِی السَّمَآءِ وَأَمِیْنٌ فِی الْاَرْضِ۔ (الشفاء لقاضی عیاض۔ الفصل العشرون۔ عدلہ و امانتہ) اللہ کی قسم! میں آسمان میں بھی امین ہوں اور زمین میں بھی امین ہوں۔

گھر کی بنیادی اکائی سے امن کی ابتدا

آنحضور ﷺ نے انسانی معاشرت کی اس بنیادی اکائی کے امن کو برقرار رکھنے کے لیے راہ نما اصول متعین فرما دیے ہیں تا کہ آپ کے ماننے والے ان زرّیں نصائح پر عمل کر کے نہ صرف خود امن سے رہ پائیں بلکہ وہ غیروں کے لیے امن اور سلامتی کا موجب بھی بنیں۔ گھروں میں امن کے قیام کے لیے رسول اللہ ﷺ کا درج ذیل ارشاد بہت ہی قابل عمل ہے۔ آپؐ نے فرمایا: لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَ نَا وَیَعْرِفْ حَقَّ کَبِیْرِ نَا۔ (الادب المفرد للبخاری باب رحمۃ الصغیر) وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے بچوں سے رحم کا سلوک نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کے حق کا پاس نہیں کرتا۔

میاں بیوی کے بنیادی یونٹ کے ذریعہ امن کا قیام

گھروں میں امن وسلامتی کا دوسرا اہم رکن انسانی زندگی میں میاں بیوی کا باہمی تعلق ہے جو بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ تعلق جس قدر پائیدار اور مضبوط ہوگا سوسائٹی میں امن کا موجب ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے بحیثیت خاوند ایسا عملی نمونہ پیش فرمایا ہے کہ جس پر عمل کرنے سے گھروں کے نظام کو اچھے طریق پر چلا کر اُن کا امن برقرار رکھا جا سکتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَہْلِہٖ (ترمذی کتاب المناقب باب فضل أزواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم) یعنی تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے۔ رسول کریم ﷺ مسکراہٹیں بکھیرنے والے بابرکت وجود تھے۔ آپؐ کے گھر کی چار دیواری میں بسنے والے بھی اُن مسکراہٹوں کا مورد بنا کرتے تھے۔ آپؐ ہر کسی سے نرمی اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے جبکہ گھر کے اندر آپؐ کی نرمی اور نرم دلی مزید بڑھ جاتی۔ کسی کو برا بھلا کہنا آپؐ کی عادت نہ تھی۔ گھر کے افراد کو کسی تکلیف میں ڈالنے کی بجائے خود تکلیف برداشت کر لیا کرتے تا کہ اُن کے لیے آسانی پیدا ہو۔

پس اگر گھروں کے اندر باہمی احترام، پیار، محبت اور عدل وانصاف کی فضا قائم ہو جائے تو اس سے نہ صرف گھروں کا امن برقرار رہے گا بلکہ اُس کا اثر ارد گرد کے ماحول میں بھی ظاہر ہوگا۔

رحمی رشتوں کے ذریعہ امن کا قیام

رسول کریم ﷺ نے رحم سے تعلق رکھنے والے رشتوں کے متعلق خاص ہدایات ارشاد فرمائی ہیں اور اُن کی فضیلت و برکات سے آگاہ فرمایا ہے۔ آپ ﷺ جس تعلیم کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں، اس میں رحمی رشتوں کو جوڑنے کی طرف خاص توجہ دی گئی ہے۔

پس رحمی رشتوں کے حقوق کی ادائیگی اور اُن کے ساتھ حسن سلوک معاشرے میں امن وامان کے قیام میں مدد ومعاون ثابت ہوتا ہے۔

نوع انسان سے حسن سلوک کی تعلیم

رسول کریم ﷺ نے صرف گھر کے افراد یا رشتہ داروں سے ہی حسن سلوک کی تعلیم نہیں دی بلکہ آپؐ نے اپنے ماننے والوں کو دنیا کے ہر انسان سے پیار، محبت اور خیر خواہی کی تعلیم دی ہے اور اس میں کسی قسم کے امتیاز کو روا نہیں

رکھا۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: مَنۡ لَا یَرۡحَمِ النَّاسَ لَا یَرۡحَمُہُ اللّٰہُ۔ جو لوگوں پر رحم نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اُس پر رحم نہیں کرے گا۔ (جامع ترمذی کتاب البر والصلۃ باب ماجاء فی رحمۃ المسلمین)

مسلمان معاشرے میں امن کا قیام

نبی کریم ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو ایک دوسرے کا بھائی قرار دے کر ہر ضرورت کے وقت اُس کی مدد کی تعلیم دی ہے تاکہ ان کے باہمی تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہیں اور اُن میں تعاون کا جذبہ فروغ پاتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی یہ نشانی بیان فرمائی ہے کہ اُن کے اندر ایثار کا جذبہ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے نفسوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسا جذبہ ہے جس سے باہمی الفت و یگانگت میں اضافہ ہوتا ہے اور دل دلوں کے قریب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جماعت مومنین کی یہ خوبی بیان فرمائی ہے کہ وَیُؤۡثِرُوۡنَ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ وَلَوۡ کَانَ بِہِمۡ خَصَاصَۃٌ (الحشر: ۱۰) اور خود اپنی جانوں پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے باوجود اس کے کہ انہیں خود تنگی درپیش تھی۔ یہ ایک ایسی اعلیٰ تعلیم ہے جو امنِ عالم کی گارنٹی دیتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے۔ وہ نہ اس کی خیانت کرتا ہے اور نہ اس سے جھوٹ بولتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ مسلمان کی ہر چیز دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ اس کی عزت بھی۔ اس کا مال بھی اور اس کا خون بھی۔ (حضورؐ نے دل کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) تقویٰ یہاں ہے۔ کسی شخص کے شر کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ (جامع ترمذی کتاب البر والصلۃ بَاب مَاجَآءَ فِی شَفَقَۃِ الْمُسلِمِ عَلَی الْمُسلِمِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کر، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ (صحابہؓ نے) کہا: یارسول اللہؐ! مظلوم کی تو ہم مدد کریں گے کیونکہ وہ مظلوم ہے، لیکن ظالم ہو تو اُس کی کیسے مدد کریں؟ آپؐ نے فرمایا: اُس کے ہاتھوں کو پکڑ لو۔ یعنی ظلم سے روک کر۔ (صحیح بخاری کتاب المظالم باب اَعِنۡ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوۡ مَظۡلُوۡمًا حدیث ۲۴۴۳)

ہمسایوں سے حسن سلوک، پُرامن معاشرہ کا قیام

نبی کریمؐ نے اس لیے قیامِ امن کا سبق پہلے انفرادی سطح سے اور پھر گھر سے شروع کیا۔ انفرادی تعلق میں دوستی کے حقوق ایک دوسرے پر قائم ہوتے ہیں اور ایک گھر کے تعلق میں ہمسائیگی کا حق قائم ہوتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کے جب اور جہاں بھی یہ تعلق قائم ہوئے آپ نے خوب نبھائے اور ان کا حق ادا کرکے دکھایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق جس سے بھی قائم ہوا آپؐ نے ہمیشہ اس کا لحاظ رکھا۔ حقِ ہمسائیگی کا بھی آپؐ ہمیشہ خیال رکھتے۔ فرماتے تھے کہ ”جبریل نے مجھے ہمسایہ سے حسن سلوک کی اس قدر تلقین کی یہاں تک کہ مجھے گمان ہوا کہ وہ ہمسایہ کو شاید حق وراثت میں بھی شامل کرنے کی ہدایت کریں گے۔“ (بخاری کتاب الادب باب ۲۸)

اسی طرح آپؐ نے فرمایا کہ ”کسی کے حسن و قبح کا معیار اس کا ہمسایوں سے سلوک ہے۔ اگر تمہارے ہمسائے یہ کہیں کہ تم اچھے ہو تو واقعی تم اچھے ہو اور اگر ہمسائے کہیں کہ تم برے ہو تو واقعی تم برے ہو۔“ (ابن ماجہ کتاب الزہد باب ۲۵)

جس طرح فرد کے فرد کے ساتھ خوشگوار تعلقات معاشرہ کے امن و استحکام کی ضمانت ہیں۔ اسی طرح ایک گھرانے کے گھرانے سے محبت بھرے تعلقات کے نتیجہ میں بھی ماحول میں وحدت پیدا ہوتی ہے۔ رسول کریمؐ نے اس پہلو سے ہمسایوں سے حسن سلوک کی تعلیم دے کر اس مضمون کو بہت وسیع کر دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ”چالیس گھروں تک ہمسایہ کا حق ہوتا ہے۔“

تمام دنیا جو محمد مصطفیٰؐ سے منسوب ہوتی ہے۔ آپؐ سے محض حق ہمسائیگی ادا کرنا ہی سیکھ لے اور اس بارے میں آپ کی تعلیم پر عمل پیرا ہو تو ایک فرد اپنے ساتھی کا خیال رکھے، ہر گھرانہ اپنے ہمسایہ گھرانے کا خیال رکھے پھر ایک محلہ ہمسایہ محلے کا، ایک شہر ہمسایہ شہر کا اور ایک ملک ہمسایہ ملک کے حقوق ہمسائیگی کا خیال رکھے تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔ الغرض حق ہمسائیگی کے بارے میں نبی کریمؐ کی تعلیم بے نظیر ہے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک اچھے دوست وہ ہیں جو

اپنے دوست کے لیے بہتر ہیں۔اور بہترین ہمسائے اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو اپنے ہمسائے کے لیے بہتر ہیں۔(سنن ترمذی کتاب البر والصلہ باب ۲۸)

نیز فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے اپنے ہمسایوں میں محبوب بنا دیتا ہے۔(مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۲۰۰)

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے تھے کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے نصیحت فرمائی کہ جب سالن کا شوربہ بناؤ تو پانی زیادہ ڈال لیا کرو۔اپنے ہمسایوں میں سے کسی کو تحفہ بھجوادو۔(مسلم کتاب البر والصلۃ والادب باب ۴۲)

رسول کریم ﷺ نے بڑی تفصیل سے ہمسائے کے حقوق بیان کیے اور فرمایا جو شخص اپنا دروازہ اپنے ہمسائے پر بند رکھتا ہے کہ اس کے اہل یا مال کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے تو وہ مومن نہیں ہے اور وہ بھی مومن نہیں جس کا ہمسایہ اس کے شر سے محفوظ نہیں۔جانتے ہو ہمسائے کا حق کیا ہے؟ جب پڑوسی کوئی مدد طلب کرے تو اس کی مدد کرو۔جب وہ قرض مانگے تو اسے قرض دو۔جب اسے کوئی حاجت ہو تو وہ پوری کرو۔جب وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو۔جب اسے کوئی خوشی پہنچے تو مبارک باد دو۔جب اسے کوئی رنج پہنچے تو اس سے تعزیت کرو۔جب اس کی وفات ہو تو جنازہ میں شامل ہو۔اپنے مکان کی دیواریں اتنی اونچی نہ کرو کہ ہمسائے کی ہوا رُک جائے۔ہاں اس کی رضامندی سے ایسا کر سکتے ہو۔اپنی ہنڈیا کی خوشبو سے اس کا دل نہ دکھاؤ بلکہ اسے بھی کچھ سالن بھجوادو۔اگر پھل خریدو تو اس میں سے بھی تحفہ بھجواؤ۔نہیں دے سکتے تو پھر گھر میں خاموشی سے وہ پھل لے جاؤ۔تمہارے بچے وہ پھل لے کر باہر نہ جائیں مبادا اس کے بچوں کی دلآزاری ہو۔(والترغیب والترھیب للمنذری جلد ۳ صفحہ ۳۵۷)

رسول کریمؐ نے اپنے نمونہ سے ہمیں یہ سبق دیا کہ اگر کوئی شخص ہمسائے کا حق ادا نہیں کرتا تو پورے معاشرہ کو اس مظلوم کے حق میں جہاد کرنا چاہیے۔

یہ وہ پاکیزہ معاشرہ ہے جو نبی کریمؐ انفرادی یا گھریلو سطح پر قائم فرمانا چاہتے تھے۔اور اسی معاشرہ کا قیام ہم سب کا مطمح نظر ہونا چاہیے۔

تکلیفیں اٹھائیں لیکن ملک کا امن برقرار رکھا

آنحضور ﷺ ایک ایسی قوم کی طرف مبعوث ہوئے جو جہالت کی تاریکیوں میں گم اور تنزل کی اتھاہ گہرائیوں میں گری ہوئی تھی۔آپ ﷺ نے چاہا کہ اس قوم کی اصلاح کریں اور اسے جہالت کے مہیب سایوں سے نکال کر ترقی کی راہ پر گامزن کردیں لیکن آپؐ کی قوم مخالفت پر کمربستہ ہوگئی اور قوم کا بچہ بچہ مخالفت پر اُتر آیا۔اصلاح خلق کی کوئی بھی تحریک انہیں سیخ پا کر دیتی اور وہ آپؐ کی بات سننے کی بجائے سختی پر اُتر آتے بلکہ اُن کی اکثریت آپؐ کی جان کے درپے ہوگئی۔آپ کے ماننے والے بھی ان ظلموں کا نشانہ بننے لگے، مردوں کو بے عزت کیا جاتا اور عورتوں کی بے حرمتی روز کا معمول بن گیا۔ان انتہائی مشکل اور نازک حالات میں بھی آپؐ نے اپنا مشن جاری رکھا اور حق بات کا پرچار کرتے رہے۔آپؐ تیرہ سال تک ایک ظالم، جابر، دینی شعائر کی بے حرمتی کرنے والی اور دین کے معاملات میں جبر سے کام لینے والی حکومت کے ماتحت زندگی گزارتے رہے لیکن نہ تو حکومت کے خلاف کوئی سازش کی اور نہ ہی کوئی خفیہ تحریک چلائی۔بلکہ ملک کے امن کو برقرار رکھنے کے لیے ہمیشہ صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا اور اپنے ماننے والوں کو بھی اسی کی نصیحت فرماتے رہے۔

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اللہ کی راہ میں جتنا مجھے ڈرانے کی کوشش کی گئی کسی اَور کے لیے ایسی کوشش نہیں ہوئی اور راہ مولیٰ میں جتنی اذیت مجھے دی گئی اتنی کسی اَور کو نہیں دی گئی۔(جامع ترمذی کتاب القیامۃ حدیث ۲۳۹۶)

امن کی خاطر حبشہ کی طرف ہجرت

کفار مکہ کی شدید مخالفت کے باوجود نبی کریم ﷺ بڑی ثابت قدمی سے امن اور سلامتی کے پیغام کو پھیلاتے رہے۔جب مسلمانوں کی تعداد بڑھنے لگی تو کفار مکہ نے اسے اپنے لیے بہت بڑا خطرہ جانا اور مخالفت میں مزید شدت پیدا کردی۔مسلمانوں کو سخت تکالیف میں دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کے مشوروں سے فیصلہ فرمایا کہ لڑائی جھگڑے کی بجائے جو لوگ آسانی سے ہجرت کر سکتے ہیں وہ اللہ کی خاطر اپنا پیارا وطن چھوڑ کر پڑوسی ملک حبشہ میں پناہ لے لیں۔چنانچہ دو مختلف مواقع پر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اپنا وطن چھوڑ کر حبشہ میں پناہ گزیں ہوگئی۔ہجرت حبشہ کے واقعات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ مسلمانوں کے مردوزن پر مشتمل دو وفود پہلے بارہ اور پھر اسّی اصحاب حبشہ ہجرت

کر گئے۔ قریش نے وہاں بھی مسلمانوں کا تعاقب جاری رکھا اور نجاشی اور اس کے سرداروں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ عادل نجاشی نے اپنے دربار میں مسلمانوں کو بلا کر ان کا موقف سنا۔ حضرت جعفر طیارؓ نے مسلمانوں کے نمائندے کے طور پر سورۃ مریم کی تلاوت کر کے اسلام کی تعلیم پیش کی۔ بادشاہ پر اس کا بہت گہرا اثر ہوا اور وہ بھی بالآخر مسلمان ہو گیا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۲۹ مطبوعہ بیروت)

شعب ابی طالب میں قید و بند

حبشہ کی طرف ہجرت سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد امن میں آ گئی لیکن قریش کا غیض و غضب مزید بڑھ گیا اور وہ مسلمانوں کی تبلیغی سرگرمیوں کو محدود کرنے کے منصوبے بنانے لگے۔ چنانچہ نبوت کے ساتویں سال ستمبر ۶۱۵ء میں کفار مکہ نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت مسلمانوں کے خلاف ایک معاہدہ طے کیا اور انہیں شعب ابی طالب میں محصور کر دیا۔ مسلمانوں کے ساتھ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ایسے افراد بھی محصور کر دیے گئے جو ابھی مسلمان تو نہ ہوئے تھے لیکن اپنے دلوں میں مسلمانوں کے لیے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ قریش مکہ نے اس معاہدہ میں لکھا کہ جب تک محمدؐ کو ہمارے حوالے نہ کیا جائے مسلمانوں اور ان کے حامیوں کے ساتھ شادی بیاہ ہوگا نہ خرید و فروخت۔ مسلمانوں کے ساتھ لین دین اور میل ملاپ بھی بند کر دیا گیا۔ بغرض توثیق یہ معاہدہ خانہ کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۸۶)

مسلمانوں کا یہ معاشرتی مقاطعہ محرم ۱۰ ؍ نبوی تک تقریباً تین سال تک جاری رہا۔ رسول کریم ﷺ اور آپؐ کے ساتھیوں نے نہایت تکلیف دہ اور مشکل حالات میں یہ وقت گزارا۔ آپؐ کے ساتھیوں کو بسا اوقات بھوک مٹانے کے لیے درختوں کی جڑیں کھانا پڑتیں اور کبھی پیٹ پر چمڑا باندھنا پڑتا لیکن ان مشکل حالات کے باوجود امن عالم کے داعی اعظم ﷺ نے نہ تو کبھی حکومت وقت کے خلاف کسی قسم کی کوئی سازش تیار کی اور نہ ہی ملکی نظم و نسق کو خراب کرنے کی کوئی ادنیٰ سی کوشش کی۔

امن کی خاطر وطن سے بے وطن

جب کفار مکہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو شاہ مکی و مدنی ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہجرت کا فیصلہ فرمایا اور امن کی خاطر اپنی خوابوں کی بستی کو چھوڑ کر مدینے میں جا بسے۔ رسول کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے یہود، مشرکین اور دیگر قبائل مدینہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا جو میثاق مدینہ کے نام سے معروف ہے۔ یہ معاہدہ مذہبی آزادی اور حریّتِ ضمیر کی بہترین ضمانت ہے۔ اس معاہدے میں درج مذہبی آزادی سے متعلق چند شقوں کو اس جگہ درج کیا جا رہا ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آپؐ مذہبی آزادی اور امن کے کس قدر حامی تھے۔

اس معاہدے کی بنیادی شرط یہ تھی کہ یہود کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ اس معاہدے کے نتیجے میں کچھ حقوق انہیں حاصل ہوں گے اور کچھ ذمہ داریاں ان پر عائد ہوں گی۔

دوسری اہم شق یہ تھی کہ مدینہ کے مسلمان مہاجرین و انصار اور یہود اس معاہدے کی رُو سے ''اُمّتِ واحدہ'' ہوں گے۔ یعنی سب اپنی اپنی جگہ مذہبی آزادی کے ساتھ اپنے دین پر عمل کرتے ہوئے سیاسی طور پر ایک تصور کیے جائیں گے۔

تیسری شق میں صراحت ہے کہ بنی عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک سیاسی امت ہوں گے۔ یہود کو اپنے دین کی آزادی اور مسلمانوں کو اپنے دین میں مکمل آزادی ہوگی۔

چوتھی شق کے مطابق مسلمانوں اور یہود کو مدینہ پر حملے کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد لازم تھی۔ مسلمان اور یہود اپنے اخراجات کے ذمہ دار خود ہوں گے البتہ جنگ میں باہم مل کر خرچ کریں گے۔

پانچویں شق کے مطابق فریقین ایک دوسرے سے خیر خواہی کریں گے اور نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ (السیرۃ النبویہ لابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۱۴۷ تا ۱۵۰)

اس معاہدے کے متعلق سیرت ابن ہشام میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں اور دیگر قبائل کے درمیان میثاق مدینہ طے پایا جس کی ایک شق یہ تھی کہ یہود، بنی عوف مومنوں کے ساتھ مل کر ایک قوم ہوں گے۔ یہود کو اپنے دین پر اور مسلمانوں کو اپنے دین پر قائم رہنے کی آزادی ہے۔ وہاں جو ظلم کرے اور گناہ کرے وہ اپنے نفس کو اور اپنے اہل بیت کو

نقصان پہنچائے گا۔(سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۵۰۳۔کتابہ بین المہاجرین والانصار موادعۃ یہود)

رسول کریم ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد سربراہِ مملکت اور حاکم وقت کے طور پر دس سال تک عملاً امور مملکت چلائے۔ یہاں تک کہ مدینہ کی محدود شہری مملکت ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے پورے عرب کی وسعتوں پر چھا گئی۔محسن انسانیت ﷺ کی زیر نگرانی چلنے والی مملکت میں ہر خاص و عام اور مسلم وغیر مسلم کے معاشی تحفظ اور اُن کی معاشرت کا خاص خیال رکھا گیا۔ یہاں تک کہ مملکت کی حدود میں بسنے والے تمام باشندے بلا امتیاز ہر قسم کی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی سہولتوں سے متمتع ہوتے رہے۔آپؐ نے آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے اسلامی شریعت کے جامع اُصول وضوابط بیان فرمائے اور انہیں باور کرایا کہ حقوق انسانی کی ادائیگی اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔

جارحانہ جنگوں میں امن کی تلاش

آنحضور ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ مسلسل تیرہ سال تک کفار مکہ کے ہاتھوں، اذیتیں، دکھ اور تکالیف اُٹھاتے رہے۔اُن میں سے بعض شہید بھی کردیے گئےلیکن آپؐ اپنے ماننے والوں کوان مظالم کا جواب دینے کی بجائے انسانوں سے شفقت اور ملکی امن کی خاطر صبر سے کام لینے کی تلقین فرماتے رہے۔اگر کبھی صحابہؓ نے آنحضور ﷺ سے دشمنوں کے ساتھ مقابلے کی اجازت مانگی تو آپؐ نے انہیں جواب دیا اِنِّی اُمِرْتُ بِالْعَفْوِ (النسائی کتاب الجہاد باب وجوب الجہاد) مجھے تو عفو، درگزر اور معاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔اس لیے مَیں کیونکر تمہیں مقابلے کی اجازت دے سکتا ہوں۔آنحضور ﷺ ہمیشہ جنگ وجِدال اور لڑائی سے بچتے تھے۔آپؐ نے مسلمانوں کو بھی یہی تلقین فرمائی ہے کہ وہ جنگ کی خواہش نہ کیا کریں۔آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: لَا تَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ فَاِذَا لَقِيْتُمُوْهُمْ فَاصْبِرُوْا (صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب کراھۃ تمنّی لقاء العدو......) دشمن سے مقابلہ کی تمنا نہ کرو اور جب ان سے مڈھ بھیڑ ہوجائے تو ثابت قدم رہو۔پس مسلسل تیرہ سال تک آپؐ اور صحابہؓ ہر طرح کے مظالم برداشت کرتے رہےلیکن لڑائی جھگڑے اور فساد پھیلانے میں حصہ نہ لیا اور بالآخر ملکی امن کی خاطر اپنے آباءواجداد کے وطن کو چھوڑ کر مدینہ میں آباد ہوگئے۔

رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم میں مذہبی جنگوں کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے جبکہ مسلمانوں کو صرف دفاعی جنگ کی اجازت دی گئی ہے: وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔(البقرۃ:۱۹۱) اور اللہ کی راہ میں ان سے قتال کرو جوتم سے قتال کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔یقیناً اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

تاریخ کا مطالعہ کرنے والے بخوبی واقف ہیں کہ ہجرت کے بعد دس سالہ دَورِ نبوت میں ۷۰ کے قریب ایسے مواقع پیش آئے جو جنگ کا پیش خیمہ بن سکتے تھےلیکن نبی کریم ﷺ کی انسان دوست اور امن پسند طبیعت نے نہایت فراست اور کامیاب حکمت عملی سے دشمن کی چالوں کو ناکام بنایا اوران خونریز جنگوں کو ٹال دیا۔پس رسول کریم ﷺ کے عمل سے ثابت ہے کہ آپؐ جنگوں کے لیے نہیں بلکہ انسانوں کو انسانوں کے قریب کرنے اور انہیں خدا تعالیٰ کا عبد بنانے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔اگرچہ آنحضور ﷺ کو خود حفاظتی کی خاطر مجبوراً جنگیں بھی لڑنا پڑیں لیکن اُن جنگوں کے دوران بھی آپؐ کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ کسی طرح جنگ ٹل جائے،خونریزی نہ ہواور امن کی فضا پیدا ہوجائے۔

پابندیٔ معاہدات کے متعلق قرآنی تعلیم

دنیا میں قیام امن کی راہ میں ایک اور بڑی رکاوٹ معاہدوں کی پاسداری نہ کرنا ہے۔ترقی کے اس دَور میں بظاہر مہذب کہلانے والی بڑی بڑی حکومتیں کمزور ملکوں سے جو معاہدے کرتی ہیں اُس میں ایک تو انصاف سے کام نہیں لیتیں دوسرے جب اپنا مطلب نکل آئے تو اُن معاہدوں کو یک طرفہ طور پر ختم کر کے کمزور ملکوں کو شدید نقصان سے دوچار کردیتی ہیں۔آنحضور ﷺ پر نازل ہونے والی تعلیم میں امن کے قیام کے لیے تمام قوموں کے سامنے یہ راہ نما اصول بیان کیا گیا ہے کہ ہر حال میں معاہدوں کی پابندی کرنی چاہیے خواہ اس کے نتیجے میں کچھ نقصان ہی کیوں نہ اُٹھانا پڑے۔اللہ تعالیٰ غیر قوموں کے ساتھ تعلقات کے سلسلہ میں معاہدے کی پاسداری کا حکم دیتے ہوئے فرماتا

ہے:وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۔(بنی اسرائیل:۳۵)اور عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اسلام میں پابندئ عہد کی بہت زیادہ اہمیت ہے حالت امن میں کیا گیا معاہدہ ہو یا میدان کارزار میں۔ ہر دو حالتوں میں عہد کی پاسداری لازم ہے خواہ کتنا نقصان ہو جائے۔ اسلام نے دشمنوں کے حقوق کے سلسلے میں کیے گئے معاہدات کی پابندی مسلمانوں کی اولین ذمہ داری قرار فرمایا۔

پابندئ معاہدات میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جتنے بھی معاہدات یا امان نامے عطا فرمائے ان کا بنیادی مقصد دشمنوں کے حقوق کا قیام تھا۔ چنانچہ اس کے لیے آپؐ نے اپنے صحابہؓ کو اس کی پابندی کا عملی نمونہ بھی عطا فرمایا۔

حالت جنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پابندئ معاہدہ اور پاسداری عہد کی ایک اعلیٰ مثال جنگ بدر کے موقع کی ہے۔جس کے متعلق حضرت حذیفہ بن یمانؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے بدر میں آنے سے کسی چیز نے نہ روکا۔ میں اور میرے والد حسیلؓ روانہ ہوئے کہ کفار قریش نے ہمیں آن پکڑا اور کہا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانا چاہتے ہو؟ تو ہم نے کہا کہ ہم ان کے پاس نہیں بلکہ مدینہ جانا چاہتے ہیں۔ پھر انہوں نے ہم سے اللہ کا نام لے کر عہد اور اقرار لیا کہ ہم پھر مدینہ کو جائیں گے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو کر نہیں لڑیں گے۔ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے تو ہم نے یہ سارا واقعہ بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم دونوں مدینہ چلے جاؤ ہم ان کے عہد کی پاسداری کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے مدد چاہیں گے۔“(صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب الوفاء بالعھد)

دوسری مثال حالتِ امن میں صلح حدیبیہ کے موقع کی ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور (قریش کا نمائندہ) سہیل بن عمرو۔ حدیبیہ میں دس سال کے لیے صلح کی دستاویز لکھ رہے تھے اور ابھی معاہدہ مکمل نہ ہوا تھا کہ اسی سہیل کے بیٹے ابوجندلؓ مکہ سے فرار ہو کر بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے وہاں آ پہنچے۔ سہیل نے معاہدہ کی اس شرط کے مطابق اپنے بیٹے کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ صحابہؓ اس پر رضامند نہ تھے۔ سہیل نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا تو صلح بھی نہیں ہو سکتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی شرط کو تسلیم کرتے ہوئے ابوجندل بن سہیلؓ کو ان کے والد سہیل بن عمرو کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ (مدتِ صلح میں مکہ سے فرار ہو کر) جو بھی آتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (معاہدہ کا پاس رکھتے ہوئے) اسے واپس کر دیتے، خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوتا۔(صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ساری زندگی میں کبھی کسی معاہدہ کی خلاف ورزی نہ کی۔ اسی طرح نجران کے نصاریٰ سے بھی جو معاہدات ہوئے ان کی پابندی و ایفا کی نگرانی کے لیے ان کی درخواست پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو ”امین الامت“ کا خطاب دیتے ہوئے وہاں بھجوایا اور انہوں نے واقعی اس خطاب کا حق ادا کر دکھایا۔(بخاری کتاب المغازی باب قِصَّةِ أَهْلِ نَجْرَانَ)

الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پابندئ معاہدات میں بھی ایک مثالی نمونہ پیش فرمایا ہے اور معاہدین کے جان و مال اور عزت کی ہر طرح سے حفاظت فرمائی۔

سینٹ کیتھرین کے راہبوں کو امان نامہ

عہد نبویؐ میں سینٹ کیتھرین کے راہبوں کو نہایت اہم تاریخی امان نامہ عطا ہوا۔ جس کی تمام شقیں قرآنی تعلیم کے مطابق مذہبی آزادی اور عدل وانصاف پر مبنی اور ان کے حقوق کی ضمانت تھیں۔ اس معاہدہ کی اہم شرائط یہ ہیں: ”ان پر کسی بھی معاملہ میں کسی قسم کا کوئی جبر اور زبردستی نہیں۔ ان کا کوئی پادری یا راہب تبدیل نہیں کیا جائے گا، اسی طرح نہ ہی کسی گرجے میں رہنے والے اور نہ ہی کسی زائر کو زیارت سے روکا جائے گا۔ ان کی کسی مذہبی عمارت کو مسمار نہیں کیا جائے گا۔ جو کوئی ایسے فعل کا مرتکب ہو گا تو اس نے اللہ سے عہد شکنی کی اور اپنے رسولؐ کی مخالفت کی۔ راہبوں، پادریوں اور عابدوں پر کسی قسم کا جزیہ لاگو نہ ہو گا۔ اور میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے ذمہ کی حفاظت کروں گا وہ خشکی و تری، مشرق ومغرب وغیرہ جہاں کہیں بھی ہوں۔ ان سے احسن طریق سے بحث کی جائے۔ ان سے رحم دلی کا سلوک کیا جائے۔ عیسائیوں سے جہاں کہیں بھی وہ مقیم ہوں، ناپسندیدہ معاملہ نہیں کیا جائیگا۔ اگر کوئی عیسائی عورت کسی

مسلمان کے ہاں ہو تو اس مسلمان کے ذمہ ہوگا کہ وہ اس عیسائی عورت کی مرضی اور خواہش کے مطابق اس کے گرجے میں اس کو نماز ادا کرنے دے اور وہ اس عورت کے درمیان اور اس کے دین کی خواہش کے درمیان حائل نہیں ہوگا۔ اگر عیسائیوں کو اپنے گرجوں وغیرہ کی تعمیر یا کسی مذہبی امر میں مدد کی ضرورت ہو تو مسلمانوں کو ہر طرح کی اعانت کرنی چاہیے۔ اس سے ان کے مذہب میں شرکت نہیں ہوگی صرف ان کے احتیاج کو رفع کرنا مقصود ہے۔'' (مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی والخلافۃ الراشدۃ جزا صفحہ ۵۶۱ تا ۵۶۳)

پس رسول اللہ ﷺ نے غیر مسلموں کے حقوق کے لیے ان معاہدات کے علاوہ اور بھی کئی معاہدات کیے اور امان نامے عطا فرمائے جن میں ان کے تمام حقوق کا بخوبی خیال رکھا گیا۔

عدل وانصاف کے ذریعہ امن کا قیام

دنیا کے امن کو تباہ کرنے میں ناانصافی کا بہت عمل دخل ہے جس کی وجہ سے رقابتوں میں اضافہ ہوتا ہے، عداوتیں بڑھتی ہیں اور نفرتیں پھولتی پھلتی ہیں۔ اسلام نے بلاتفریق مذہب وملت انصاف سے بڑھ کر احسان کا حکم دیا ہے تا کہ دلوں میں نفرتوں کی بجائے محبتوں کی کھیتیاں پھولیں پھلیں، امن کی فصلیں پروان چڑھیں اور وہ ایک دوسرے کے قریب ہوں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى (النحل: ۹۱) یقیناً اللہ عدل کا اور احسان کا حکم دیتا ہے۔......

دنیا میں عام دستور چلا آرہا ہے کہ جب قوم کا کوئی بااثر فرد جرم کرے تو اُسے معاف کر دیا جاتا ہے لیکن کمزور طبقے کو چھوٹے چھوٹے جرائم میں سزائیں دی جاتی ہے۔ آنحضور ﷺ نے ناانصافی کے اس طریق کو نہ صرف سخت ناپسند فرمایا ہے بلکہ آپؐ نے معاشرے کے ہر فرد کے لیے عدل وانصاف کے یکساں اصول متعین فرمائے اور انہی کے مطابق عمل بھی کروایا۔ آپؐ کا ارشاد مبارک ہے: اِنَّمَا اَهْلَكَ الَّذِيْنَ قَبْلَكُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا اِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الشَّرِيْفُ تَرَكُوْهُ وَاِذَا سَرَقَ فِيْهِمُ الضَّعِيْفُ اَقَامُوْا عَلَيْهِ الْحَدَّ۔ وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب احادیث الانبیاء۔ باب حدیث الغار۔ روایت نمبر ۳۴۷۵)

تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوئے کہ جب ان کا کوئی بڑا اور بااثر آدمی چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس کو سزا دیتے۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا۔

پس عدل وانصاف اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے اہم اصول ہیں جن کے بغیر کسی بھی معاشرے میں حقیقی امن قائم نہیں ہوسکتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں بسنے والی غیر مسلم رعایا کو اسلام کے نظام عدل میں برابر شریک کیا گیا ہے اور اُنہیں وہی حقوق حاصل ہیں جو ایک مسلمان کو دیے گئے ہیں۔ مندرجہ بالا آیتِ کریمہ میں غیر حکومتوں اور غیر قوموں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کا بنیادی اصول بتایا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا بنیادی اصول ہے جس پر کاربند ہوکر بین الملکی اور بین الاقوامی تعلقات کو خوشگوار رکھا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ایک ایسا دل عطا کیا تھا جو ساری مخلوق کے لیے سراسر رحمت تھا۔ آپؐ کی زندگی کا ہر پہلو مخلوق خدا کی ہمدردی اور اُن کی خیر خواہی کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھا اور آپؐ کی جود وسخا سب کے لیے عام تھی۔ ہر کوئی آپؐ کے حسن واحسان سے بہرہ ور ہوتا اور ہر کسی کو اس چشمۂ رحمت سے فیضیاب ہونے کا موقع ملتا۔ آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم میں غیر قوموں کے ساتھ نہ صرف تمدنی تعلقات قائم کرنے کی ہدایت موجود ہے بلکہ ان کے ساتھ انصاف سے پیش آنے کی نصیحت بھی فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ۔ (الممتحنۃ: ۹) اللہ تمہیں ان سے منع نہیں کرتا جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں قتال نہیں کیا اور نہ تمہیں بے وطن کیا کہ تم اُن سے نیکی کرو اور اُن سے انصاف کے ساتھ پیش آؤ۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اسلام نے دشمنوں کی طرف سے کی جانے والی زیادتیوں پر بھی قیام امن کی خاطر بدی کے برابر بدلہ لینے کی اجازت دی ہے اور فرمایا ہے کہ اگر تم عفوودرگزر سے کام لو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہارا یہ عمل زیادہ پسندیدہ قرار پائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا

وَاَصۡلَحَ فَاَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ۔ (الشوریٰ:۴۱) اور بدی کا بدلہ، کی جانے والی بدی کے برابر ہوتا ہے۔ پس جو کوئی معاف کرے بشرطیکہ وہ اصلاح کرنے والا ہو تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ یقیناً وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

عالمی امن کا قیام

وَاِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا‌ ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰٮهُمَا عَلَى الۡاُخۡرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِىۡ تَبۡغِىۡ حَتّٰى تَفِىۡٓءَ اِلٰٓى اَمۡرِ اللّٰهِ‌ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَهُمَا بِالۡعَدۡلِ وَاَقۡسِطُوۡا‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُقۡسِطِيۡنَ۔ (الحجرات :۱۰) ترجمہ:اور اگر مومنوں میں سے دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرواؤ پس اگر ان میں سے ایک دوسری کے خلاف سرکشی کرے تو جو زیادتی کر رہی ہے اس سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے فیصلہ کی طرف لوٹ آئے پس اگر وہ لوٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان عدل سے صلح کرواؤ اور انصاف کرو یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کر، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ (صحابہؓ نے) کہا: یارسول اللہؐ! مظلوم کی تو ہم مدد کریں گے کیونکہ وہ مظلوم ہے، لیکن ظالم ہو تو اُس کی کیسے مدد کریں؟ آپؐ نے فرمایا: اُس کے ہاتھوں کو پکڑ لو۔ آنحضرت ﷺ صلح کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے اور کسی رنگ و نسل، قومیت، وغیرہ کی پرواہ نہ کرتے بلکہ مظلوم کو اس کا حق دلواتے۔ فرمایا: ’’تم سے پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز انسان چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کرتے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔‘‘

یہ ہے امنِ عالم کی وہ بے نظیر تعلیم جو دنیا میں امن کی ضامن ہے۔ جب حقدار کو اس کا حق ملے گا تبھی صلح و آشتی کا معاشرہ قائم ہوگا۔

انسانی مساوات کے اصول سے امن کا قیام

دنیا میں بڑے بڑے فسادات کی ایک بڑی وجہ قومی تفاخر ہے۔ موجودہ دور میں بظاہر Racism کو برا خیال کیا جاتا ہے اور اسے ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن دنیا کے اکثر و بیشتر معاشروں میں Racism نہایت بھیانک شکل میں اپنا زہر گھول رہا ہے۔ جس کی وجہ سے انسانوں کے درمیان دُوریاں بڑھ رہی ہیں اور نفرت کی چنگاریاں آتش فشاں کا روپ دھارتی جا رہی ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ Racism کے نتیجے میں انسانی امن کو درپیش خطرات کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ’’آج کی دنیا میں جتنے فسادات ہیں اور انسان کو انسان سے جتنے خطرات لاحق ہیں ان میں جو بھی محرکات کارفرما ہیں، ان میں قومی برتری کا احساس سب سے طاقتور اور خطرناک محرک ہے۔ اس کو Racism یا Racialism کہا جاتا ہے۔ یہ Racism اگرچہ بظاہر ناپسند کیا جاتا ہے لیکن آج بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح نازی دور میں جرمنی میں ہوا کرتا تھا۔ یہ Racism سفید بھی ہے اور سیاہ بھی۔ اور سفید قوموں کے خلاف جو افریقن ممالک میں نفرتوں کے لاوے ابلتے رہتے ہیں، اس کو Black یا سیاہ فام Racism کہا جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ اب تک دنیا اس بھوت کے چنگل سے آزاد نہیں ہوسکی۔

یہ کوئی ایسا پودا نہیں ہے جسے آسانی سے اکھاڑ پھینک دیا جائے لیکن سب اہل حق جو سچ بات کو دیکھنا اور پہچاننا جانتے ہیں ان کو علم ہے کہ باوجود ہر قسم کی تقریروں اور Racism کے خلاف باتوں کے جگہ جگہ Racism کی جڑیں مختلف شکلوں میں مغرب کے تمام ممالک میں بھی پائی جاتی ہیں اور مشرق کے تمام ممالک میں بھی پائی جاتی ہیں۔ کوئی دنیا کا خطہ ایسا نہیں جہاں نہ پائی جاتی ہوں۔ یہ ایسا زہر اور سخت جان پودا ہے کہ یہ معاشروں میں نہیں، فلسفوں میں بھی بڑی خاموشی کے ساتھ داخل ہوجاتا ہے۔ وہ ماہرین جو گہری نظر سے مغرب اور سفید فام روس اور چین کے تعلقات کا مطالعہ کرتے ہیں، خوب جانتے ہیں کہ دونوں مغرب اور سفید فام روس سفید Racism کو اشتراکیت پر ترجیح دیں گے اگر اشتراکیت کے پھیلاؤ کے ساتھ زرد فام چین اس دنیا پر غالب آجاتا ہے۔ دونوں ہی اپنی سفید فام برتری کو اس بات پر ترجیح دیں گے کہ اشتراکیت زرد فام چین سے متعلق ہوکر دنیا پر غالب آئے۔ کسی قیمت پر بھی وہ زرد فام چین کا دنیا پر غلبہ برداشت نہیں کر سکتے۔‘‘ (عدل، احسان اور ایتاء

ذی القربیٰ صفحہ ۲۲۹ تا ۲۳۰)

نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم کے مطابق نسل پرستی کی ہر شکل نہایت مکروہ اور امن عالم کے لیے زہر قاتل ہے۔ اسلامی تعلیم کے مطابق کوئی انسان اپنے خاندان، قبیلہ اور رنگ و نسل کی وجہ سے ممتاز نہیں ہوجاتا اور نہ ہی پیدائشی طور پر کوئی انسان پاک یا ناپاک ہوتا ہے بلکہ بحیثیت انسان سب یکساں اور مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ انسانوں کے درمیان قوموں اور قبائل کا فرق صرف تعارف اور پہچان کے لیے ہے۔ ہاں البتہ اگر کوئی فرق ہے تو وہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ مبارک ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ۔ (الحجرات: ۱۴) اے لوگو! یقیناً ہم نے تمہیں نر اور مادہ سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ یقیناً اللہ دائمی علم رکھنے والا (اور) ہمیشہ باخبر ہے۔

اس ضمن میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں: ''آنحضرت ﷺ نے اپنے آخری خطبہ میں تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ کسی عربی کو غیر عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ نہ ہی کسی غیر عربی کو عربی پر کوئی برتری ہے۔ آپ ﷺ نے سکھایا کہ کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے نہ ہی کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت ہے۔ چنانچہ اسلام کی یہ واضح تعلیم ہے کہ تمام قوموں اور نسلوں کے لوگ برابر ہیں۔ آپؐ نے یہ بھی واضح فرمایا کہ سب لوگوں کو بلا امتیاز اور بلا تعصب یکساں حقوق ملنے چاہئیں۔ یہ وہ بنیادی اور سنہری اصول ہے جو بین الاقوامی امن اور ہم آہنگی کی بنیاد رکھتا ہے۔'' (عالمی بحران اور امن کی راہ، صفحہ ۷۵)

اس طرح تاریخ عالم میں پہلی مرتبہ تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے ہم پلہ قرار دے کر انسانی مساوات اور امن عالم کا ایسا منشور پیش کیا گیا جس کی مثال تاریخ عالم میں نہیں پائی جاتی۔ اسلام نے انسانوں کے درمیان پائے جانے والے تمام امتیازات کو ختم کر کے انہیں باور کرا دیا کہ قومی و نسلی تفریق کا مقصد باہمی معرفت والفت کا حصول ہے، نہ کہ اجنبیت اور نفور کا موجب۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اگر کسی کو کوئی شرف حاصل ہے تو وہ تقویٰ کی بنا پر ہے۔

مذہبی رواداری کے اصول سے امن عالم کا قیام

تاریخ عالم اور مذاہب کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے رسول کریم ﷺ کے ذریعہ مذہبی آزادی کی روایت قائم ہوئی اور آپؐ نے سب سے پہلے مذہبی رَواداری کا درس دیا۔ اسلام کی امن پسندی کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسلام ایک تبلیغی دین ہے جس کی تعلیم دنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہے لیکن اس کے باوجود اسلام نے مذہب کے معاملہ میں کسی انسان پر کوئی پابندی یا قدغن نہیں لگائی بلکہ ہر انسان کو اپنے ضمیر کے مطابق فیصلے کا اختیار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِىَ دِيْنِ۔ (الکافرون: ۷) تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین۔ نیز فرمایا: لَاۤ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ (البقرۃ ۲۵۷) کہ دین میں کوئی جبر نہیں۔

گویا اسلام نے مذہب کو ہر انسان کا ذاتی فعل قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بانیٔ اسلام ﷺ کے ذریعہ یہ اعلان عام فرمایا ہے کہ

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (الکہف: ۳۰)

حق وہی ہے جو تمہارے ربّ کی طرف سے ہو۔ پس جو چاہے وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے سو انکار کردے۔

اسلام نے مذہبی رواداری کے سلسلے میں جس کھلے دل کا مظاہرہ کیا ہے اس کی ادنیٰ سی مثال کسی دوسرے مذہب یا فرقے میں دکھائی نہیں دیتی۔ لیکن اس کے باوجود امن کے دشمن، اسلام کو بدنام کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اس کے بالمقابل بانیٔ اسلام ﷺ نے دشمنوں کی زیادتیوں کے باوجود اپنے ماننے والوں کو صبر و تحمل اور برداشت کا درس دیا ہے اور انہیں عفو و درگزر کا حکم دے کر اُن کے دلوں کو ہر انسان کے لیے نرم بنا دیا ہے تا کہ اُس کے اس پسندیدہ رویے سے معاشرے میں امن وسکون اور بھائی چارہ کی فضا قائم کی جا سکے۔ چنانچہ قرآن کریم کے ذریعہ سلامتی کے اس پیغام میں مسلمانوں کو توجہ

دلائی گئی ہے کہ غیر قوموں اور غیر مذاہب والوں کی دشمنی کے باوجود، اُن کی تمام تر زیادتیوں اور تکلیفوں کے باوجود تم نے زیادتی سے کام نہیں لینا اور انصاف کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا۔ (المائدۃ:۳)

اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تمہیں مسجدِ حرام سے روکا تھا اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو۔

اسی طرح مکہ کی فتح کے بعد طائف سے بنو ثقیف کا ایک وفد آیا تو حضور نبی کریم ﷺ نے ان کو مسجد نبویؐ میں ٹھہرایا اور ان کی خاطر تواضع کا خاص اہتمام فرمایا۔ اس پر بعض لوگوں نے سوال اُٹھایا کہ یہ تو مشرک لوگ ہیں ان کو مسجد نبوی میں نہ ٹھہرایا جائے کیونکہ قرآن کریم نے مشرکین کو نجس یعنی ناپاک قرار دیا ہے۔ اس پر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس آیت میں ظاہری ناپاکی کی بجائے دل کی ناپاکی کی طرف اشارہ ہے۔ (احکام القرآن للجصاص صفحہ جلد ۳ صفحہ ۱۰۹)

ایک فرانسیسی مورخ ارنسٹ رینان (Ernest Renan) لکھتا ہے:

''In short, Mahomet appears to us a man amiable, sensible, faithful, and free from hatred. His affections were sincere; his character in general inclined to benevolence. When they took his hand in greeting, he responded cordially, and was never the first to let go. He saluted little children, and showed great tenderness of heart for women and the weak.''Paradise,''said he,''is at the feet of mothers''(Studies of Religious History by Ernest Renan, by William Heinemann London 1893,pg.175)

اس کا مفہوماً ترجمہ یہ ہے کہ محمد (ﷺ) ہمارے سامنے ایک محبت کرنے والے، معقول، باوفا اور نفرت کے جذبات سے پاک انسان کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ آپؐ کی محبت پُرخلوص تھی اور آپ کی طبیعت میں رحم کی طرف زیادہ جھکاؤ تھا۔ جب وہ (عرب کے لوگ) آپ کا ہاتھ مصافحہ کرنے کے لیے پکڑتے تو آپؐ نہایت گرمجوشی سے اس کا جواب دیتے اور کبھی پہلے اپنا ہاتھ نہیں چھڑاتے تھے۔ آپؐ چھوٹے بچوں کو سلام کرتے اور کمزوروں اور عورتوں سے بہت زیادہ شفقت سے پیش آتے۔ آپؐ نے فرمایا: ''جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔''

پیشوایان مذاہب کے احترام کے اصول سے قیامِ امن

آنحضور ﷺ نے اپنے ماننے والوں کو یہ حکم دیا ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی فرستادہ یا رسول نازل ہوا ہے اُس پر ایمان لاؤ اور اُنہیں خدا تعالیٰ کا مقرب جانتے ہوئے اُن کی عزت کرو اور اپنے دل میں اُن کا احترام کرو تا کہ اس کے نتیجے میں دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے دلوں میں اچھے جذبات پیدا ہوں اور باہمی تعلقات خوشگوار رہیں۔ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ''یہ اصول نہایت پیارا اور امن بخش اور صلح کاری کی بنیاد ڈالنے والا اور اخلاقی حالتوں کو مدد دینے والا ہے کہ ہم ان تمام نبیوں کو سچا سمجھ لیں جو دنیا میں آئے۔ خواہ ہند میں ظاہر ہوئے یا فارس میں یا چین میں یا کسی اور ملک میں۔ اور خدا نے کروڑہا دلوں میں ان کی عزت اور عظمت بٹھا دی اور ان کے مذہب کی جڑ قائم کر دی اور کئی صدیوں تک وہ مذہب چلا آیا۔ یہی اصول ہے جو قرآن نے ہمیں سکھلایا۔ اس اصول کے لحاظ سے ہم ہر ایک مذہب کے پیشوا کو جن کی سوانح اس تعریف کے نیچے آ گئی ہیں عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں گو وہ ہندوؤں کے مذہب کے پیشوا ہوں یا فارسیوں کے مذہب کے یا چینیوں کے مذہب کے یا یہودیوں کے مذہب کے یا عیسائیوں کے مذہب کے۔'' (تحفہ قیصریہ، روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۲۵۹)

اسی طرح آنحضور ﷺ نے مذہبی بحثوں میں اختلاف کی صورت میں دوسرے مذاہب کی قابلِ احترام ہستیوں کے احترام کی تعلیم دی ہے۔ یہ مذاہب کو مذاہب کے قریب لانے کے لیے ایک راہ نما اصول ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے دنیا میں امن کی کوششوں کو بہت تقویت ملے گی۔ ایک مرتبہ

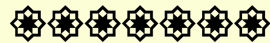
مدینہ میں ایک مسلمان اور یہودی کے مابین رسول خدا ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کا معاملہ اٹھا تو آپؐ نے کمال فراخدلی اور عاجزی کا ثبوت دیتے ہوئے فرمایا: لَا تُخَيِّرُونِي عَلٰى مُوسٰى یعنی مجھے موسیٰؑ پر فضیلت مت دو۔ (بخاری کتاب الخصومات، باب مایذکر فی الاشخاص والخصومۃ بین المسلم والیہود، حدیث نمبر ۲۴۱۱)

آنحضور ﷺ کی بعثت کے اوّلین مقصد میں توحید باری تعالیٰ کا قیام اور اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت شامل ہیں۔ لیکن اس کے باوجود امن عالم کی خاطر آپؐ کے پیدا کرنے والے نے آپؐ کے ذریعہ یہ تعلیم نازل کی ہے کہ اپنے ماننے والوں کو مشرکوں کے بتوں کو بھی برا بھلا کہنے سے منع فرمادیجئے۔ کیونکہ مسلمانوں کے اس عمل سے مشرکوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچے گی اور اُن کے اندر بے چینی پیدا ہوگی جس سے معاشرے کا امن خراب ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (الانعام: ۱۰۹) اور تم ان کو گالیاں نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ورنہ وہ دشمنی کرتے ہوئے بغیر علم کے اللہ کو گالیاں دیں گے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمان کس قدر خوش قسمت قوم ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آنحضور ﷺ کی صورت میں ایک ایسا عظیم وجود اور راہ نما عطا فرمایا ہے جو اُن کی جسمانی اور روحانی زندگی کے لیے بہترین رول ماڈل ہے۔ آنحضور ﷺ کی ذات اقدس تمام مخلوقات کے لیے سراپا امن وعافیت ہے جس کے انوار و جمال جابجا منکشف ہوکر ایک عالم کو منور کر رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ آپؐ کے ماننے والے اِن انوار و جمال سے فائدہ اٹھائیں اور دنیا میں قیام امن کے لیے آپ کی تعلیم پر خود بھی عمل پیرا ہوں اور اسے ساری دنیا میں پھیلانے کے لیے کوشش جاری رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔



اِک عہد ہمیں دُہرانا ہے

(مسعودہ فرح)

اس جشن تشکر پر بہنو اِک عہد ہمیں دُہرانا ہے
جو علم دیا محمودؓ نے ہم کو وہ اونچا لہرانا ہے
اس پاک جماعت میں آئیں تو ہم لجنہ بنیں، ناصرات بنیں
یہ بات ذہن میں رکھنی ہے، اس نام کا مان بڑھانا ہے
یہ یاد رہے پہلے اپنی نہ قدر تھی نہ ہی وقعت تھی
اب پھر سے ملی ہے جو عزت تو اس کو بڑھاتے جانا ہے
صد شکر ہے کہ محمودؓ نے ہم کو کھوئی عزت لوٹا دی
آقا کی قیادت میں ہم کو اب خولہ بن کر دِکھانا ہے
ملت کے جھلمل تاروں کی قسمت اب اپنے ہاتھ میں ہے
یہ سوچ کے آگے بڑھنا ہے، یہ سوچ کے قدم اُٹھانا ہے
تاریخ گواہ ہے لجنہ نے ہر خیر میں حصہ ڈالا ہے
اس رِیت کو قائم رکھنا ہے، اس کو ہی رِواج بنانا ہے
پُر عزم حیا کی پیکر پر لجنہ کی خلعت سجتی ہے
بے لوث وفا اور قربانی یہ لجنہ کا نذرانہ ہے
آقا کی دعا کے سائے میں نسلوں کی قیادت کرنی ہے
اسلاف سے جو کچھ سیکھا ہے اس کو آگے پھیلانا ہے
تعلیم و ہنر کے ذریعہ ہی اب دِیں کی اشاعت ممکن ہے
قرآن سمجھ کر اس کے نور سے اس جگ کو چمکانا ہے
ہم لجنہ ہیں، ہمیں یاد رہے آقا کی اطاعت لازم ہے
یہی ہمارا مقصد ہو کہ ہم نے رب کو منانا ہے
اس یوم تشکر پر بہنو صد شکر خدا کا کرتے ہیں
اب صلی علی کے ترانے کو ہر گھر کی شان بنانا ہے

شام غریباں کی اصلی تاریخ

(تحریر۔علی اصغر کاغانی)

بد قسمتی کی بات ہے کہ اس زمانہ میں ایک ایسا فرقہ اسلام بھی موجود ہے جو جھوٹ بولنے کو اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے ۔ جی ہاں اسلام جس جھوٹ کی نجاست کو شرک کے ساتھ بیان کرتا ہے ہماری دیو بندی اکابرین فخریہ فتاویٰ دیتے ہیں کہ ''احیائے حق کے واسطے کذب صریح بولنا بھی جائز ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اس فرقہ کے علمائے کرام بڑی ڈھٹائی کے ساتھ جھوٹ بول بول کر دوسرے فرقوں کا مذاق اڑاتے ہیں کہیں جماعت احمدیہ پر جنت دوزخ بنانے کا الزام لگاتے ہیں تو کہیں شیعہ حضرات کی شام غریباں کو جنسی بے حیائی سے جوڑتے ہیں۔

ابھی چونکہ تازہ تازہ محرم گزرا ہے تو خاکسار نے مناسب سمجھا کہ بہت سے لوگ جو شام غریباں کے نام سے تو آشنا ہیں مگر اس کی حقیقت سے بے خبر ہیں ان کے لئے شیعہ لٹریچر سے ڈھونڈ کر حقائق بیان کئے جائیں۔ ہمارا شیعہ حضرات سے لاکھ مذہبی اختلاف ہو مگر اسلامی تعلیم ہمیں کہیں بھی یہ اجازت نہیں دیتیں کہ اپنے دوسرے بھائی کے جذبات کا مذاق اڑایا جائے۔ اس مختصر نوٹ کے ساتھ شیعہ لٹریچر سے برآمدہ تحریر پیش ہے

تاریخ شام غریباں

''تحریر: ڈاکٹر عقیل عباس جعفری

مجلس شام غریباں برصغیر پاک و ہند کی عزاداری کا ایک اہم حصہ ہے ۔ شاید ہی کوئی عزا خانہ ایسا ہو جہاں دس محرم کو مغرب کے بعد اس مجلس کا اہتمام نہ ہوتا ہو۔ مگر آپ کو یہ جان کر حیرانی ہوگی کہ اس مجلس کی تاریخ عیسوی اعتبار سے سو سال سے بھی کم ہے۔

1926ء میں جنت البقیع کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ کے رہنے والے دو عرب جن میں سے ایک کا نام سید صالح تھا 2 محرم کو لکھنؤ میں وارد ہوئے جن کے قیام و طعام کا اہتمام غفران مآب کے امام باڑے کے حجرے میں کیا گیا۔ اس سال یوم عاشور (10 محرم 1345ھ) 21 جولائی 1926ء کو پڑا۔ عاشور کی شام کو یہ دونوں عرب مہمان امام باڑے میں بیٹھے تھے کہ مولانا سید کلب حسین مجتہد کی رائے پر فیصلہ کیا گیا کہ فاقہ شکنی امام باڑے میں ہی کی جائے۔ فاقہ شکنی کا سامان اور چائے کا سامان گھر سے منگوا لیا گیا۔ اس فاقہ شکنی میں مولانا سبط محمد ہادی عرف کلن صاحب، سید محمد رضی اجتہادی اور سید شجاع حسین عرف شجن صاحب بھی شریک تھے۔ عرب مہمان سید صالح نے تجویز پیش کی کہ اگر اس وقت کسی مجلس عزا کا اہتمام ہو تو بہتر ہوگا۔ شجن صاحب نے کہا کہ اس مجلس میں ذکرِ اسیرانِ اہلِ بیت ہو تو کیا ہی اچھا ہو، سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ محلے میں مقیم مومنین کو اطلاع کی گئی اور ستر، اسّی حضرات جمع ہو گئے۔

مولانا سید سبط محمد ہادی عرف کلن صاحب نے، جو انتخاب العلما کے لقب سے معروف تھے، ذاکری فرمائی اور خیام حسینی کے جلائے جانے اور اسیران کربلا کے قافلے کے شام کی جانب کوچ کرنے کا ذکر کیا۔ سامعین یہ ذکر سن کر بے تاب ہو گئے ۔ مولانا کلب حسین صاحب نے مجلس کے بعد فرمایا کہ یہ مجلس جس کی آج ابتدا ہوئی ہے ہر سال اسی مقام اور اسی وقت برپا ہوا کرے گی چنانچہ دوسرے سال بھی اسی دن اور اسی وقت پر یہ مجلس برپا ہوئی اور مولوی للن صاحب اور مولوی کبن صاحب زیب منبر ہوئے ۔ تیسرے برس اس مجلس کی اہمیت اور شہرت کے پیش نظر اس کا اہتمام اور انتظام محرم سے پہلے ہی سے شروع ہو گیا۔ خاندان کے ایک بزرگ منے آغا صاحب راز اجتہادی نے تجویز پیش کی کہ اس مجلس کا نام مجلس شام غریباں رکھا جائے ۔ اس سال اس مجلس سے عمدۃ العلما مولانا سید کلب حسین صاحب نے خطاب فرمایا۔ ان کا بیان اتنا اثر انگیز تھا کہ کئی آدمیوں کو غش آ گیا۔

تیسرے سال سے مجلس کے بعد زوجہؑ حر کی جانب سے اہل حرم کے لئے کھانا اور پانی لانے کی روایت کی میں مجلس میں کچھ خوان اور پانی کی مشکیں لائی گئیں، کچھ لوگوں کے ہاتھ میں شمعیں روشن تھیں۔اس مظاہرے سے مجلس کی اثر انگیزی میں اضافہ ہوگیا۔یہ مجلس سال بہ سال ترقی کرتی گئی۔کہا جاتا ہے کہ اس مجلس کے بعد اتنا شدید گریہ طاری ہوتا تھا کہ کئی افراد کو اسپتال لے جانا پڑتا تھا۔چنانچہ ہر سال وکٹوریہ گنج اسپتال کے ڈاکٹرز اور کمپاؤنڈر بھی دوائیاں کے ساتھ مجلس میں شریک ہونے لگے۔مجمع کی کثرت سے امام باڑہ غفران مآب کا وسیع صحن تنگ پڑنے لگا۔

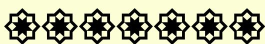
رفتہ رفتہ یہ مجلس ہندوستان کے دوسرے شہروں میں بھی منعقد ہونے لگی اور راج کمار محمود آباد کی کوششوں سے 1930ء یا 1931ء میں یہ مجلس لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے بھی نشر ہونے لگی۔اس مجلس کے لئے لکھنؤ ریڈیو کی جانب سے صرف پندرہ منٹ دیئے جاتے تھے اور مولانا سید کلب حسین اس مختصر دورانیے میں معرکہ کربلا کی تاریخ، مقاصد، اہل بیت کی سیرت اور کربلا کے مصائب سب کچھ ہی سمیٹ لیتے تھے اور قطرے میں سمندر سمو دیتے تھے۔مجلس کے نشر ہونے کے بعد تمام عزاخانوں میں یہ انتظام کیا جانے لگا کہ اس مجلس کے وقت عزاخانے کی روشنیاں گل کردی جائیں،فرش اٹھا دیا جائے اور بجائے ذاکر کے ریڈیو رکھ دیا جائے۔ ہر امام باڑے میں ذاکر کی عدم موجودی کے باوجود وہی اثر انگیزی قائم ہونے لگی جو غفران مآب کے امام باڑے میں براہ راست سننے والے سامعین پر ہوتی تھی۔

مولانا سید کلب حسین صاحب اپنی زندگی کے آخری محرم 1963ء تک اس مجلس سے مسلسل خطاب کرتے رہے۔اس مجلس کی مقبولیت دیکھ کر ریڈیو کے ذمے داروں نے اس کا دورانیہ نصف گھنٹہ کردیا۔مولانا سید کلب حسین صاحب کے انتقال کے بعد یہ ذمہ داری مولانا سید کلب عابد اور مولانا سید کلب صادق نے سنبھال لی۔اب یہ مجلس آل انڈیا ریڈیو کے متعدد اسٹیشنز سے نشر ہوتی ہے۔

قیام پاکستان کے بعد 1954ء کے لگ بھگ سید نجف حیدر جعفری نے ریڈیو پاکستان کے ڈائریکٹر جنرل زیڈ اے بخاری کو ایک خط تحریر کیا اور ان سے درخواست کی کہ مجلس شام غریباں کا یہ سلسلہ ریڈیو پاکستان سے بھی شروع کیا جائے۔زیڈ اے بخاری نے یہ درخواست قبول کرلی، چنانچہ 10 محرم 1374ھ مطابق 9 ستمبر 1954ء کو ریڈیو پاکستان سے بھی مجلس شام غریباں کی اس روایت کا آغاز ہوگیا اور شام 7 بج کر 45 منٹ پر بڑا امام باڑہ کھارادر سے علامہ رشید ترابی کی مجلس شام غریباں براہ راست نشر ہوئی۔اسی روز اس مجلس کے اختتام کے بعد رات 8 بجکر 30 منٹ پر، ناصر جہاں کی پرسوز آواز میں سید آل رضا کی ایک نظم بھی نشر ہوئی جس کا عنوان شام غریباں تھا۔بعد میں یہی نظم سلام آخر کے نام سے معروف ہوئی اور ریڈیو اور ٹیلی وژن کی مجالس شام غریباں کا جزو لازمی بن گئی۔

دو برس بعد 18 اگست 1956ء سے ریڈیو پاکستان سے مجلس شام غریباں اور سلام آخر کے درمیان مشہور نوحہ گھبرائے گی زینب بھی نشر کیا جانے لگا۔یہ نوحہ ایک روایت کے مطابق عہد انیس کے معروف شاعر چھنو لال دلگیر، متین دہلوی یا زخمی کانپوری میں سے کسی ایک کا لکھا ہوا ہے، یہ نوحہ بھی سید ناصر جہاں کی پرسوز آواز میں براہ راست کیا گیا۔

1967ء میں جب کراچی ٹیلی وژن کا آغاز ہوا تو 9 اپریل 1968ء مطابق 10 محرم 1388ھ سے پاکستان ٹیلی وژن سے بھی مجلس شام غریباں کے نشریے کی روایت کا آغاز ہوگیا۔پاکستان ٹیلی وژن سے نشر ہونے والی پہلی مجلس شام غریباں سے علامہ محمد مصطفی جوہر نے خطاب فرمایا۔1969ء سے 1973ء تک علامہ رشید ترابی اس مجلس سے خطاب فرماتے رہے۔انھوں نے مسلسل پانچ برس اس مجلس سے خطاب کیا۔علامہ رشید ترابی کے انتقال کے بعد جن خطیبوں نے پاکستان ٹیلی وژن سے اس مجلس شام غریباں سے خطاب کرنے کا اعزاز حاصل کیا ان میں علامہ عقیل ترابی، علامہ نصیر الاجتہادی، علامہ عرفان حیدر عابدی، علامہ طالب جوہری اور علامہ نسیم عباس کے نام سرفہرست ہیں۔





دیوبندی شگوفے (1)

مولانا طارق جمیل جھوٹا اور جہنمی ہے مولوی بقول دیوبندی علماء

ٹیلی گرام سے دیوبندی چینل پر مولانا طارق جمیل کے حوالہ سے دیوبندی فتویٰ طارق جمیل جھوٹی حدیث بیان کرتے ہوئے

روایت "کمینے شوہر سے بیوی ڈرتی ہے" کی تحقیق

سوال: يَغْلِبْنَ كَرِيمًا وَيَغْلِبُهُنَّ لَئِيمٌ فَأُحِبُّ أَنْ أَكُونَ كَرِيمًا مَغْلُوبًا وَلَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ لَئِيمًا غَالِبًا

کیا یہ حدیث ہے؟ اور ہے تو حوالہ مطلوب ہے ساتھ ہی معنی مطلب بھی واضح فرمادیں۔(المستفتی: نوید اختر، مالیگاؤں)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب وباللہ التوفیق: سوال نامہ میں مذکور عربی عبارت کا معنی تو یہ ہے کہ کریم شوہر پر بیوی غالب ہوتی ہے اور کمینہ شوہر بیوی پر غالب ہوتا یعنی اسے دبا کر رکھتا ہے، اور میں چاہتا ہوں کہ مغلوب کریم بنوں نہ کہ غالب کمینہ۔

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حدیث بالکل بھی نہیں ہے، بلکہ اسی معنی کی ایک روایت: ما أكرَمَ النساءَ إلا كريمٌ، ولا أهانهن إلا لئيمٌ۔ (عورتوں کی عزت شریف شخص کرتا ہے اور کمینہ ان پر غالب آتا ہے۔) ملتی ہے، لیکن اسے بھی محدثین نے غیر معتبر قرار دیا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ہے:

ایسی کوئی حدیث ہماری نظر سے نہیں گذری جس میں کمینے کی نشانی بیان کی گئی ہو اور نہ یہ کہ جس شخص کی بیوی اس سے ڈرے وہ کمینہ انسان ہے۔ اس لیے کچھ عرض کرنے سے معذرت ہے۔ آپ نے اگر کسی سے ایسا سنا ہے تو اسی سے اس کا حوالہ معلوم کریں اور پھر ہمیں بھی اس سے مطلع فرمادیں تا کہ اس کی تحقیق کی جا سکے۔(رقم الفتویٰ:156507)

https://youtube.com/shorts/ow-q9rjRMr0?feature

جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن کا فتویٰ مع سوال ملاحظہ فرمائیں:

کیا یہ حدیث صحیح ہے: شریف آدمی پر اس کی بیوی حاوی ہو جاتی ہے۔ اور وہ شخص کمینہ ہے جو اپنی بیوی کو سو فیصد کنٹرول کرلے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے، تو اس کی تشریح بھی کر دیں۔ کیا مرد اپنی بیوی کا غلام بن جائے۔

جواب: تلاش کے باوجود ان الفاظ کے ساتھ ایسی کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق میاں بیوی کے رشتے میں قانونی ضابطوں کی بجائے اخلاقی معیاروں کی پاسداری مطلوب ہے۔ میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے، اور اپنے حقوق کے مطالبے کے بارے میں درگزر کرنے کا رویہ اپنانے کی ٹھان لے تو نہ میاں کو بیوی سے شکوہ ہوگا اور نہ بیوی کو میاں سے۔(رقم الفتویٰ:143605200001)

درج بالا تفصیلات سے واضح ہوا کہ کمینہ آدمی بیوی کو دبا کر رکھتا ہے اس مفہوم کی تمام روایات موضوع اور من گھڑت ہیں، لہٰذا ان کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا اور اس کا بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

ما أكرَمَ النساءَ إلا كريمٌ، ولا أهانهن إلا لئيمٌ.

الراوي: علي بن أبي طالب المحدث: الألباني

المصدر: السلسلة الضعيفة الصفحة أو الرقم: 845

خلاصة حكم المحدث: موضوع

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ . (صحیح البخاری، رقم:۱۱۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عامر عثمانی ملی 26 محرم الحرام

https://youtube.com/shorts/ow-q9rjRMr0

ہم قرآن میں تحریف کررہے ہیں دیوبندی اعلان

ٹیلی گرام پر دیوبندی چینل پر ایک بہت ہی قابل افسوس اعلان کہ ہم قرآن کریم میں تحریف کے مرتکب ہیں مگر نہ شرمندگی نہ توبہ۔ دیکھئے

ایضاح الادلہ

از مولانا محمود حسن دیوبندی ص65، پی ڈی ایف ص 67

قرآن وحدیث میں تحریف از ابو جابر عبداللہ دامانوی

https://t.me/DarulUloomDeobandi/59829

قرآنِ کریم کی اصلی آیت:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (النساء 59)

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کی کتاب میں ہے: فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ وإلى أولى الأمر منكم۔ (نعوذ باللہ)

مولانا محمود حسن دیوبندی (یا ان کے کسی ناخدا ترس شاگرد) نے اسی اضافہ شدہ حصے کو اپنے دعوی کی دلیل بنایا ہے۔ اس لیے یہ محض کاتب کی بھول نہیں ہے۔

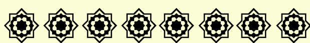
مولانا محمود حسن سے یا تو بہت سنگین بھول ہوئی ہے یا پھر ان کے کسی ناخدا ترس شاگرد نے ان کو بدنام کرنے کے لیے یہ حصہ گھسایا ہے۔ بہرصورت پوری دنیا کو تحریفِ دین کا طعنہ دینے والے فتوی بازانِ مقبوضہ دیوبند پر فرض ہے کہ وہ شرطوں کے مطابق براءت یا رجوع کریں کیوں کہ ساری دنیا اس شیطانی کلام کو شیخ الہند کے کلام کی حیثیت سے بہ نظرِ عقیدت پڑھ رہی ہے اور گمراہ ہو رہی ہے۔

دیوبند پر قبضہ کے حصول کے لئے مولانا قاسم نانوتوی اور مولانا حسین احمد مدنی کے بچوں اور خاندان میں رسہ کشی ہو رہی ہے۔ پہلے قبضہ نانوتوی گروپ کا تھا جسے بندوق کے زور پر مدنی گروپ نے ہتھیا لیا۔ اب دونوں



کلام ثاقب

دلوں میں عشق محمدؐ کی لو اتار گیا
مسیح وقت کا فرزند پالا مار گیا
جو سجدہ ریز ہوئے داعیان صدق و صفا
ملائکہ نے کہا۔ لا الٰہ الا اللہ
طلیطلّہ میں جو گونجے درود اور اسلام
ہر ایک قلب سے پھوٹے مسرّتوں کے پیام
کھلا یہ راز یہ شاہوں کے بس کا روگ نہیں
یہ معرکے ہوا کرتے ہیں طے بہ صدق و یقین
خلوص و مہر کے ساتھ عجزو انکسار کے ساتھ
ہم اب کے فتح کریں گے دلوں کو پیار کیساتھ
خدا کے دین کا عرفان لے کے آئے ہیں
ہم اپنے ہاتھوں میں قرآن لے کے آئے ہیں
کہاں وہ تمکنت شاہانہ عزّو جاہ میں ہے
جو ایک مرد خدا دوست کی نگاہ میں ہے
ہر ایک سو یہاں قرآں کی روشنی ہوگی
بہار اب کے جو آئی ہے دائمی ہوگی



گروپوں میں لفظی گولہ باری جاری ہے۔ ذرا ایک دوسرے کے لئے القابات ملاحظہ کیجئے

"کچھ بنارسی سینائیوں کے اعتراضات کے جوابات

عقیدۂ اہل سنت والجماعت ڈاکو ارشد کی جاگیر ہے یا زانی نظر ابو القاسم بنارسی کی مملوکہ؟ فساق وفجار کی نہ شہادت کا اعتبار ہوتا ہے، نہ فتوے کا۔

تفردات اور گمراہی میں بنارسی سینا کے نزدیک صرف یہ فرق ہے کہ اپنی پارٹی کا مولوی ہو تو تفرد، اور دوسری پارٹی کا ہو تو گمراہی۔ چنانچہ ارشد ایودھیاوی

تمام فقہائے احناف کو منہ چڑاتا ہوا عین رمضان میں خاص تہجد کے وقت اجتماعی مکروہِ تحریمی کا ارتکاب کرتا ہے،لیکن یہ اس سڑک چھاپ غنڈے کا علمی تفرد ہے۔اور مولانا سعد کی ہر بات کی تایید کتاب وسنت سے اور علماء کی تفسیروں سے ہوتی ہے،مگروہ گمراہی ہے۔

مولانا سعد ساری باتیں اللہ تعالیٰ کے لیے اور اس کے دین کے لیے ہی کرتے ہیں۔لہذا ان کی باتیں اللہ تعالیٰ ہی کے پیغام کی تبلیغ ہوتی ہیں،اللہ تعالی ہی کی طرف سے ہوتی ہیں۔دوسری طرف چندہ بٹوروں کی باتیں،توان کا مقصد اللہ کا پیغام پہنچانا نہیں ہوتا ہے،بل کہ عوامی مقبولیت حاصل کر کے چندہ بٹورنا ہوتا ہے،جس میں سے کم سے کم چالیس فی صدلازماً ان کی جیب میں جاتا ہے۔اور پچیس فی صدان کے مہتمم کی جیب میں۔لہذا چندہ بٹوروں کی باتیں 65 فی صدان کی طرف سے اوران کے مہتمم کی طرف سے ہوتی ہیں۔35 فی صداللہ تعالی کی طرف سے۔اورمعروف قاعدہ ہے: للأکثر حکم الکل (اکثر پر کل کا حکم لگایا جاتا ہے۔)لہذا کہ سکتے ہیں کہ چندہ بٹور کی بات اپنی طرف سے ہوتی ہے۔اللہ تعالی کی طرف سے نہیں ہوتی ہے۔"

کہتے ہیں کہ دیوبند کا پہلا سبق ایک انار کے نیچے بیٹھ کر دیا گیا چنانچہ دیوبندیوں نے انار کی تعریف کے لئے احادیث گھڑلی ہیں۔اب یہ دیوبندی ان احادیث کے بارہ میں آپس میں ہی لڑجھگڑرہے ہیں"

انار سے متعلق جھوٹی و باطل روایت ویڈیو میں۔

طارق مسعود پر مفتی سعید خان صاحب کا تبصرہ

اوردارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

عقائد وایمانیات حدیث وسنت سوال نمبر:603550

عنوان:انار کی فضیلت کی تحقیق

سوال:ماہنامہ محاسن اسلام شمارہ 257 فروری 2021 کے صفحہ 29 پر ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انار کے ایک دانہ کو اٹھایا اوراس کو کھالیا ان سے کہا گیا آپ نے یہ کیوں کیا؟ فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ زمین کے ہرانار میں جنت کے دانوں میں سے ایک دانہ ڈالا جاتا ہے شاید یہ وہی ہو۔(طبرانی

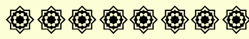




پروفیسر شریف خان کی وفات پر

عبدالکریم قدسی۔امریکہ

اب دوستوں کی محفلوں میں رونقیں کہاں
ہم سے بچھڑ گئے ہیں پروفیسر شریف خاں
سب حلقۂ احباب کووہ چھوڑ کر اداس
خود ہو گئے جنت الفردوس کو رواں



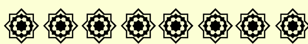
بسند صحیح) پھر فائدہ میں لکھا ہے: اس ارشاد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعا بھی روایت کیا گیا ہے۔(الطب النبوی، کنزالعمال) سوال یہ ہے کہ کیا یہ حدیث صحیح اور ثابت ہے خواں مرفوعا ہو یا غیر مرفوع؟

جواب نمبر:603550

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Fatwa : 597-514/D=08/1442

سوال میں انار کی فضیلت کے بارے میں ذکر کردہ روایت موضوع اور گھڑی ہوئی ہے؛ لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جمہور آئمہ جرح وتعدیل نے مذکورہ روایت کو باطل قرار دیا ہے۔ قال الذہبی فی المیزان: عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: سمعت النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "ما من رمّان من رمّانکم إلاّ وهو یلقح بحبّة من رمّان الجنّة" هذا الحدیث من أباطیله (4/59)۔ وقال الدار قطني: لیس بشيء (4/15)۔ ورواه ابن الجوزي في الموضوعات (2/285)۔واللہ تعالیٰ اعلم





نہال ہاشمی صاحب، بتائیں یہ کس مسلک کی سازش ہے؟

الم نگار

ایک بار پھر پاکستان میں سیاسی میدان میں گالی گلوچ اور جوتم پیزار کا بازار گرم ہے۔ یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں۔ اب یہ سلسلہ پاکستان میں ایک معمول کی بات ہے۔لیکن یہ ایک المیہ ہے کہ اس مرتبہ یہ سیاسی جنگ مسجد نبوی کے احاطے تک جا پہنچی ہے۔ جب وزیر اعظم شہباز شریف صاحب، مریم اورنگزیب صاحبہ، اور شاہ زین بگٹی صاحب وہاں گئے تو وہاں پر موجود تحریک انصاف کے حامیوں نے چور چور کے نعرے لگائے، مریم اورنگزیب صاحبہ پر بھی آوازیں کسیں اور بگٹی صاحب کے بال پکڑ کر کھینچنے کی کوشش کی گئی۔

ایسے مقدس مقام پر اس قسم کی حرکات پر شدید ردعمل دیکھنے میں آیا۔ اور بھاری اکثریت نے اس گستاخی کی شدید مذمت کی۔ اس افسوسناک واقعہ پر بیانات کا سلسلہ جاری تھا کہ "ہم" چینل پر ایک پروگرام میں مسلم لیگ نون کے نہال ہاشمی صاحب، پیپلز پارٹی کے فضل کریم کنڈی صاحب اور تحریک انصاف کی عندلیب عباس صاحبہ شامل ہوئیں۔ اس میں جب تحریک انصاف کے حامیوں کی اس حرکت کا ذکر آیا تو مسلم لیگ نون کے نہال ہاشمی صاحب طیش میں آ گئے اور انہوں نے تحریک انصاف کے لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ یہ احمدی برانڈ کے لوگ ہیں۔

اس پر اینکر صاحب نے انہیں روکنے کی کوشش کی اور کہا کہ کسی کے عقیدہ پر سوال نہ اٹھائیں تو نہال ہاشمی صاحب کا جلال اور بھی بھڑک اٹھا اور انہوں نے کہا بات کرنے دو ورنہ یہ پروگرام نہیں چلنے دوں گا میں، یہ رسول اللہ ﷺ کی حرمت کی بات ہے۔ یہ احمدیوں کی سازش ہے۔ احمدی ان کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ اینکر صاحب نے پھر کہا کہ اس بات کو غلط طرف نہ لے کر جائیں حقائق کی بات کریں۔لیکن نہال ہاشمی صاحب غصے میں بولتے رہے اور یہ اعلان کرتے رہے کہ پاکستان کے لوگ اپنی گردن کٹا دیں گے۔

کیا اس پروگرام میں یا اس کے بعد نہال ہاشمی صاحب نے زحمت کی کہ وہ یہ وضاحت پیش کریں کہ انہوں نے کس بنا پر چلا چلا کر یہ کہا تھا کہ یہ احمدیوں کی سازش ہے؟ کیا کوئی ثبوت پیش کرنے کی زحمت کی؟ یا ان کے خیال میں اگر کسی سمندر کی تہہ میں دو مچھلیاں بھی لڑیں تو احمدیوں کا نام لگا دو۔ کوئی ثبوت بھی نہیں مانگے گا اور واہ واہ بھی ہو جائے گی۔

یقینی طور پر نہال ہاشمی صاحب کے علم میں ہو گا کہ ہر پاکستانی احمدی کے پاسپورٹ کے دوسرے صفحہ پر یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ حامل ہذا پاسپورٹ عقیدہ کے لحاظ سے احمدی ہے۔ [پاکستان کے حالات کے اعتبار سے اس کا مطلب ہوتا ہے کہ بے شک اس کو انسان بھی نہ سمجھا جائے۔ اگر کسی پر الزام لگانے کے لئے طبیعت مچل رہی ہے تو اس پر لگا دو۔ اس سے بہتر ٹارگٹ نہیں ملے گا]۔ اس طرح کسی احمدی کو سعودی سفارت خانہ ویزا ہی نہیں دیتا۔

اور حرم کی حدود میں داخل ہوتے ہوئے ایک گیٹ ہے جس سے آگے صرف وہی جا سکتے ہیں جسے سعودی قانون مسلمان قرار دیتا ہے اور سعودی قانون میں احمدیوں کو مسلمان نہیں قرار دیا جاتا۔ چنانچہ یہ تو ممکن نظر نہیں آ رہا کہ جن لوگوں نے مسجد نبوی جیسے مقدس مقام پر ہلڑ بازی کی ہے اور نعرے لگا کر وہاں کا تقدس مجروح کیا، وہ احمدی ہوں۔ یقینی طور پر یہ وہی لوگ ہوں گے جنہیں آئین پاکستان مسلمان قرار دیتا ہے۔

اور شاید نہال ہاشمی صاحب کے علم میں ہو کہ جن پر وہ سب سے زیادہ الزام لگا رہے ہیں یعنی سابق وزیر اعظم عمران خان صاحب، وہ بھی احمدی نہیں ہیں۔ ہاشمی صاحب کی پارٹی تو اب حکومت میں ہے چنانچہ بخوشی نادرا کے دفتر جا کر عمران خان صاحب کا حلف نامہ ملاحظہ فرما لیں کہ وہ ہرگز احمدی نہیں ہیں بلکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ وہ اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں جس سے نہال ہاشمی صاحب وابستہ ہیں۔ اس پس منظر میں یہ مضحکہ خیز بات ہے کہ نہال ہاشمی صاحب اتنے لال پیلے ہو کر احمدیوں پر الزام کیوں لگا رہے ہیں؟ اگر انہیں یہ

شوق پورا کرنا ہے تو اپنے ہی مسلک کو تختہ مشق بنائیں۔ احمدیوں پر غصہ نکالنے کی ضرورت نہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نہال ہاشمی صاحب کو اس قسم کے کچھ دوسرے واقعات یاد کرائے جائیں۔ مدینہ منورہ میں اس سے بہت بڑھ کر واقعات 1925 میں اس وقت پیش آئے تھے جب سعودی افواج اور موجودہ سعودی بادشاہ کے والد شاہ عبد العزیز مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے اور وہاں پر شریف مکہ حسین کی حکومت ختم ہوئی تھی۔نہال ہاشمی صاحب تحقیق کر لیں کہ اس وقت جنت البقیع میں رسول اللہ ﷺ کی ازدواج مطہرات اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی قبروں پر بنے ہوئے کتبے مسمار کیے گئے تھے۔شہدائے احد کی قبریں ہموار کی گئیں کیونکہ یہ وہابی مسلک کے خلاف تھے۔اور ایک مرحلہ پر ہندوستان میں یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ کے مزار مبارک کی عمارت کو نقصان پہنچا ہے۔تصدیق اور تردید کی نوبت تو بعد میں آئی، لیکن اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا۔

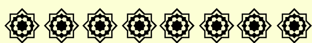
ہندوستان سے علماء کا ایک وفد جس میں مولانا محمد علی جوہر، سلیمان ندوی، اور شبیر عثمانی صاحب بھی شامل تھے حجاز گیا اور اپنے آنکھوں سے کئی قبروں کا انہدام دیکھا۔ باقی علماء تو جلالۃ الملک کے رعب سے متاثر ہو گئے لیکن مولانا محمد علی جوہر ان سے دبنے والے نہیں تھے۔انہوں نے حجاز میں بھی سلطان عبد العزیز ابن سعود کے سامنے اپنی رائے کا اظہار کیا اور بعد میں بھی ان خیالات کا اظہار کیا

"جو حشر جمہوریت کی تعریف اور مقدس مقامات کے احترام کا ہوا وہ ایک عالم جانتا ہے۔ جو حشر موتمر عالم اسلام کا کیا جا رہا ہے اس کے متعلق جلد کچھ عرض کروں گا۔شرف عدنان بے اول موتمر کے صدر کا تار جو علامہ سید سلمان ندوی نائب صدر موتمر کے نام موصول ہوا وہ آپ کے سامنے ہے۔ پڑھئے اور سلطان ابن سعود کے ایفائے عہد کا لطف اٹھائیے۔ یہ ہے وہ تمسک بالکتب والسنۃ جو ہدم مقابر ماثر اور مزار رسول اکرم (روحی فداہ) کے قرب و جوار تک کو اندھیرے میں ہی چھوڑنے سے ثابت ہوتا ہے یا پھر شاہ انگلستان اور ملکہ ہالینڈ ہاتھوں سے صلیبی تمغہ اپنے نائب اور صاحبزادے کے سینے پر لٹکوانے سے اور اس کی تصویر ان حسین چھوکریوں کے ساتھ کھنچوانے جو لندن میں نیم عریانی کے لباس کی اپنے خوبصورت اور ڈھلے ہوئے جسموں پر نمائش کر کے دکان میں آنے والوں کو خریداری پر آمادہ کرتی ہیں۔ یہ صاحبزادے کس کے لئے یہ نیم عریاں لباس خریدنے گئے تھے۔ یہ آج تک معلوم نہ ہوا، مگر شاید لباس کے خریدار نہ ہوں۔(آگے کچھ زیادہ سخت الفاظ حذف کر دیے گئے ہیں)۔"

[ہمدرد 13 نومبر 1927ء بحوالہ مولانا محمد علی جوہر آپ بیتی اور فکری مقالات مرتبہ سید شاہ محمد قادری ص828]

یہ الفاظ سخت ہیں لیکن یہ میرے الفاظ نہیں ہیں بلکہ مولانا محمد علی جوہر صاحب کے ہیں۔ پڑھنے والے چاہیں تو ان سے اتفاق کریں یا اختلاف کریں ان کی مرضی۔ اور ان حقائق پر شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ خود سعودی حکومت نے کبھی ان واقعات کا انکار نہیں کیا۔نہال ہاشمی صاحب کو شاید اس بات کا علم ہو کہ سعودی خاندان ہرگز ہرگز احمدی نہیں ہے بلکہ سعودی حکومت احمدیوں کی مخالفت میں پیش پیش رہی ہے۔لیکن مدینہ پر قبضہ کرتے ہوئے جو توڑ پھوڑ کی گئی وہ ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں کے نزدیک بدترین گستاخی تھی۔ہاشمی صاحب نے گردن کٹوانے کی بات کی تھی۔میرا خیال ہے اگر وہ گردن کٹوانے کی بجائے صرف یہ بیان دے دیں کہ سعودی خاندان نے مدینہ منورہ میں داخل ہو کر جو توڑ پھوڑ کی وہ ہرگز جائز نہیں تھی اور مستقبل میں اس قسم کی حرکت کو برداشت نہیں کیا جائے گا۔اتنا ہی کافی ہوگا۔

اور آج نہال ہاشمی صاحب نے یہ خبر سن لی ہوگی کہ فیصل آباد میں پندرہ معلوم افراد کے خلاف مسجد نبوی میں نامناسب حرکتیں کرنے اور وہاں پر موجود لوگوں کو شعائر اسلام کی بجا آوری سے روکنے پر مقدمہ درج کیا گیا ہے۔جن لوگوں کے خلاف مقدمہ درج کیا گیا ہے، ان میں عمران خان صاحب، شیخ رشید صاحب اور شیخ شفیق صاحب بھی شامل ہیں۔ اگر انہوں نے مسلک کی بحث چھیڑی ہے تو میری ہاشمی صاحب سے درخواست ہے کہ حساب کر کے بتائیں کہ ان میں سے کتنے لوگ احمدی ہیں اور کتنے سنی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں علم ہو جائے گا کہ یہ کس کی سازش ہے؟



14 اگست اور جاوید چوہدری کا ادھورا سچ



(14 اگست کے یوم آزادی 2023 پر پی سی بی کی جاری کردہ ایک ویڈیو پر حال ہی میں بڑی لے دے ہورہی ہے کہ اس ویڈیو میں فلاں فلاں ہیرو کو حذف کر دیا گیا ہے۔اب اس خبر کے بعد آپ یہ میرا ایک پرانا مضمون پڑھیں کہ احمدیہ کمیونٹی اور اس کے ہیروز کے ساتھ کب سے یہی ظلم ہورہا ہے۔ کہیں سے نوبل پرائز ہولڈر کو منہا کیا جارہا ہے تو کہیں سے وزارت خارجہ کی کامیابیاں دوسروں کی جھولی میں ڈالی جارہی ہیں۔محترم وجاہت خان صاحب چونڈہ کے محاذ پر لڑی جانے والی جنگ پر پورا پروگرام کرتے ہیں مگر اس کے انچارج ہیرو بریگیڈئر عبدالعلی کا نام منہ پر لانا گوارا نہیں کرتے۔ چونڈہ کی جنگ دنیا میں مشہور اور منفرد ٹینکوں کی جنگوں میں شمار ہوتی ہے۔اس میں بے شمار مجاہدوں نے اعلیٰ کارکردگی کے نمونے پیش کئے۔ہندوستان کے آرمڈ ڈویژن کا اتنا نقصان ہوا کہ ہندوستانی کور کمانڈر نے مجبوراً فیصلہ کیا کہ ٹینکوں کی بجائے (انفنٹری) کو آگے لایا جائے اور چونڈہ پر حملہ کر کے قبضہ کیا جائے کیونکہ چونڈہ کو نہ تو ٹینکوں سے مسمار کیا جاسکا تھا اور نہ ہی اس کو چھوڑ کر آگے بڑھا جاسکتا تھا۔ پس ہندوستانی 6 ماؤنٹین ڈویژن کو ہدف ملا کہ وہ چونڈہ پر حملہ کر کے قبضہ کرے تاکہ آگے پیش قدمی ممکن ہو سکے۔ ہندوستانی 6 ماؤنٹین ڈویژن امریکن ساز وسامان سے لیس تھا۔ان کے جنرل آفیسر کمانڈنگ نے اپنا حملہ 58 بریگیڈ،35 بریگیڈ اور 40 بریگیڈ کے ساتھ اہداف پر پلان کیا۔اس آپریشن کی متوقع کامیابی کے بعد ہندوستانی فرسٹ آرمرڈ ڈویژن کو حکم دیا گیا تھا کہ ان کے لئے چونڈہ کا کانٹا نکال دیا گیا ہے اور ابھی وہ گوجرانوالہ کی طرف سے پیش قدمی کر سکتے ہیں۔جس کے لئے وہ تیار بیٹھے تھے۔

پاکستانی 24 بریگیڈ جو چونڈہ کا دفاع کر رہا تھا۔یہ دفاع 4،پلٹنوں پر مشتمل تھا۔جو 25 کیولری،2 پنجاب رجمنٹ،14 بلوچ رجمنٹ (چونڈہ بٹالین) اور 3 ایف ایف رجمنٹ پر مشتمل تھا۔اس بریگیڈ کے کمانڈر بریگیڈیئر عبدالعلی ملک تھے۔اب وقت آ گیا تھا کہ بریگیڈ اپنی صلاحیتیں بروئے کار لائے اور اپنے سے تین گنا کثیر دشمن کا سامنا کرے۔تمام یونٹوں نے اعلیٰ کارکردگی دکھائی اور دشمن کو منہ کی کھانا پڑی۔ہمارے کمانڈرز کی اعلیٰ حکمت عملی اور ٹروپس کے جذبہ جہاد اور جانفشانی کے باعث دشمن کو ہزیمت اور شکست کا سامنا کرنا پڑا۔محترم وجاہت خان صاحب نے چونڈہ میں کھڑے ہو کر یہ پروگرام کیا مگر زبان ایک احمدی کے ذکر سے گھبرا گئی یا اور بات ہے کہ وہ خود بھی آج کل ایسی ہی صورتحال سے گزر رہے ہیں۔اس مختصر نوٹ کے ساتھ میرا یہ پرانا مضمون مطالعہ کریں آپ کی زبان سے بھی یہ بات پھسلے گی" تلك الايام نداولها بين الناس"

لندن میں تین مصروف ترین ہفتے گزارنے کے بعد کاسابلانکا کے ٹرانزٹ ہال میں داخل ہوتے ہوئے کافی سستی سی چھارہی تھی۔سوچا اچھا ہے نائیجر کے صحرا میں داخل ہونے سے پہلے کچھ مراکش کے نیم ٹھنڈے ماحول میں سُستا لیا جائے۔سو ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔ پرسکون گوشہ تو نظر نہ آیا البتہ شیشے کی خوبصورت دیواروں پر چسپاں فری وائی فائی کا اشتہار نظر آ گیا۔وہ کیا کہتے ہیں اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔یعنی غنودگی کو بھول کر فوری فون آن کر لیا۔سوچا پاکستان کے الیکشنز کا حال ہی جان لیا جائے۔پھر کیا تھا یوٹیوب مجھے الیکشن،اسمبلیاں،متوقع وزارتیں،لیڈرران،اپوزیشن لیڈران اور گورنران سے گھماتی ہوئی جاوید چوہدری صاحب کی دانش اور تاریخ دانی کے ہاں لے وارد ہوئی۔آپ کا 14 مارچ 2018 کا پروگرام "کل تک" سنتے ہوئے مجھے کسی سیانے کی یہ بات رہ رہ کے یاد آنے لگی کہ وہ زہر اُس شہد سے ہزار درجہ بہتر ہوتا ہے جس میں زہر بھی ملا ہوا ہو۔جاوید چوہدری صاحب اپنے پروگرام کے تمہیدی الفاظ میں قائداعظم کی ذات کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے۔اچھی بات ہے ہمارے محترم قائد کی ذات ہی ایسی ہے کہ جس کی جتنی بھی تعریف کی

جائے کم ہے۔اور یہ مدح خوانی صرف 14 اگست ہی کو کیوں؟ سارا سال کرنی چاہئے اور نہ صرف مدح سرائی بلکہ ان کے بتائے ہوئے سنہری اصولوں پر ہی وطن کی تعمیر وترقی کی بنیادیں استوار کرنا چاہئیں۔مگر اپنے ممدوح لیڈر کی مدح کی خاطر افراط وتفریط کی اندھی گہری کھائی میں اتر جانا یا حالات و واقعات کے پیش منظر یا پس منظر میں ڈنڈی مارتے ہوئے کسی کی ٹوپی کسی دوسرے کے سر پر سجا دینے کو کسی بھی طرح سے اُس لیڈر کی خدمت کی مد میں شمار نہیں کیا جا سکتا بلکہ صریحاً زیادتی ہی گنی جائے گی۔اور یقیناً 14 اگست کو جاوید چوہدری صاحب قائداعظم سے ایسی ہی زیادتی کے مرتکب ہو رہے تھے۔آپ فرما رہے تھے'' یہ ملک قائداعظم محمد علی جناح کی مہربانی ہے۔اور قائداعظم کی شخصیت کتنی بڑی ہے آپ اس کا

اندازہ تین مثالوں سے لگا لیجئے۔آخری وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن دوسری جنگ عظیم کے دوران اتحادی فوجوں کا سپریم کمانڈر تھا۔جاپان نے 15 اگست 1939 کو اسی کے سامنے ہتھیار ڈالے تھے۔لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی خواہش تھی کہ انڈیا اور پاکستان دونوں اسی دن کو اپنی آزادی کا اعلان کریں ۔جواہر لال نہرو مان گئے مگر قائداعظم نے انکار کر دیا۔ان کا کہنا تھا کہ ہم جاپان کی غلامی کے دن کو اپنی آزادی کا دن نہیں بنا سکتے۔چنانچہ پاکستان نے جاپان کے سرنڈر سے ایک دن پہلے اپنی آزادی کے دن کا اعلان کیا بلکہ اپنے حصے کے تاوان کو بھی معاف کر دیا۔جاپان آج تک قائداعظم کے ان دو نوں اقدامات کی قدر کرتا ہے۔دوسری مثال قائداعظم صرف پاکستان کے بانی نہیں تھے بلکہ انہوں نے انڈونیشیا، ملایا، سوڈان لیبیا اور مراکش نائیجیریا، الجیریا اور تیونس کی آزادی میں بھی اہم کردار ادا کیا تھا۔انہوں نے ایران کو سویت یونین سے اور عراق کو برطانیہ سے بچایا تھا۔چنانچہ یہ 10 ممالک قائد اعظم کی وجہ سے آج بھی ہمارا احترام کرتے ہیں۔''

جاوید چوہدری صاحب آپ کی تاریخ دانی کو سلام۔یقیناً آپ ہمارے ملک کا ایک بڑا نام ہیں اور بڑے دانشور کے طور پر جانے جاتے ہیں لیکن افسوس یہاں آپ کچھ تو خلاف واقعہ بیان کر رہے ہیں اور کچھ اس کی ٹوپی اُس کے سر پر تھوپ رہے ہیں۔سادہ سی بات ہے کہ ٹیم میچ جیتتی ہے، کپتان ٹرافی اُٹھاتا ہے مگر گول اور وکٹیں انفرادی طور پر کھلاڑیوں کا طرہ امتیاز گنے جاتے ہیں۔1992 کا ورلڈ کپ پاکستان جیتا۔کپ کپتان عمران خان صاحب نے اُٹھایا مگر ابتداء ہی میں آئن بوتھم کو آوٹ کر کے فتح کی بنیاد رکھنے والا اور پھر 141 کے سکور پر چوتھی وکٹ گرا کر کھیل کا پانسہ پلٹ دینے والا وسیم اکرم انفرادی طور پر اتنی ہی عزت سے جانا جاتا ہے۔وسیم اکرم کی تین وکٹیں اور مین آف دی میچ کا ایوارڈ کبھی بھی جناب عمران خان کو نہیں دیا جا سکتا۔لیکن آپ اپنے زور بیان سے ایسا کرنے پر ہی مصر ہیں۔یہ تو درست ہے کہ محمد علی جناح کی شخصیت ایک محترم ذات ہے۔انتہائی نامساعد حالات میں آپ نے اپنی پسماندہ قوم کو آزادی کی نعمت سے ہمکنار کیا مگر یہ خراج تحسین کہ'' قائداعظم صرف پاکستان کے بانی نہیں تھے بلکہ انہوں نے انڈونیشیا، ملایا، سوڈان لیبیا اور مراکش نائیجیریا ، الجیریا اور تیونس کی آزادی میں بھی اہم کردار ادا کیا تھا۔انہوں نے ایران کو سویت یونین سے اور عراق کو برطانیہ سے بچایا تھا۔'' بالکل خلاف حقیقت ہے۔کیونکہ قائد محترم پاکستان بننے کے بعد مندرجہ بالا کسی ملک یا مطلوبہ خطے کے دورے پر نہیں گئے اور نہ ان ممالک کے وفود آپ سے ملنے کے لئے آئے۔نہ آپ نے کبھی ان ممالک کی عوام سے ڈائریکٹ رابطہ کر کے انہیں آزادی کے حوالے سے گائیڈ کیا۔نہ آپ نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کیا اور نہ کسی بین الاقوامی فورم پر ان ممالک کے لئے آزادی کی لابنگ کی۔جب ان میں سے کوئی بھی صورت وقوع پذیر نہیں ہوئی تو پھر آپ نے فی نفسہ ان ممالک کی آزادی کے لئے کیا رول ادا کیا ؟ہاں اگر آپ کا منشاء یہ ہے کہ آپ کے دور حکومت میں آپ کی ہدایات کی روشنی میں آپ کے وزیر خارجہ اور آپ کی حکومت نے ان ممالک کی آزادی کے لئے بھرپور کردار ادا کیا تو یہ بات کسی حد تک قابل قبول ہو سکتی ہے۔یہ بات یاد رہے کہ ان مندرجہ بالا ممالک میں سے اکثر ممالک قائداعظم کی وفات کے بعد یا بہت بعد میں آزاد ہوئے۔جیسے لیبیا یکم جنوری 1950 میں اور باقی تمام اس سے بھی بعد کی پیداوار ہیں۔

اسی طرح سے یہ ریوارڈ کہ قائداعظم نے جاپان کو اپنے حصے کا تاوان بھی معاف کر دیا پہلے سے بڑھ کر خلاف واقعہ ہے۔کیونکہ قائداعظم کی وفات 11 ستمبر 1949 میں ہوئی اور جاپان پر جرمانہ عائد کرنے والے سان فرانسسکو کانفرنس 8 ستمبر 1951 میں ہوئی۔جس میں جاپان کے علاوہ 48 ممالک

شامل ہوئے۔اس کانفرنس میں جاپان اور باقی ممالک کے مابین ایک معاہدہ عمل میں آیا جسے تاریخ میں Peace Treaty of San Francisco یا Peace Treaty with Japan کا نام دیا گیا۔اس کانفرنس میں قائد ملت لیاقت علی خان صاحب کے حکم پر پاکستانی وزیر خارجہ جناب چوہدری سرظفراللہ خان صاحب شامل ہوئے۔

ہیروشیما اور ناگاسا کی پر ایٹمی حملہ اور جنگ عظیم دوئم میں ہزیمت کے بعد جاپان شکست و ریخت کا شکار تھا۔اتحادی ممالک کی طرف سے نت نئے مطالبات اور پابندیوں کا سامنا تھا۔اسی دوران یہ کانفرنس سان فرانسسکو میں بلائی گئی۔جس میں وہ ممالک مدعو تھے جن کے خلاف جاپان کی طرف سے جنگی کاروائیاں اور جانی و مالی نقصان کیا گیا تھا ۔جنوبی اور مشرقی ایشیائی ممالک میں سے ہندوستان اور برما نے کانفرنس میں شرکت نہیں کی۔چین کو مدعو نہیں کیا گیا تھا۔جنگ عظیم دوئم کے وقت ابھی پاکستان وجود میں نہیں آیا تھا تاہم برطانوی حکومت کی وجہ سے پاکستان کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔خود جاپان اس کانفرنس میں ایک شکست خوردہ ملک کی حیثیت سے شریک تھا اور اس کی قسمت کا فیصلہ اتحادی ممالک کے ہاتھ میں تھا۔اتحادیوں کی طرف سے جو معاہدہ تشکیل دیا گیا اس کے نتیجے میں ہر متاثرہ ملک کو کروڑوں ڈالرز ملنے تھے ۔نیز جاپان کے لئے بہت سی ایسی پابندیاں تجویز کی گئیں تھیں جو کسی آزاد اور خودمختار ملک کی عزت ووقار کا تحفظ نہ کرتی تھیں۔اس موقعہ پر پاکستانی وزیر خاجہ جناب چوہدری سرظفراللہ خان صاحب کی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے جاپان میں پاکستان کے قائم مقام سفیر جناب ڈاکٹر سمیع اللہ قریشی صاحب (1963/64) اپنی کتاب سفیر اور سفارت کاری میں ذکر فرماتے ہیں

''ظفراللہ خان نے جو پاکستان کی قیادت کر رہے تھے پرجوش الفاظ میں جاپان کے لئے تقریر کی۔جس میں اُنھوں نے رسول پاک ﷺ کی صلح کی مثالیں دیتے ہوئے ایک فاتح کے مفتوح سے ہمدرانہ سلوک کی لاثانی مثال بتایا۔فصاحت کے اس نمونہ سے چند الفاظ یہاں درج کئے جاتے ہیں چونکہ اب یہ تقریر تقریباً تقریباً نایاب ہوگئی ہے۔ظفراللہ خان نے کہا ''سوائے اس ایک تابندہ اور شاندار مثال کے جس نے عرصہ دراز تک مسلمانوں میں روائت قائم کردی تھی تاریخ شائد ہی ایسی کوئی گواہی پیش کرتی ہے جس میں فاتح نے مفتوح سے بڑی فیاضی کے جذبے کے تحت ایسا شاندار سلوک کیا ہو جس کی نہایت نمایاں مثال فتح مکہ تھی۔جسے ہوئے اب تیرہ سو سال ہوگئے ہیں مگر اس کی چمک دمک آج تک ماند نہیں پڑی۔صلح مکہ نے بیس سال کے خون کے پیاسے دشمنوں کو ایک دوسرے کا دوست اور برادری بنا دیا۔اس کے برعکس میں جو صلح دی جاتی ہے اس سے خرابیوں اور تباہیوں کا ایک سلسلہ پیدا ہوتا ہے'' (سفیر اور سفارت کاری۔ایک درد کی کہانی از ڈاکٹر سمیع اللہ قریشی پیرا ماؤنٹ پبلشنگ کراچی) آگے چل کر لکھتے ہیں ''کسی اور ایشیائی ملک نے ، ہندوستان نے بھی اپنے حصے کا تاوان جنگ معاف نہیں کیا تھا۔یہ محض پاکستان تھا جس نے تاوان معاف کیا۔مجھے اتفاقاً اس کا علم ایسے ہوا کہ ایک مرتبہ میں سفارت کے پرانے فائل دیکھ رہا تھا جس میں ایک فائل پر نظر پڑی Acts of friendship towads japan اس میں جاپانی وزارت خارجہ کا ایک مراسلہ دیکھا جس میں پاکستان کا اس پر شکریہ ادا کیا گیا تھا اور ساتھ ہی ساتھ ایک جاپانی پریس ریلیز کی کاپی تھی جس میں جاپان نے پاکستان کے اس عمل کو سراہا تھا'' (سفیر اور سفارت کاری۔ایک درد کی کہانی از ڈاکٹر سمیع اللہ قریشی پیرا ماؤنٹ پبلشنگ کراچی)

جاپان میں پاکستانی سفارتخانے کے ریکارڈ کے مطابق اس کانفرنس کے فوری بعد پاکستان ان چند ممالک میں سے تھا جنھوں نے اپنا کمرشل آفس جاپان میں کھول دیا اسی طرح سے 1952 میں جاپان نے بھی اپنا ٹریڈ آفس کراچی میں کھول دیا۔

جناب جاوید چوہدری صاحب آپ سے عرض صرف اتنی ہے کہ چوہدری سر ظفراللہ خان صاحب وزیر خارجہ پاکستان کی کامیاب سفارتکاری کو جناب قائد اعظم کی جھولی میں یعنی وسیم اکرم صاحب کی وکٹیں اور مین آف دی میچ کا ایوارڈ جناب عمران خان صاحب کے سر منڈھنے پر بضد کیوں ہیں؟ کہیں آپ کا قلم بھی تو علمی کرپشن سے آلودہ نہیں ہوگیا یا پھر سرکاری راہداریوں کی خنکی کے ڈر سے آپ نے بھی بزدلی کی قبا زیب تن کر لی ہے جو ایک اقلیتی فرقے کے پاکستانی ہیرو کا نام زبان پہ لاتے ہوئے جھوٹ کی نجاست تک کے پاس ڈیرہ لگا کر بیٹھ گئے ہیں۔

الحاجہ غلام فاطمہ صاحبہ زوجہ حضرت میاں الہ دین صاحب صحابی حضرت مسیح موعودؑ (انجینئر محمود مجیب اصغر سویڈن)



قرآن کریم نے اپنے ماں باپ اور اولاد کے لئے جو دعائیں سکھائی ہیں ان میں سے بعض دعاؤں کے ساتھ میں اس مضمون کا آغاز کرتا ہوں۔

"اے میرے رب! مجھے توفیق بخش کہ میں تیری نعمت کا شکر ادا کروں تو نے جو مجھ پر کی اور میرے ماں باپ پر کی اور ایسے نیک عمل بجالاؤں جو تجھے پسند ہوں۔ اور تو مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیکوکار بندوں میں داخل کر" (سورۃ النمل آیت 20)

"اے میرے پروردگار مجھ کو اس بات کی توفیق دے کہ تو نے جو مجھ اور میرے ماں باپ پر احسانات کئے ہیں تیرے ان احسانات کا شکریہ ادا کرتا رہوں اور مجھے اس بات کی بھی توفیق دے کہ میں کوئی ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو جائے اور میرے پر یہ بھی احسان کر کہ میری اولاد نیک بخت ہو اور میرے لئے خوشی کا موجب ہو اور میں اولاد پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ ہر حاجت کے وقت تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں ان میں سے ہوں جو تیرے آگے اپنی گردن رکھ دیتے ہیں نہ کسی اور کے آگے۔" (سورۃ الاحقاف آیت 16)

الحاجہ حضرت غلام فاطمہ صاحبہ

میری پڑدادی اور میرے والد صاحب کی دادی اور میرے دادا جان کی والدہ تھیں۔ آپ کے شوہر کا نام حضرت میاں الہ دین صاحب تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی تھے۔ آپ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مولوی نور الدین صاحب کے مولد مسکن بھیرہ میں پیدا ہوئیں 1898ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی۔ 1924ء میں اپنے بیٹوں کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے گئیں۔ فریضہ حج ادا کرنے کے بعد وہیں مکہ میں ہی وفات پا گئیں اور اسی سرزمین مکہ میں خانہ کعبہ اور صفا اور مروہ اور زم زم کے کنویں کے پاس حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے قدموں میں دفن ہوئیں اور یہی ان کی تمنا اور دعا تھی۔ لکھا ہے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام حطیم کے نیچے دفن ہیں جو خانہ کعبہ کا حصہ ہے اور آپ علیہا اسلام کا بیٹا نبی اللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی جن دونوں کو ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ گئے تھا جہاں مکہ آباد ہوا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سے ایک بار سوال ہوا "سوال۔ کیا کوئی عورت نبیہ ہو سکتی ہے؟

فرمایا۔ نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ **الرجال قوامون علی النساء** (النساء: 35) اور **و للرجال علیھم درجة** (البقرہ: 229) عورتیں اصل میں مردوں کی ہی ذیل میں ہوا کرتی ہیں۔ جب صاحب درجہ اور صاحب مرتبہ کے واسطے ایک دروازہ بند کر دیا گیا تو یہ بیچارہ ناقصات العقل کس حساب میں ہیں؟" (الحکم جلد 7 نمبر 14 مؤرخہ 17 اپریل 1903ء صفحہ 10,9 بحوالہ ملفوظات جلد پنجم صفحہ 65)

غالبا یہی وجہ ہے کہ صحابہ کی بیویوں کا الگ سے بہت کم ذکر ملتا ہے۔ میرے والد میاں فضل الرحمان بسمل غفاری بی اے بی ٹی امیر جماعت احمدیہ بھیرہ نے "بھیرہ کی تاریخ احمدیت" میں اپنے آباؤاجداد کا مختصر ساذکر کیا ہے۔ زیادہ تر اسی کی مدد سے میں یہ مضمون ترتیب دے رہا ہوں۔ **وما توفیقی آلا باللہ**

آپ کے شوہر اور اولاد

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تریاق القلوب میں پیشگوئی لیکھرام کے گواہوں میں جو نام دیئے ہیں ان میں "191۔ الہ دین صاحب بھیرہ ضلع شاہ پور" میرے پڑدادا کا نام ہے جو الحاجہ غلام فاطمہ صاحبہ کے شوہر نامدار تھے انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قادیان جا کر 1898ء میں دستی بیعت کی تھی۔ ان سے پہلے ان کے بڑے بیٹے حضرت میاں عبد الرحمن

صاحب۔(جو میرے دادا تھے) قادیان جا کر حضرت مسیح موعود کی بیعت کرنے میں سبقت لے گئے تھے اور انہوں نے ہی اپنے والد صاحب کو کمال حکمت سے قادیان بلوایا تھا۔جو حضور کا چہرہ مبارک دیکھ کر ہی پہچان گئے تھے کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا اور از خود بیعت کر لی تھی۔واپس اپنے وطن بھیرہ پہنچ کر اپنے گھر والوں اور عزیز و اقارب کی بیعت کروائی۔

حضرت میاں الہ دین صاحب رضی اللہ عنہ 1905ء تک زندہ رہے اور 1905ء میں ان کی وفات ہوگئی۔انا للہ وانا الیہ راجعون

اپنے شوہر کی وفات کے بعد 1924ء تک ہماری پڑ دادی زندہ رہیں۔

ہماری پڑ دادی اور پڑ دادا کو اللہ تعالیٰ نے چھ بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا تھا (1) حاجی میاں عبد الرحمن صاحب صحابی (یہ آپکے سب سے بڑے بیٹے اور میرے دادا تھے)(2) حاجی میاں فضل الٰہی صاحب صحابی (یہ عبد القدوس قمر جاوید کے دادا تھے)(3) میاں نور الٰہی صاحب عالم جوانی میں ہی فوت ہو گئے تھے بہت مخلص احمدی تھے۔(4) حاجی میاں احمد دین صاحب (5) میاں محمد دین صاحب (6) میاں محمد عبد اللہ صاحب (7) محترمہ راج بی بی صاحبہ۔

احضرت میاں الہ دین رضی اللہ عنہ (ولادت 1852 بیعت 1898 وفات 1905) کے متعلق والد صاحب نے لکھا ہے" میرے دادا بزرگوار تھے ۔آپ مولوی نور الدین صاحب کے ہم مشرف اور معتقد تھے حضور کے مکان کے قریب ہی مکان تھا اس لئے آپ کے خاندان سے گہرے تعلقات تھے ۔میرے والد بزرگوار کو حضرت مولوی صاحب کی حقیقی بھتیجی کا رضائی بھائی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ پھر حضور کی اسی بھتیجی کی لڑکی میرے بھائی حبیب الرحمن صاحب کی رضائی بہن بنی تھی

دادا جان تہجد گزار عابد اور زاہد انسان تھے۔ان کے زہد کا ایک واقعہ مشہور ہے ۔ایک دفعہ موسم سرما میں بوجہ شدت سردی انہوں نے تہجد کے لئے اٹھتے ہوئے طبیعت میں کسل محسوس کیا تو رضائی سمیت اپنے تئیں فرش پر گرا دیا اور یہ کہتے ہوئے اٹھ الہ دین اب وضو کر کے نماز پڑھے گا کہ نہیں ۔(احمدی ہونے سے پہلے) آپ اہل حدیث خیال کے آدمی تھے۔"

(بھیرہ کی تاریخ احمدیت صفحہ 73)

حالات زندگی

الحاجہ حضرت غلام فاطمہ صاحبہ کا گھرانہ بہت دیندار گھرانا تھا۔حضرت مولوی نور الدین صاحب کے گھرانے کے ساتھ ان کا گہرا تعلق تھا اور رضائی رشتہ قائم ہوگیا تھا۔ چنانچہ ان کے بڑے بیٹے میاں عبد الرحمن صاحب جو میرے دادا تھے نے حضرت مولوی نور الدین صاحب کی ایک بھتیجی کے ساتھ دودھ پیا ہوا تھا۔ پڑ دادی جان اور ان کے شوہر اور اولاد سب ان کے معتقد تھے اس لئے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کرنے کے لئے کوئی زیادہ تردد نہیں کرنا پڑی۔

حضرت مولوی نور الدین صاحب کی زوجہ حضرت فاطمہ صاحبہ رضی اللہ عنہا مفتی خاندان کی تھیں جب تک وہ بھیرہ میں رہیں ہمارے گھرانے کے ساتھ ان کا تعلق رہا ان کی وفات تو قادیان میں 1905ء میں ہوگئی تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ان کی وفات کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاول مولوی نور الدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ کے زوجہ ثانی حضرت صغریٰ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بھی آپ کا تعلق بنا۔(وہ اماں جی کہلاتی تھیں) جیسا کہ ہمارے والد صاحب نے لکھا ہے کہ 1911ء یا 1912ء میں ان کا سارا گھرانہ قادیان جلسہ سالانہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے گھر پر ہی ٹھہرا تھا اس وقت والد صاحب کی عمر 4 سال کے لگ بھگ تھی ۔جب بھی یہ لوگ قادیان جاتے حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے پاس ہی ٹھہرتے ۔اماں جی کے لئے تحائف لے جایا کرتے تھے۔(ان کی وفات ربوہ میں ہوئی)

بھیرہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے زیر کفالت سردار عبد الرحمان سابق مہر سنگھ رضی اللہ عنہ بھی ان کے گھر جو اب مسجد نور احمدیہ بھیرہ ہے رہتے رہے ہیں ۔وہ میرے دادا جان کے ہم نام اور کلاس فیلو اور دوست تھے ان کا اور میرے دادا جان کا ایک دوسرے کے پاس آنا جانا رہتا تھا

میری تائی اماں کی روایت کے مطابق سردار عبد الرحمن مہر سنگھ 1950ء میں حضرت مصلح موعود کے ساتھ بھیرہ آئے تھے اور وہ ہمارے گھروں میں بھی گئے جہاں انہوں نے بچپن گزارا تھا۔انہوں نے باقاعدہ وہ جگہ دکھائی جہاں وہ

ہمارے دادا کے ساتھ ہماری پڑدادی حضرت غلام فاطمہ کے پاس بیٹھ کر میرے دادا کے ساتھ کھانا کھاتے تھے اور ہماری پڑدادی گرم گرم روٹیاں پکا کر ان کے آگے رکھتی تھیں۔ ہماری پڑدادی کو اپنے بڑے بیٹے اور ان کی اولاد کے ساتھ بہت پیار تھا۔ ہمارے تایا جان بھی ان کے بہت favourite پوتے تھے۔

تقدیر الٰہی سے سردار عبد الرحمان صاحب سابق مہر سنگھ رضی اللہ عنہ کی پوتی مریم صدیقہ بنت ڈاکٹر سردار نذیر احمد صاحب سے اس عاجز کی شادی ہوئی۔ نکاح حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے مسجد مبارک ربوہ میں 26 اگست 1967ء کو پڑھایا اور 22 فروری 1969ء کو شادی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نو بچے عطا فرمائے (سات بیٹیاں اور دو بیٹے)۔ الحمد للہ

55 سال کی رفاقت کے بعد اس عاجز کی بیوی مریم صدیقہ کا سٹاک ہوم سویڈن میں 2 مئی 2023ء کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی dead body کو پاکستان پہنچانے کا اللہ تعالیٰ نے انتظام فرما دیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خصوصی اجازت عطا فرمائی۔ اپنی والدہ کا تابوت ان کی خواہش کے مطابق ہمارا چھوٹا بیٹا محمود فاتح احسن سویڈن سے پاکستان لے کر گیا اور 13 مئی 2023ء کو ناظر اعلیٰ سید خالد احمد شاہ صاحب نے جنازہ پڑھائی جس میں کثیر لوگ شامل ہوئے اس کے بعد ان کی بہشتی مقبرہ دار الفضل ربوہ میں تدفین ہوئی۔ جہاں اس عاجز کے والدین اور اہلیہ مریم صدیقہ محمود کے والدین دفن ہیں۔ (شاید انہی کی وجہ سے سو سال پہلے کے واقعات یاد آ رہے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب)

پڑدادی جان کا حج

میرے والد صاحب اپنے خاندانی حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"...ہمارے گھریلو حالات بہت اچھے جا رہے تھے مگر 1923ء میں ہماری ہمشیرہ ایک شیر خوار بچی چھوڑ کر فوت ہو گئیں۔ جلد ہی ہماری والدہ (جن کا نام غلام بی بی تھا) بیمار پڑ گئیں۔ ہر چند علاج ہوا مگر وہ فوت ہو گئیں۔ انہی دنوں ہماری دادی اماں نے حج بیت اللہ کی تیاری کر رکھی تھی۔ وہ ضعیف العمر تھیں اور دل میں خواہش رکھتی تھیں کہ مر کر سرزمین حجاز میں دفن ہوں۔ ان کے ہمراہ جانے کے لئے میرے دو چچا صاحبان فضل الٰہی اور احمد دین بھی تیار ہوئے مگر دادی اماں مصر تھیں کہ میرے والد صاحب (عبد الرحمن) بھی ساتھ چلیں والد صاحب تردد میں تھے کہ بن ماں کے بچوں کو چھوڑ کر کیسے جائیں۔ مگر ایک رات انہوں نے اپنے تئیں مکہ شریف میں دیکھا تب انہوں نے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ہمارے گھر سے چار کس بیک وقت حج کے لئے روانہ ہو پڑے۔ دادی اماں تو حج کر کے دوسرے دن فوت ہو گئیں اور اس مقدس سرزمین میں دفن ہو کر مراد کو پہنچیں۔" (بھیرہ کی تاریخ احمدیت مؤلفہ فضل الرحمن بسمل غفاری امیر جماعت احمدیہ بھیرہ مطبوعہ 1972ء صفحہ 79)

بڑی خوش قسمت تھیں ہماری پڑدادی الحاجہ غلام فاطمہ صاحبہ جن کی نیک خواہش کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور حج کر کے اور پاک ہو کر خدا کے حضور حاضر ہو گئیں۔ ایک سو سال سے ہزاروں لاکھوں حجاج جہاں حج کرتے ہیں وہاں ہماری پڑدادی سمیت مرنے والوں اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے قدموں میں دفن ہونے والے مردوزن کے لئے دعائیں کر رہے ہیں۔

اللھم اغفرلھا وارحمھا وعافھا واعظ عنھا واکرم نزلھا ونور مرقدھا

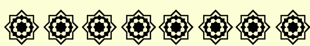
مقدس خون

آج ہم ان کی پانچویں نسل سے ہیں اور یقیناً حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اپنے بزرگ آباء کی دعاؤں کا ثمرہ ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کو لکھا:

''بڑی خوشی ہوئی کہ آپ کے دادا، پردادا بھی صحابی تھے۔ ماشاء اللہ۔ چشم بددور۔ بڑا مقدس خون ہے جو آپ کے اندر موجیں مار رہا ہے۔''

(مکتوب گرامی مرقومہ 24 مئی 1993ء)

اللہ تعالیٰ ہمیں نسلاً بعد نسل خلیفہ وقت کے قدموں میں رکھ کر سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لئے مفید اور کار آمد وجود بنائے۔ اور ہمارا انجام بھی بخیر کرے۔ آمین



طاہر اشرفی صاحب، سعودی عرب اور اسرائیل

الم نگار



ایک بار پھر یہ خبر شائع اور نشر ہوئی کہ کچھ پاکستانی اسرائیل جا پہنچے۔ یہ خبر اڑانے والے کوئی ایسے ویسے صحافی نہیں تھے جنہیں کسی لفافہ کا وصول کنندہ قرار دے کر جھٹلایا جا سکے۔ یہ بھانڈا خود اسرائیل کے صدر نے ورلڈ اکنامک فورم کے چوراہے میں پھوڑا کہ کچھ پاکستانی امریکنوں کا وفد اسرائیل میں ان سے ملا تھا۔ وہ تو سویٹزرلینڈ میں بی جمالو کا کردار ادا کر کے اسرائیل سدھارے اور ہم نے پاکستان میں ایک دوسرے کے گریبانوں پر مشق شروع کر دی۔

بھاگو دوڑو اور لینا پکڑنا کا شور شروع ہوا۔ یہ کون غدار تھے؟ اسرائیل گئے تو کس طرح گئے اور کس کے کہنے اور بہکانے سے گئے؟ عمران خان صاحب نے اسے بھی امریکہ کی تازہ تازہ امپورٹڈ غلامی کا نتیجہ قرار دیا اور ایک جلسہ عام میں فرمایا کہ یہ تصویر تو شائع ہوگئی ہے کہ پاکستانیوں کا ایک وفد اسرائیل گیا ہے، اب اس دن کی راہ دیکھو جب کشمیر کا سودا کیا جائے گا۔

اس نازک صورت حال میں آل پاکستان علماء کونسل کا خاموش رہنا قرین مصلحت نہ تھا۔ اس کونسل کے صدر طاہر اشرفی صاحب نے بھی اس معاملہ پر اظہار تشویش شروع کیا۔ انہوں نے مختلف بیانات میں کہا کہ ہم نے وزارت داخلہ اور وزارت خارجہ کو خط لکھا ہے کہ کچھ لوگ پاکستان کے پاسپورٹ پر اسرائیل کس طرح گئے؟ ان کے متعلق قانون کے مطابق کارروائی ہونی چاہیے۔ انہوں نے وزیر اعظم سے اس پر تحقیقات کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ اسرائیل گئے ہیں انہوں نے امت مسلمہ کے دلوں کو زخمی کیا ہے۔

طاہر اشرفی صاحب پہلے بھی بارہا اس موضوع پر اظہار خیال کر چکے ہیں۔ ایک سال قبل انہوں نے بول چینل پر اینکر پرسن مدثر اقبال صاحب کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس مسئلہ پر مسلمان ممالک بے حسی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اور کہا تھا کہ مسلمان ممالک میں صرف دو ممالک یعنی پاکستان اور سعودی عرب ایسے ہیں جن کے اسرائیل سے کوئی روابط نہیں ہیں، تجارت نہیں ہے اور ان کے کوئی مفادات اسرائیل سے وابستہ نہیں ہیں۔

اگر کسی بھی پاکستانی نے پاکستان کا قانون توڑتے ہوئے اسرائیل کا دورہ کیا ہے تو اس کے بارے میں قانون کے مطابق کارروائی ہو سکتی ہے۔ اور یہ بات بھی سو فیصد درست ہے کہ کسی بھی صورت میں ان مظالم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو اسرائیل کی طرف سے فلسطینیوں پر کیے جا رہے ہیں اور یہ مظالم اتنے واضح ہیں کہ ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ان بیانات نے بعض سوالات کو بھی جنم دیا ہے۔ طاہر اشرفی صاحب کا کہنا ہے کہ جن پاکستانیوں نے اسرائیل کا دورہ کیا ہے انہوں نے امت مسلمہ کے دلوں کو زخمی کیا ہے۔ اور انہوں نے جذباتی انداز میں کہا کہ کچھ لوگ پاکستان میں اسرائیل کے لئے فضا بنا رہے ہیں۔ ان لوگوں کو فلسطینی بچوں پر ہونے والے مظالم نظر نہیں آ رہے اور انہیں فلسطینی بہنوں کے سروں سے اتاری گئی چادریں نظر نہیں آ رہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا امت مسلمہ کے دل صرف اس وقت زخمی ہوتے ہیں جب کوئی پاکستانی اسرائیل کا دورہ کرتا ہے یا اس وقت بھی ان دلوں پر ضرب لگتی ہے جب عرب ممالک میں سے کوئی اسرائیل کو تسلیم کرتا ہے یا جب بعض عرب ممالک اسرائیل تسلیم نہ کرنے کے باوجود اس سے تجارتی اور سفارتی روابط قائم کرتے ہیں اور ان کو پروان چڑھاتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے ایک سال قبل طاہر اشرفی صاحب نے سعودی حکومت کو کلین چٹ عطا فرمائی تھی کہ ان کے اسرائیل سے کسی قسم کے روابط نہیں ہیں۔ اس لئے اس کالم میں اس سلسلہ میں بعض حقائق پیش کیے جائیں گے۔

اب یہ راز کوئی راز نہیں کہ سعودی عرب اور اسرائیل کچھ سالوں سے ایک دوسرے سے نہ صرف روابط قائم کر رہے ہیں بلکہ ایک دوسرے سے تجارتی تعلقات بھی بڑھا رہے ہیں۔ اور اب تو سعودی عرب نے اسرائیل میں سرمایہ کاری بھی شروع کر دی ہے۔ اور تو اور ان دنوں میں جب ہم اسرائیل کے دورہ کے مسئلہ پر ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے میں مصروف تھے سعودی عرب اور اسرائیل کے اہم شہری بہت یکسوئی سے تجارتی مذاکرات میں مصروف تھے۔ اور یہ خبریں اسرائیل کے اخبارات میں شائع ہو رہی تھیں۔

چنانچہ ٹائمز آف اسرائیل نے 29 مئی کو یہ خبر شائع کی کہ اسرائیل سے ایک دو نہیں بلکہ درجنوں تاجر اور ٹیکنالوجی کے ماہرین سعودی عرب پہنچ کر وہاں کی اہم شخصیات سے مذاکرات کر رہے ہیں۔ اور فخر سے لکھا کہ اصل میں سعودی ولی عہد ایران کے خلاف اسرائیل کو ایک اتحادی سمجھتے ہیں۔ اور سعودی حکومت کی اجازت سے ہی بحرین نے اسرائیل کو تسلیم کیا ہے اور سعودی عرب کا دورہ کرنے والی اہم اسرائیلی شخصیات سعودی عرب میں اسرائیلی پاسپورٹوں پر داخل ہو رہی ہیں اور ان کو سعودی حکومت سپیشل ویزے جاری کر رہی ہے۔ اور سعودی عرب اور اسرائیل میں دفاعی معاہدات بھی ہو چکے ہیں۔ اور اب سعودی عرب اسرائیل کی کئی کمپنیوں میں کئی ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کر رہا ہے۔ اور یہ خبر معروف جریدے وال سٹریٹ جرنل میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ اور اسی جریدے نے یہ تجزیہ کیا ہے کہ اب سعودی حکومت اسرائیل میں سرمایہ کاری کرنے میں گہری دلچسپی لے رہی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ سال گزشتہ کے آخر میں سابق اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو اور اسرائیل کے خفیہ ایجنسی موساد کے سربراہ یوسی کوہن نے دیگر اہم شخصیات سمیت سعودی عرب کا دورہ کیا تھا۔

اور یہ خبریں وہ خبریں نہیں جو کہ غالب کو اڑتی اڑتی طیور کی زبانی مل جایا کرتی تھیں بلکہ خود اسرائیل کے وزیر خارجہ نے بیان دیا ہے کہ سعودی عرب سے تعلقات کو معمول پر لانے پر کام ہو رہا ہے اور یہ سفر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر سرانجام دیا جائے گا۔

کالم کے آخر میں ہم ایک بار پھر پاکستان علماء کونسل اور طاہر اشرفی صاحب کے بیانات کی طرف واپس آتے ہیں۔ آپ نے اپنے جذبات کا اعلان کر دیا کہ جو پاکستانی اسرائیل جاتا ہے وہ پوری امت مسلمہ کے دلوں کو زخمی کرتا ہے۔ آپ نے اسی جذباتی انداز میں فلسطین کے مظلوم بچوں اور ان کی خواتین کے سروں سے اترے ہوئی چادروں کا ذکر بھی کر دیا۔ لیکن اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں کہ جب سعودی حکومت اہم اسرائیلی شخصیات کا خیر مقدم کرتی ہے تو کیا اس وقت امت مسلمہ کے دل زخمی ہوتے ہیں کہ نہیں ہوتے؟ پوری دنیا جانتی ہے کہ سعودی عرب اور اسرائیل کے درمیان روابط نہ صرف ہو رہے ہیں بلکہ تیزی سے بڑھ رہے ہیں، پھر آپ یہ بیان کیوں جاری کرتے ہیں کہ سعودی عرب اور اسرائیل کے درمیان کوئی روابط نہیں ہیں۔

اپنے ہم وطنوں پر گرجنا برسنا اور انہیں صیہونی ایجنٹ قرار دینا آسان ہے لیکن اہل فلسطین کے لئے درد تو تب ہوتا جب آپ ریال اور ڈالروں کی پرواہ کیے بغیر اس قدم پر سعودی عرب کی حکومت کے ان اقدامات کی بھی مذمت کرتے۔ اور طاہر اشرفی صاحب کو تو گزشتہ حکومت کے دوران مشرق وسطیٰ کے لئے وزیر اعظم کا خصوصی نمائندہ مقرر کیا گیا تھا اور اس تقرری کی دلیل یہ بیان کی گئی تھی کہ وہ عربی زبان پر عبور رکھتے ہیں۔ کیا جب طاہر اشرفی صاحب اس عہدے پر کام کر رہے تھے انہوں نے اسی زبان دانی کا فائدہ اٹھا کر سعودی حکومت کی خدمت میں یہ عرض کی تھی کہ یا اخی! آپ اسرائیل سے کیوں روابط بڑھا رہے ہیں۔ کچھ تو فلسطین کے مظلوم بچوں اور خواتین کے سر سے اتری ہوئی چادروں کا خیال کریں؟





نابغہ روزگار احمدیت کا ایک روشن ستارہ جناب ثاقب زیروی

(انجینئر محمود مجیب اصغر)



جناب ثاقب زیروی صاحب ایک نابغہ روزگار ہستی، احمدیت کا ایک روشن ستارہ اور خلافت کا پروانہ تھا۔ جلسہ سالانہ پر ان کی نظمیں ان کی سریلی آواز اور لحن میں مسحور کن ہوا کرتی تھیں۔

حضرت مصلح موعود کے وصال پر آپ کے آخری سفر کی جو منظر کشی انہوں نے کی تھی اس نظم کا ایک شعر اب بھی میرے ذہن میں گھوم رہا ہے

دن ڈھل گیا تو درد نصیبوں کا قافلہ

کاندھوں پہ آفتاب اٹھائے ہوئے چلا

خلافت ثانیہ میں ان کی شعر و شاعری کا فن حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کے ذریعے منظر عام پر آیا جب صاحب زادہ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ قادیان تھے۔ اس تعارف کا واقعہ بڑا دلچسپ ہے جو جلد ہی للہی محبت اور دوستی میں بدل گیا۔ یہاں تک کہ جب عنفوان شباب میں آپ کو پہلا الہام ہوا تو صاحب زادہ صاحب نے صرف ان کو اس وعدہ کے ساتھ سنایا کہ صیغہ راز میں رہے۔ مجھے یاد ہے جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی سیرت و سوانح میں لکھ رہا تھا تو میری نگران کمیٹی نے مجھے ان کے پاس بھجوایا اور کہا کہ ان سے وہ الہام پوچھ کر آئیں۔ چنانچہ میں لاہور رسالے کے دفتر ان کے پاس گیا۔ تعارف تو پہلے سے تھا فوراً اپنا مدعا بیان کر دیا۔ بولے وہ تو حضور اور میرے درمیان راز تھا اور میں نے وعدہ کیا تھا کہ کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ اس لئے نہیں بتا سکتا۔ میں نے عرض کیا کہ وفات کے بعد صدقہ دے کر ایسے راز بتائے جا سکتے ہیں۔ اس پر وہ مسکرائے اور فرمایا کہ وہ الہام تو یاد ہی نہیں رہا۔

حضرت مرزا ناصر احمد صاحب سے ثاقب زیروی صاحب کے تعارف کا واقعہ

"جب میں شعر کہنے کی سوجھ بوجھ رکھنے کے باوجود محض ایک کندہ ناترش دیہاتی تھا (نہ اظہار و بیان نہ سلیقہ) اور نہ ہی آداب محفل کا کامل شعور۔۔۔۔ دوسرے یا تیسرے سالانہ اجتماع خدام الاحمدیہ کی بات ہے۔ جس کا افتتاح حضرت مصلح موعود نے مسجد اقصی میں فرمایا تھا۔۔

میرے دل میں اس اجلاس کے لئے ایک تازہ نظم کہنے کی تحریک پیدا ہوئی اور میں اسٹیشن کی طرف نکل گیا۔ مغرب کے بعد واپس آیا اور نظم مولوی محمد سلیم صاحب کو سنائی جسے انہوں نے پسند کیا۔ میں نے خواہش کا اظہار کیا کہ اجلاس میں آپ میری نظم پڑھوا دیں۔ انہوں نے کہا یہ میرے بس کا روگ نہیں۔ حضور کی تقریر سے پہلے عموماً صرف انہی اشخاص کو نظم پڑھنے کے لئے کہا جاتا ہے جن کے ناموں کی حضور اجازت دیں۔

بہر حال ہم اگلے روز اجلاس کے وقت سے کچھ پہلے ہی مسجد اقصی میں پہنچ گئے اور شمالی کنویں کے پاس حضرت مولانا راجیکی صاحب رحمہ اللہ کے پاس جا بیٹھ گئے۔ میں نے ان سے بھی اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا۔۔

مسجد کی جنوبی جانب کھڑے ہوئے ایک خوبرو جوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ان سے جا کر کہو وہ شاید مدد کر سکیں۔ میں یہ سنتے ہی اٹھا اور اس خوش پوش و خوبرو کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ کہا فرمایئے۔ کچھ مجھ سے کہنا ہے؟ عرض کیا جناب میں اس اجلاس میں نظم پڑھنا چاہتا ہوں۔ جواب ملا نہیں اس جلسے میں آپ نظم نہیں پڑھ سکتے۔ میں نے اپنے مخصوص دیہاتی لاابالی پن سے کہا جناب کیا قادیان کے جلسوں میں باہر والوں کا کوئی حق نہیں ہوتا؟ کیا آپ پسند کریں گے کہ میں جلسہ میں جہاں بیٹھا ہوں وہیں کھڑا ہو کر نظم پڑھنا شروع کر دوں؟ مسکراتے ہوئے لیکن تحکمانہ لہجے میں جواب ملا۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو ہم آپ کو مسجد سے باہر پھینک دیں گے۔

میں واپس جا بیٹھا۔ حضرت تایا جان نے فرمایا۔ کیوں سوہنیا کچھ بنیا؟ عرض

کیا نئیں تایا جی اوس نوجوان نیں تاں ایس طراں ٹکے ورگا جواب دے دتا اے۔جس طراں اوہ حضرت صاحب دا پتر اے۔فرمایا سوہنیا اوہ حضرت صاحب دا پتر ای تاں اے بھئی اوہ حضرت مرزا ناصر احمد نیں۔اٹھ کر معذرت خواہی کے لئے پھر پاس پہنچ گیا۔پہلے مسکرائے پھر فرمایا آپ پھر آ گئے۔اب کیا ارادہ ہے؟ عرض کیا معذرت کرنے آیا ہوں۔فرمایا اچھا معاف کیا۔

آپ میری نظم تو سن لیں

اب عرض ہے کہ آپ میری نظم دیکھ لیں۔میں محفل کو ہرگز بدمزہ نہ ہونے دوں گا۔فرمایا کہاں ہے وہ نظم؟ مطالعہ کے بعد فرمایا۔نظم تو اچھی ہے،ممکن ہے آپ کی دوسری بات بھی ٹھیک ہو۔بعض لوگ اشعار ایسی بھونڈی لے میں اور ایسے غلط تلفظ کے ساتھ پڑھ دیتے ہیں کہ مقرر کی طبیعت منغض ہو جاتی ہے اور حضور تو اس معاملہ میں از حد حساس ہیں۔اچھا نظم تو میں پروگرام میں شامل کئے لیتا ہوں مگر ایک شرط ہے۔وہ جو مسجد کی سیڑھیاں ہیں آپ جس وقت نظم پڑھیں میں ان کی دائیں برجی کے پاس کھڑا ہوں گا۔نظم کے دوران میں ہاتھ ہلا کر آپ کو روکنے کا اشارہ کروں تو آپ فوراً نظم پڑھنا بند کر دیں۔کیا آپ کو یہ شرط منظور ہے؟ عرض کیا بہ دل و جان منظور ہے۔

تو نے جاری کیا خمخانہ تحریک جدید

تلاوت کے بعد حضور نے اس عاجز کا نام پکارا۔نظم پڑھنی شروع کر دی

تو نے جاری کیا خمخانہ تحریکِ جدید
اس سے بڑھ کر تجھے توفیق خدا دے ساقی

پڑھتے وقت میں نے سیڑھیوں کی طرف دیکھا حضرت صاحب زادہ مرزا ناصر احمد صاحب شمالی برجی کے پاس کھڑے تھے۔

تجھ کو مالک نے کیا عطر رضا سے ممسوح
یہ مہک گلشن عالم میں بسا دے ساقی

حضور نے فرمایا اس شعر کو دوبارہ پڑھیں۔محفل میں سبحان اللہ اور جزاکم اللہ کی گونج قدرے بلند ہو گئی اور حضرت میں صاحب برجی کے پاس سے ہٹ گئے۔

اگر شاعر کچھ نخرے کرے تو اٹھا کر لے آئیں

جلسہ ختم ہونے کے بعد شرکاء اجلاس نے جس ذوق و شوق سے اس عاجز کی بلائیں لیں اور مصافحے اور معانقے کئے وہ سر تا سر گواہی تھے اس بین حقیقت کے کہ

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اس غیر متوقع اور غیر معمولی تحسین و آفرین میں اختتام جلسہ پر حضرت میاں صاحب کا شکریہ ادا کرنا بھی بھول گیا۔گھر پہنچے۔کھانا کھایا۔نماز عشاء پڑھی اور لیٹنے کی تیاری کر رہے تھے کہ دروازے پر دستک ہوئی۔"باہر خدام آپ کو لینے آ گئے ہیں" باہر گیا۔کہا صاحب زادہ صاحب نے فرمایا ہے کہ آپ مسجد اقصیٰ میں پہنچ جائیں۔عرض کیا۔اس وقت میرے سر میں قدرے درد ہے۔میں صبح حضرت میاں صاحب کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔بولے حضرت میاں صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر شاعر کچھ نخرے وغیرہ کرے تو اسے اٹھا کر لے آئیں۔

کلام ثاقب ایک مستقل فیچر بن گیا

اللہ اللہ چند ہی گھنٹوں میں زمین و آسمان کیسے تبدیل ہو گئے۔اجلاس سے قبل جسے مسجد کے صحن سے اٹھا کر باہر پھینک دینے کی نوید سنائی گئی تھی اب اپنے اس نیاز کیش کو اپنائیت،بے ساختہ،محبانہ تمکنت اور اعتماد آفرین اشتیاق سے یاد فرمایا گیا تھا۔جس وقت ہم نے مسجد میں قدم رکھا۔خدام کا تقریری مقابلہ شروع تھا اور حضرت میاں صاحب کرسی صدارت پر متمکن تھے۔اعلان کیا اس تقریر کے بعد ثاقب زیروی صاحب نظم پڑھیں گے۔دوسری تقریر کے بعد نظم پڑھوانے کا سلسلہ شروع ہوا تو رات تک جاری رہا۔

اسی سال سے جلسہ سالانہ پر کلام ثاقب ایک مستقل فیچر بن گیا۔" (حیات ناصر جلد اول صفحہ 295 تا 298)

لاہور رسالہ کی ownership

ایک بار اتفاقاً ربوہ سے لاہور ٹرین پر مجھے ان کے ساتھ سفر کرنے کا موقع ملا۔فرمانے لگے لاہور رسالہ میں بڑا مالی نقصان ہو رہا تھا۔میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے پاس مشورہ کے لئے گیا۔حضور نے فرمایا کہ ابھی نہ بیچیں۔اس کے جلد ہی بعد 1974ء کے واقعات شروع ہو گئے اور میرا رسالہ روزمرہ کے

احمدیوں پر مظالم کی ڈائری شائع کرنے کے کام آیا۔ حقیقت یہ ہے کہ 1974ء کے ابتلاء میں لاہور رسالہ کے ذریعے انہوں نے ظالموں کی خوب پردہ دری کی ہے۔ حتیٰ کہ حکومت نے بند کروا دیا۔

ایک شادی میں شرکت

ثاقب زیروی صاحب کے ایک بھانجے کی شادی میرے بڑے بھائی پروفیسر ایم اے لطیف شاہد صاحب کی بیٹی سے ہوئی۔ بھائی کی رہائش اسلام آباد میں تھی اور برات ثاقب زیروی صاحب کی سرپرستی میں لاہور سے آئی تھی میں نے بھی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اس شادی میں شرکت کی تھی۔ ثاقب زیروی صاحب سے میرا تعارف پہلے سے تھا اور اس شادی پر انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ پروفیسر لطیف شاہد میرے بھائی ہیں۔

لاہور رسالے میں ایڈیٹر کے نام خطوط

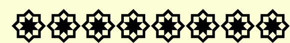
ایک زمانے میں مَیں لاہور رسالے میں ایڈیٹر کے نام خطوط بھجواتا تھا جنہیں وہ ضرور شائع کرتے تھے۔ اس رسالے میں بڑے علمی قسم کے مضامین ہوتے تھے۔ 1974ء کے حالات میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے اہم انٹرویو بھی لاہور رسالہ میں ہی شائع ہوئے۔ ثاقب زیروی صاحب کی وفات کے بعد لاہور رسالے کی ساری رونق ختم ہوگئی۔ اب ایک رسالہ لاہور انٹرنیشنل لندن سے آن لائن محی الدین عباسی نکالتے ہیں۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ اس کا ثاقب زیروی صاحب کے رسالہ لاہور سے کوئی تعلق ہے کہ نہیں؟

ثاقب زیروی صاحب کی نماز جنازہ

میں اس وقت ربوہ میں تھا جب ان کی وفات کے بعد ان کا جنازہ مسجد مبارک ربوہ لایا گیا۔ مجھے بھی ان کا چہرہ دیکھنے اور نماز جنازہ میں شامل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ اپنے قرب میں ان کے درجات بلند کرے آمین۔

اے خدا بر تربت او ابر رحمتھا ببار
داخلش کن از کمال فضل در بیت النعیم



بارگاہِ خاتم النبیین



ثاقب زیروی

زمزمہ تیرے تقدس کا سنایا ہم نے
اک گراں خواب سے دنیا کو جگایا ہم نے
تیرے قرآن کو سینے سے لگایا ہم نے
دیدہ و دل میں اک نور بسایا ہم نے
پرچم دین کی عظمت کو بڑھایا ہم نے
کفر و الحاد کے ایواں کو ہلایا ہم نے
گردشِ وقت کی آنکھوں سے ملا کر آنکھیں
بزمِ تثلیث میں کہرام مچایا ہم نے
کافرو ملحد و دجکال کے طعنے سُن کر
صبر و ایماں کا عالم دکھایا ہم نے
حق کا اظہار کیا حق کی حمایت کی ہے
کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے
ہم نے للکارا ہے یورپ کے کلیساؤں کو
دامنِ شرک کے پُرزوں کو اُڑایا ہم نے
ریگزاروں میں دیں کے مبشر ہم ہیں
مرغزاروں میں تیرا کلمہ سنایا ہم نے
کس نے تاریکیء حالات کا توڑا پندار
کس نے راہوں کو اُجالوں سے سجایا ہم نے
کس نے بجھتی ہوئیں شمعوں کو ضیائیں دیں ہیں؟
کس نے ذہنوں کے چراغوں کو جلایا ہم نے؟
دل پہ انسان کے دنیا میں جہاں تک پہنچے
نقش اخلاق مقدس کا بٹھایا ہم نے
یہ ترا ہی تو کرم ہے اے رسول عربیؐ
فیض بے پایاں جو ہر راہ میں پایا ہم نے
"ہم ہوئے خیرِ اُمم تجھ سے ہی اے خیر رسلؐ
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے"

حالیہ صوفی ازم کے تباہ کن عقائد

(تحریر رانا محمد اعظم خان ۔ فرینکفرٹ جرمنی)

اصحاب صفہ اور صوفی ازم

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار سے منسلک چند صحابہ کا گروہ ایسا بھی تھا جو مالی لحاظ سے بہت کمزور تھے ۔ یہ گروہ عاشقاں اصحاب صفہ کے نام سے مشہور ہے جو دن رات ریاضت وعبادت میں مصروف رہتے تھے صوفی ازم تحریک اسی سے اپنی اصل پکڑتی ہے۔ ان کا موقف ہے کہ

مذہب بنیادی طور پر اخلاقی تربیت اور روحانی بالیدگی کا نام ہے جو انسانوں کو صبر، حوصلہ اور قربانی سکھاتا ہے۔ دنیاوی مفادات سے اوپر اُٹھا کر آپ کو اخلاقی بلندی کے اُس مقام پر لے جانا چاہتا ہے جس میں نفسا نفسی، لالچ، بغض، حسد، غیبت، بہتان، انتقام، دشمنی اور منافرت جیسی روحانی بیماریاں نہ ہوں۔ عدل سے بھی آگے بڑھ کر مقامِ احسان تک یعنی آپ کا جو حق بنتا بھی ہے، صلہ رحمی، انسان نوازی اور جذبہ احسان ومروت واپنائیت کے تحت بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسرے کو عطا کریں اور خود پیچھے ہٹ جائیں۔ سادگی، عاجزی، انکساری، حلیمی اور درویشی کے اوصافِ حمیدہ اپنے اندر پیدا کرتے ہوئے انسانیت سے بے لوث محبت کی طرف گامزن ہوں، یہی وہ نگاہِ فقر ہے جس کے سامنے شانِ سکندری سرنگوں ہو جاتی ہے۔ یہی معرفت عظمتِ انسانی ہے یہی سوز وگداز انسانیت کا جوہر ہے۔ یہ وارداتِ قلبی و ذہنی جب براستہ تصوف و درویشی آگے بڑھتی ہے تو صوفی کہلاتی ہے جس میں ہوس و مفاد پرستی کیلئے سوئی کے نکے جتنی جگہ بھی نہیں بچتی۔ یہیں پہ ملا اور صوفی کی راہیں جدا ہو جاتی ہیں''

حالیہ دور میں صوفی ازم

مگر وقت کے ساتھ ساتھ یہ صوفی تحریک بدعت و بے ہودگی کا مظہر بن گئی ہے۔

موجودہ صوفی مذہب بڑی حد تک عیسائی رہبانیت کا ہو بہو چربہ ہے ۔عیسائی راہبوں کی طرح صوفی بھی نکاح سے دامن بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ شریعت مطہرہ کی عطاء کردہ آسانیوں کو ترک کر کے خود کو بلاوجہ مشقت میں ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے استفادہ کر کے ان کا شکر ادا کرنے کے بجائے ان نعمتوں کو ٹھکرا کر اللہ کا ناشکرا بننا زیادہ پسند کرتا ہے۔ کتاب و سنت میں مذکور مسنون اذکار کے بجائے خود ساختہ اور بدعتی ذکر و اذکار کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کی ناکام کوشش کرتا ہے لیکن اللہ کے بجائے شیطان کا قرب حاصل کر لیتا ہے اور اسی کو اپنی کامیابی تصور کرتا ہے۔ تصوف میں مقام حاصل کرنے کے لئے دنیا اور دنیاوی معاملات کو ترک کر کے نکموں کی طرح گوشہ نشینی کو لازمی قرار دیتا ہے۔ اسی لئے صوفی نہ دنیاوی لحاظ سے مخلوق خدا کے لئے سودمند ثابت ہوتے ہیں اور نہ دینی لحاظ سے لوگوں کو ان سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ نکمّے اور بے کار لوگ بجا طور پر دھرتی کا بوجھ ہیں۔

اس سلسلے میں اکابرین صوفیا کے خیالات ملاحظہ فرمائیں:

(1) شعرانی نے ایک صوفی مطرف بن عبداللہ الشغیر جو متقدمین صوفیا میں سے ہے، کے حوالے سے نقل کیا وہ کہتے ہیں: ''جس نے عورتوں اور کھانے کو ترک کیا تو اس سے کرامت کا ظہور ضرور بہ ضرور ہوگا'' (طبقات الشعرانی، صفحہ 34)

ابن الجوزی نے ابوحامد الغزالی سے نقل کیا کہ ''مرید کو شادی میں مصروف نہیں ہونا چاہیے، اس لئے کہ شادی میں مشغول ہو کر وہ اس راہ سے ہٹ جائے گا۔ جو اللہ کے علاوہ کسی اور چیز میں انس حاصل کرتا ہے وہ اللہ سے دور ہو جاتا ہے۔'' (تلبیس ابلیس، صفحہ 286)

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو کئی کئی نکاح کے باوجود

بھی اللہ سے دور نہیں ہوئے اور نہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والے صحابہ باوجود بیک وقت تین تین، چار چار اور دو دو نکاح کے رب کائنات سے دوری کا شکار ہوئے۔ لیکن یہ صوفی معلوم نہیں کس شخصیت کے ماننے والے اور کس کے پیروکار ہیں کہ جن کو نکاح اللہ سے دور لے جاتا ہے!!! معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کا عمل اللہ اور بندے کے درمیان رکاوٹ بن جاتا ہے یہ وحی شیطان نے صوفیوں پر کی ہے ورنہ ترک نکاح کی ایسی کوئی ترغیب یا حکم شریعت مطہرہ میں موجود نہیں۔

اکابرین صوفیاء کی اپنے ہم مذہبوں کو شادی کی سنت سے دور رکھنے کی ان تمام تر نصیحتوں اور ڈراوے کے باوجود بھی اگر کوئی صوفی نکاح میں مبتلا ہوا تو کیا ہوا؟ دیکھئے:

سراج طوسی نے ایک صوفی کا واقعہ نقل کیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا، تیس برس اکھٹے رہے مگر وہ عورت باکرہ ہی رہی۔ (اللمع، صفحہ 264)

عطار نے عبداللہ بن خفیف جو مشہور صوفی ہے، کے حوالے سے نقل کیا کہ اس نے چار سو عورتوں سے شادی کی مگر کسی سے بھی جماع نہیں کیا۔ (تذکرۃ الاولیاء، صفحہ 241)

شعرانی نے ایک صوفی یاقوت العرشی کے بارے میں لکھا کہ اس نے اپنے شیخ کی بیٹی سے نکاح کیا۔ وہ لڑکی اٹھارہ برس تک اس کے پاس رہی مگر اس کے والد کی شرم وحیا کی وجہ سے وہ اس کے قریب نہ گیا اور جب یاقوت العرشی کا انتقال ہوا تو وہ لڑکی باکرہ ہی تھی۔ (الاخلاق المتبولیہ، جلد 3، صفحہ 179)

چونکہ برائی اور گمراہی میں ٹھہراؤ اور استقلال نہیں ہوتا بلکہ یہ بڑھتی ہی رہتی ہیں اسی طرح صوفیت بھی آغاز وابتداء میں عیسائیت سے متاثر تھی لیکن فوراً ہی اس میں دیگر مذاہب کے گمراہ افکار و نظریات نے جگہ بنالی اور یوں یہ صوفی مذہب تمام کافرانہ اور بے دین مذاہب کی خراب اور بری باتوں کا مجموعہ بن کر رہ گیا۔

(2) اب حالیہ صوفی مذہب سے متعلق زمینی حقائق یہ ہیں کہ یہ ایک ایسا مسلک ومذہب ہے جس کی شیطانیت بھری تعلیمات، بدترین کفریہ اور شرکیہ عقائد اور اسکے نتیجے میں صوفیوں کی اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدترین گستاخیوں کے بارے میں جان کر ایک گناہ گار مسلمان کی روح بھی کانپ اٹھتی ہے۔ حتی کہ شیطان بھی اگر صوفیت سے زیادہ گمراہ، بدتر اور گستاخ کسی مذہب کی مثال تلاش کر کے پیش کرنا چاہے تو ناکام و نامراد ہوگا۔ کیونکہ تمام مذاہب کی گمراہیوں کو اکھٹا کر کے اپنے اندر سمو کر تصوف مجسم برائی بن چکا ہے۔ اب اس مذہب سے وہی شخص رشتہ جوڑتا ہے جو یا تو اس مذہب کے عقائد اور اصولوں سے ناواقف ہو یا پھر بدبختی اور گمراہی اس کا مقدر بن چکی ہو۔ صوفی مذہب کا ایک بنیادی عقیدہ وحدت الوجود کا عقیدہ ہے۔ وحدت الوجود کا مطلب ہے کہ خالق اور مخلوق میں کوئی فرق نہ کرنا بلکہ دونوں کو ایک ہی قرار دیتے ہوئے خالق کو مخلوق اور مخلوق کو خالق سمجھنا۔ جیسے حاجی امداد اللہ صاحب کی ملفوظات معروف بہ "شمائم امدادیہ" میں درج ہے: بندہ اپنے وجود ظاہری سے پہلے خود ہی باطنی طور پر خدا تھا۔ اب بندہ ہی خدائے ظاہر ہے۔ (شمائم امدادیہ، صفحہ 38)

یہ انتہائی درجہ کا کفر ہے اور اسی سبب علماء نے وحدت الوجود کے حاملین صوفیوں کو یہود ونصاریٰ سے بدتر کافر قرار دیا ہے۔

صوفیاء جانوروں حتی کہ کتوں اور خنزیروں کے بارے میں بھی رب ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان صوفیوں کا قول ہے: وما الکلب والخنزیر الا الھنا۔ کتے اور خنزیر ہمارے الہ اور معبود ہیں۔ (الکشف عن حقیقۃ الصوفیاء، صفحہ 162، بحوالہ دیوبندی اور تبلیغی جماعت کا تباہ کن عقیدہ صوفیت، صفحہ 67)

ابن عربی ایک بچھڑے کو خدا کہتے ہیں اور خدا ہونے کی حیثیت سے اسکی عبادت کو درست قرار دیتے ہیں، لکھتے: ہیں حضرت ہارون علیہ السلام سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت سے منع کیا۔ حالانکہ بچھڑا بھی خدا تھا (فصوص الحکم)

ملاحظہ فرمائیں کہ یہ عبارت عقیدے کی کس قدر گمراہیاں اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

صوفی ایک نبی سے زیادہ معبود اور الہٰ کی معرفت اور پہچان رکھتا ہے۔

نبی غلطی اور خطاء کرتا ہے صوفی سے غلطی نہیں ہوتی۔

صوفی اس حیثیت میں ہوتا ہے کہ انبیاء کی غلطیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

نبی یہ نہیں جانتا کہ جانور بھی خدا ہیں لیکن صوفی جانتا ہے اس لئے انبیاء کو خطاء کار اور انکے مخالفین کو صحیح قرار دیتا ہے۔نعوذ باللہ من ذالک۔

ابوالنصر سراج توسی کی کتاب اللمع فی التصوف صوفیوں کی انتہائی معتبر اور مستند کتاب ہے۔ اس کتاب میں ایک واقعہ درج ہے کہ: ابوحمزہ صوفی کو حارث محاسبی کے گھر جانے کا اتفاق ہوا۔ حارث کی بکری نے میں میں کیا تو ابوحمزہ صوفی ہچکیاں لینے لگا اور اس بکری سے مخاطب ہوکر کہا: ''لبیک یا سیدی'' میرے آقا میں حاضر ہوں۔ اس پر حارث محاسبی نے ٹوکا، تو ابوحمزہ نے جواب دیا: معلوم ہوتا ہے تم ابھی تصوف کے میدان میں مبتدی ہو۔(اللمع فی التصوف،صفحہ 495)

دیکھئے صوفیاء کے نزدیک جو مسلمان جانوروں کو اپنا رب نہیں مانتا وہ نوآموز، جاہل اور لاعلم ہے۔اسی بات سے اندازہ کرلیں کہ انبیاء ان کے نزدیک کس قسم کے لوگوں کی صف میں کھڑے ہیں۔

کتوں میں بھی صوفیوں کو رب نظر آتا ہے اس لئے یہ کتے کے بھونکنے کو خدا کی پکار سمجھ کر جواب دیتے ہیں چنانچہ مذکورہ بالا کتاب میں درج ہے کہ: ابوالحسن نوری نے ایک کتے کو بھونکتے دیکھا تو کہنے لگا۔''لبیك و سعدیك'' یعنی میں حاضر ہوں اور تجھ سے سعادت چاہتا ہوں۔ (اللمع فی التصوف،صفحہ 492)

صوفی ہاتھی کو بھی خدا سمجھتے ہیں چنانچہ شمائم امدادیہ صفحہ 90 پر درج ہے: کسی گرو کا چیلا توحید وجودی میں مستغرق تھا راستے میں ایک فیل (ہاتھی) مست ملا اس پر فیل بان پکارتا آتا تھا کہ ہاتھی مست ہے میرے قابو میں نہیں اس چیلے کو لوگوں نے منع کیا مگر وہ نہ مانا اور کہا کہ وہی تو ہے اور میں بھی وہی ہوں خدا کو خدا سے کیا ڈر؟(بحوالہ دیوبندی اور تبلیغی جماعت کا تباہ کن عقیدہ صوفیت،صفحہ 157)

کوّا بھی صوفیوں کے خداؤں میں سے ایک خدا ہے۔ابوعبداللہ رملی کہتے ہیں کہ ابوحمزہ نے طرسوس کی جامع مسجد میں وعظ کہا، لوگوں نے دل سے سنا۔ایک روز وہ وعظ بیان کررہے تھے کہ یکا یک مسجد کی چھت پر کوّا بولا۔ابوحمزہ نے زور سے ایک نعرہ مارا اور کہا لبیک لبیک۔(تلبیس ابلیس،صفحہ 288)

کوّے کی آواز پر ابوحمزہ صوفی کی لبیک لبیک کی صدائیں اس لئے تھیں کہ اس صوفی کے نزدیک کوّے میں اللہ حلول کئے ہوئے تھا۔اور اسی عقیدے کی بناء پر لوگوں نے اس صوفی کو مرتد اور زندیق کا لقب دیا۔علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات پر لوگوں نے ان کو زندیقیت کی طرف منسوب کیا۔مسجد کے دروازے پر ان کا گھوڑا یوں پکار کر نیلام ہوا کہ یہ زندیق کا گھوڑا ہے۔ابوبکر فرغانی نے کہا کہ ابوحمزہ جب کوئی آواز سنتے تھے تو لبیک لبیک کہتے تھے لوگوں نے ان کو حلولی ٹھہرایا۔(تلبیس ابلیس،صفحہ 288,289)

03۔صوفیوں کی غلطی صرف یہیں تک محدود نہیں رہی کہ انہوں نے بے عقل جانوروں کو اپنا رب مان لیا بلکہ اس سے بھی آگے پیش قدمی کرتے ہوئے انہوں نے مسلمانیت کو شرما دیا اور ابلیس مردود کے بارے میں دعویٰ کیا کہ وہ صوفیوں کا رب ہے۔مجھے یقین کامل ہے کہ اسلام کے نام لیواؤں میں کوئی بھی بے عقلی، بدبختی اور بے حیائی کی اس انتہاء کو نہیں پہنچا ہوگا بے شرمی کی جس بلندترین سطح کو صوفیوں نے چھوا ہے۔

دیوبندیہ اور بریلویہ دونوں فرقوں کے تسلیم شدہ صوفی بزرگ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بڑے شیطان یعنی ابلیس کو بھی اللہ ہی کا روپ کہتے اور سمجھتے تھے۔ان کے نزدیک آدم ہدایت دینے والا رب اور ابلیس گمراہ کرنے والا رب ہے۔مولانا عطاءاللہ ڈیروی حفظہ اللہ رقم طراز ہیں: حاجی امداداللہ نے صاف طور پر بیان کیا ہے...کہ ابلیس بھی اللہ کا مظہر ہے یعنی مظہر مضل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں ایک ہادی اور دوسری مضل۔یعنی ہدایت دینے والا جیسا کہ قرآن میں ہے''یضل بہ کثیرا او یھدی بہ کثیرا''اس لئے ابلیس اللہ کی صفت مضل کا مظہر ہے اور آدم اس کی صفت ہادی کا مظہر ہے۔اس لئے نہ آدم اللہ کا غیر ہے اور نہ ابلیس اس کا غیر ہے۔(دیوبندی اور تبلیغی جماعت کا تباہ کن عقیدہ صوفیت،صفحہ 14)

تصوف کے حامی اور علمبردار شعرانی اپنے پیر محمد الخضر ی کے بارے میں کہتے: ہیں مجھے ابوالفضل سرسی نے بتایا کہ پیر ومرشد خضری صاحب ایک مرتبہ جمعہ کے دن ان کے پاس تشریف لائے تو لوگوں نے ان سے خطبہ ارشاد فرمانے کی درخواست کی انہوں نے درخواست قبول کر لی۔منبر پر چڑھے اور حمد وثناء بیان کرنے کے بعد کہا''میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ ابلیس کے علاوہ تمہارا کوئی اور معبود نہیں۔(بحوالہ تصوف کتاب وسنت کی روشنی میں،صفحہ 69)

04۔دیوبندی صوفی اللہ رب العالمین کے متعلق زانی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔(نعوذ باللہ من ذالک)

تذکرۃ الرشید میں درج صوفیوں کی گستاخی کا آخری حدوں کو چھوتا ہوا یہ بدترین اور عبرتناک واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

ایک روز حضرت مولانا خلیل احمد صاحب زید مجدہ نے دریافت کیا کہ حضرت یہ حافظ لطافت علی عرف حافظ مینڈھو شیخ پوری کیسے شخص تھے؟حضرت نے فرمایا''پکا کافر تھا'' اور اس کے بعد مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ''ضامن علی جلال آبادی تو توحید ہی میں غرق تھے''

ایک بار ارشاد فرمایا کہ ضامن علی جلال آبادی کی سہانپور میں بہت سی رنڈیاں مرید تھیں ایک بار یہ سہانپور میں کسی رنڈی کے مکان پر ٹھہرے ہوئے تھے سب مریدنیاں اپنے میاں صاحب کی زیارت کیلئے حاضر ہوئیں مگر ایک رنڈی نہیں آئی میاں صاحب بولے کہ فلانی کیوں نہیں آئی رنڈیوں نے جواب دیا میاں صاحب ہم نے اس سے بہتیرا کہا کہ چل میاں صاحب کی زیارت کو اس نے کہا میں بہت گناہ گار ہوں اور بہت روسیاہ ہوں میاں صاحب کو کیا منہ دکھاؤں میں زیارت کے قابل نہیں میاں صاحب نے کہا نہیں جی تم اسے ہمارے پاس ضرور لانا چنانچہ رنڈیاں اسے لیکر آئیں جب وہ سامنے آئی تو میاں صاحب نے پوچھا بی تم کیوں نہیں آئی تھیں؟ اس نے کہا حضرت روسیاہی کی وجہ سے زیارت کو آتی ہوئی شرماتی ہوں۔میاں صاحب بولے بی تم شرماتی کیوں ہو کرنے والا کون اور کرانے والا کون وہ تو وہی ہے رنڈی یہ سنکر آگ بگولہ ہوگئی اور خفا ہوکر کہا لاحول ولاقوۃ اگرچہ میں روسیاہ و گنہگار ہوں مگر ایسے پیر کے منہ پر پیشاب بھی نہیں کرتی۔میاں صاحب شرمندہ ہوکر سرنگوں رہ گئے اور وہ اٹھ کر چلدی۔(تذکرۃ الرشید،جلد 2،صفحہ 242)

غور فرمائیں کہ ایک گناہ گار رنڈی کو تو اپنے نور ایمان واسلام کی بدولت یہ احساس ہوگیا کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا دیوبندی صوفی اس قابل بھی نہیں کہ اس منہ پر پیشاب بھی کیا جائے۔لیکن رنڈیوں اور طوائفوں سے بھی کہیں بدتر اس دیوبندی صوفی کو یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ورنہ وہ طوائف کے کلام پر شرم سے سر جھکانے کے بجائے اس نجس صوفی مذہب ہی سے تائیب ہوجاتا جس کی وجہ سے اس کی عزت دو ٹکے کی رہ گئی اور وہ بھی اس عورت کے ہاتھوں جس کی معاشرے میں اپنی کوئی عزت نہیں۔

جس صوفی سے ضامن علی جلال آبادی کے متعلق سوال کیا گیا کہ یہ کیسا آدمی تھا اس کو بھی بخوبی احساس تھا کہ اللہ رب العالمین کی ذات عالی شان کے متعلق ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص کیسا آدمی ہوسکتا ہے اسی لئے ان صوفی صاحب کے منہ سے ضامن جلال آبادی کے متعلق یہ سچ نکل ہی آیا کہ''پکا کافر تھا''

(تذکرۃ الرشید،جلد2،صفحہ 242)

حیرت ہے ان مواحدین پر جو ایسے شیطانی عقیدوں کے حاملین صوفیوں کو بھی پکا اور سچا مسلمان سمجھتے ہیں!!! جب کہ صوفی خود ہی اپنا کافر ہونا تسلیم کررہے ہیں لیکن بعض الناس نے مدعی سست،گواہ چست کے مصداق ان کافروں کو مسلمانی کا سرٹیفیکٹ دینے کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے۔علمائے کرام کا ان گمراہ صوفیوں کے بارے میں صحیح حکم بیان نہ کرنا ایک طرف عوام الناس کی گمراہی اور دین میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کا سبب ہے تو دوسری جانب انکے انسانی سطح سے گرے ہوئے شیطانی عقائد کی تصدیق وتائید کرنے کے مترادف بھی ہے کیونکہ خاموشی نیم رضامندی کی علامت ہوتی ہے۔

دوٹوک اور سچی بات یہ ہے کہ ضامن جلال آبادی جس نے یہ کفر اپنے ناپاک منہ سے نکالا اور اللہ رب العالمین کو زنا کرنے اور زنا کروانے والا کہا، کافر ہے۔اس ضامن جلال کو توحید میں غرق سمجھنے والا صوفی رشید احمد گنگوہی

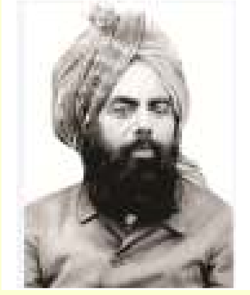
بھی کافر ہے۔اس ایمان شکن واقعے کو تذکرۃ الرشید میں بلا رد وتنقید درج کرنے والے مولانا محمد عاشق الٰہی میرٹھی کے کفر میں بھی کوئی شک نہیں اور وہ تمام دیوبندی جو،ان صوفی کافروں کے متعلق اہل حق اور مسلمان ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں وہ بھی انہی کی طرح کافر ہیں۔کیونکہ اگر دیوبندیوں کا یہ عقیدہ نہیں جو اس گستاخانہ واقعے میں مذکور ہے تو دیوبندیوں کو اس واقعے کے بنیادی کردار ضامن جلال آبادی سے،اس واقعے کو بیان کرنے والے صوفی سے اور ایسے شخص کو توحید میں مبتلا سمجھنے والے دیوبندی اکابر سے اعلانیہ براءت کا اظہار کرنا چاہیے اور ان تمام لوگوں کے کفر میں شک نہیں کرنا چاہیے ورنہ ان کا بھی وہی حکم ہوگا جو ان کے دیوبندی اکابرین کا ہے۔

05۔صوفی حضرات پہلے خلاف شریعت ایک نظریہ اور عقیدہ قائم کرتے ہیں پھر اسے سند جواز عطاء کرنے اور عوام وخواص میں قبولیت دلانے کی خاطر قرآن وحدیث سے محرفانہ استدلال کرتے ہیں اور بعض اوقات جلیل القدر اور قابل احترام ہستیوں کو اس عقیدہ ونظریہ کا قائل وحامی قرار دیتے ہیں ۔اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ انکی اس حرکت سے ان نفوس قدسیہ کی جانب شرک اور کفر منسوب ہورہا ہے اور انکی توہین ہورہی ہے۔

ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ وحدت الوجود کے عقیدے کے حاملین کو علمائے حق نے بدترین کافر قرار دیا ہے۔لیکن اس کفریہ وشرکیہ عقیدہ کی حمایت وتائید میں صوفیوں نے انبیاء کرام کو بھی اس عقیدے کا حامل قرار دیا ہے چنانچہ سید علی بن عثمان الہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش لاہوری رقم طراز ہیں: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب سورج اور چاند کو اپنا رب کہا وہ اس لئے کہا کہ نبی ہونے کی حیثیت سے آپ وحدت الوجود کے قائل تھے لہٰذا ہر چیز میں ان کو خدا نظر آیا۔(شرح کشف المحجوب،صفحہ 884)

انبیاء جیسی پاکباز ہستیوں پر ایسی شرمناک تہمت لگانا کہ جس سے ایک مسلمان کا سر شرم سے جھک جائے گمراہ صوفیوں ہی کا کام ہے۔اہل حدیث ایسے شیطانی نظریات وعقائد سے بے زار اور بری ہیں۔پھر بھی جب کوئی شخص اکابرین اہل حدیث کو صوفی کہتا ہے تو بہت حیرت ہوتی ہے۔

06۔دیوبندی صوفیوں کا عقیدہ ہے کہ کچھ اعمال واذکار ایسے ہیں کہ جن



حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

”حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ **الخیر کلہ فی القرآن** کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں یہی بات سچ ہے افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلا واسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

کی ادائیگی سے انسان بھی اللہ بن سکتا ہے۔

دیوبندیوں کے اکابر امداد اللہ مہاجر مکی لکھتے ہیں: ”اور اس کے بعد ہو ہو کے ذکر میں اس قدر منہمک ہوجانا چاہیے کہ خود مذکور یعنی (اللہ) ہوجائے اور فنا درفنا کے یہی معنی ہیں اس حالت کے حاصل ہوجانے پر وہ سراپا نور ہوجائے گا۔“(کلیات امدادیہ،صفحہ 18)

صوفیوں کی طرح یہی عمل فرعون کا تھا کہ انسان اور اللہ کا بندہ ہوکر خود اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔معلوم ہوا کہ صوفیوں اور اللہ کے دشمن فرعون کا ایک ہی عقیدہ تھا۔بلکہ انسان ہوتے ہوئے رب ہونے کا دعوےٰ کرنے والوں کے بارے میں اگر یوں کہا جائے کہ اس عقیدہ میں فرعون صوفیوں کا جد امجد تھا تو بے جا نہ ہوگا۔فرعون اور صوفیوں کے عقیدہ کی اس یکسانیت کی بنا پر فرعون کو کافر تسلیم کرنا صوفیوں کو کافر قرار دینے کے مترادف ہے چنانچہ اسی خطرہ کو محسوس کرتے ہوئے اور اہل تصوف کو کفر کے فتوے کی زد سے بچانے کے لئے صوفیوں کے ”شیخ اکبر“ ابن عربی نے اپنے جد امجد فرعون کے بارے

میں دعویٰ کیا کہ: فرعون کامل الایمان تھا۔ (فصوص الحکم، اردو، صفحہ 400)

فرعون کے ایمان کے بارے میں گواہی دینا صوفیوں کی مجبوری ہے وگرنہ خود انکا ایمان خطرے میں پڑ جائے گا۔ لیکن قرآن و حدیث کی نصوص کے مطابق فرعون کافر، اللہ کا دشمن اور اللہ کے غیض وغضب اور اسکے عذاب کا مستحق تھا۔ اب قابل غور بات یہ ہے کہ فرعون تو صوفی عقیدہ کا حامل ہو کر اللہ کے غضب کا حقدار ہوا اور دیوبندی اور بریلوی فرعونی عقیدہ پر ہوتے ہوئے بھی اللہ کی رحمت کے مستحق ہوں بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟! یقیناً جو انجام صوفی فرعون کا ہوا وہی انجام صوفی دیوبندیوں اور صوفی بریلویوں کا بھی ہوگا۔

07۔ صوفی دیوبندیوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ انسانی شکل میں آ سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو، شمائم امدادیہ میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے: راوی نے عرض کیا کہ آپ کی خادمہ پیرانی صاحبہ نقل کرتی ہے کہ ایک میرے بھتیجے حج کو آئے تھے آگبوٹ تباہی میں آ گیا۔ حالت مایوسی میں انہوں نے خواب دیکھا کہ ایک طرف حاجی صاحب اور دوسری طرف حافظ جیو صاحب آگبوٹ کو شانہ دیتے ہوئے تباہی سے نکال رہے ہیں۔ صبح کو معلوم ہوا کہ آگبوٹ دو دن کا راستہ طے کر کے صحیح سالم کنارے پر لگ گیا۔ فرمایا کہ مجھ کو کیا معلوم؟ فاعل حقیقی خداوند کریم ہے، کیا عجب کہ صحیح ہو۔ دوسروں کے لباس میں آ کر خود مشکل آسان کر دیتا ہے اور نام ہمارا تمہارا ہوتا ہے۔ (شمائم امدادیہ، صفحہ 100)

08۔ ایک آدمی نے دیوبندیوں کے پیرو مرشد حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں ان کے ایک مضمون کے بارے میں سوال کیا: اس مضمون سے معلوم ہوا کہ عابد اور معبود میں فرق کرنا شرک ہے۔

حاجی صاحب نے جواب دیا: کوئی شک نہیں ہے کہ فقیر نے یہ سب ضیا القلوب میں لکھا ہے۔ (شمائم امدادیہ، صفحہ 34)

کیا رب کائنات کی اس سے بڑھ کر بھی کوئی توہین اور گستاخی ممکن ہے جو یہ صوفی اللہ کی شان گھٹانے کے لئے دن رات کر رہے ہیں

10۔ بایزید بسطامی مشہور و معروف صوفی ہے۔ دیوبندیوں کے ہاں ان کا وہی مقام ہے جو دوسرے جلیل القدر آئمہ کا ہے۔ قاری محمد طیب دیوبندی تحریر کرتے ہیں: جو عظمت وجلالت امام ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل جیسے آئمہ شریعت کی ہے وہی عظمت وجلالت حضرت جنید وشبلی اور بایزید بسطامی اور معروف کرخی جیسے آئمہ طریقت کی بھی ہے۔

(علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج، صفحہ 135)

دیوبندیوں کا یہ امام طریقت بایزید بسطامی لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دیتے ہوئے لکھتا ہے: میں حق سے نکل کر حق میں داخل ہوا، اے وہ ذات کہ میں بھی تیرا ہی حصہ ہوں، میں ہی اللہ ہوں، میری ہی عبادت کرو، میں پاک ہوں اور میری شان بلند ہے۔ (فی التصوف الاسلامی وتاریخہ، صفحہ 75)

یہ وحدت الوجود کا خبیث اور گندہ عقیدہ ہے کہ انسان مخلوق ہو کر رب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے پھر لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلاتا ہے

11۔ بعض اوقات صوفی خود اپنی بھی عبادت کرتا ہے کیونکہ اسکے گندے عقیدے کے مطابق وہ باہر سے مخلوق اور اندر سے خدا ہوتا ہے۔ حلاج منصور زندیق کا یہ قول ملاحظہ کریں جسے اشرف علی تھانوی نے بھی نقل کیا ہے۔ جب حلاج منصور سے سوال ہوا کہ تم اپنے آپ کو خدا کہتے ہو تو نماز کس کی پڑھتے ہو تو اس نے جواب میں کہا: میری دو حیثیتیں ہیں ایک ظاہر کی اور ایک باطن کی۔ میرا ظاہر میرے باطن کو سجدہ کرتا ہے۔

(بحوالہ دیوبندی اور تبلیغی جماعت کا تباہ کن عقیدہ صوفیت، صفحہ 13)

حاجی امداد اللہ نے لکھا ہے: اور ظاہر میں بندہ اور باطن میں خدا ہو جاتا ہے۔ (کلیات امدادیہ، صفحہ 36,35)

12۔ ابوالحسن شاذلی صوفی نے اپنے نام کے بارے میں دعویٰ کیا کہ: میں نے کہا اے رب آپ نے میرا نام شاذلی کیوں رکھا؟ حالانکہ میں شاذلی نہیں ہوں تو مجھ سے کہا گیا اے علی میں نے تمہارا نام شاذلی نہیں رکھا بلکہ ''الشاذّ لی'' رکھا۔ تو میری محبت اور خدمت کے لئے وقف ہو گیا۔

(امامھا ابوالحسن الشاذلی، صفحہ 35,34، مصنف ڈاکٹر عبدالحلیم محمود)

13۔۔ صوفی مذہب میں تزکیہ نفس کا ذلت آمیز طریقہ ملاحظہ فرمائیں۔ بعض صوفی حضرات تزکیہ نفس کی خاطر ملامتی طریقہ اختیار کرتے ہیں تاکہ

بدنامی اور ذلت کی وجہ سے انہیں روحانی ترقی حاصل ہو۔اس لئے وہ اپنے نفس کو ذلیل کر کے خوش ہوتے ہیں چنانچہ سید علی بن عثمان الہجویری رقمطراز ہیں: حضرت ابراہیم بن ادھم علیہ رحمہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کی مراد کب پوری ہوئی؟ آپ نے فرمایا کہ دو موقعوں پر میرے دل کی مراد پوری ہوئی ۔ایک اس وقت جب میں کشتی میں سوار تھا اور سب لوگ مجھے حقیر جان کر مجھ سے ٹھٹھا مخول کر رہے تھے کیونکہ میرے کپڑے پھٹے پرانے اور سر کے بال پراگندہ تھے۔کشتی میں ایک مسخرہ بھی تھا جو ہر وقت آ کر میرے بال نوچتا تھا حتی کہ جب اس کو پیشاب کی ضرورت ہوئی تو اس نے اٹھ کر مجھ پر پیشاب کر دیا۔اس وقت (ذلت نفس کی وجہ سے) مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ کبھی نصیب نہیں ہوئی....الخ (شرح کشف المحجوب،صفحہ 282)

اسلام ایک صفائی پسند اور پاکیزہ دین ہے جس میں گندگی اور خود کو ذلیل کرنے کی کوئی گنجائش موجود نہیں۔

15۔شبلی صوفی کے بارے میں سطور بالا میں قاری محمد طیب دیوبندی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ دیوبندیوں کے نزدیک شبلی بہت عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں بلکہ انکا شمار ان کے ہاں آئمہ طریقت میں ہوتا ہے۔دیکھئے: علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج،صفحہ 135

یہی شبلی صوفی صاحب فرماتے ہیں: اگر سیاہ چیونٹی تاریک رات میں سیاہ پتھر کے نیچے حرکت کرے اور مجھے اس کا علم نہ ہو تو میں یہی کہونگا کہ میرے رب نے میرے ساتھ مکر کیا۔(الطبقات الکبری،جلد 1،صفحہ 142)

شبلی کی اسی عبارت کو الجیلی عبدالکریم نے بھی اپنی کتاب ''الانسان الکامل''،صفحہ 122 پر نقل کیا ہے۔

اس شیطان نما صوفی کی یہ ایمان شکن عبارت واضح کرتی ہے کہ صوفیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی نے صوفیوں کو ذرے ذرے کا علم دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔جبھی تو شبلی چیونٹی کی مخفی حرکت سے مطلع نہ ہونے پر اللہ پر مکر اور دھوکہ کا الزام عائد کرتا ہے۔اپنی گندی زبان سے اکابرین اہل حدیث کو صوفی کہنے والے بتائیں کہ کیا کسی ایک بھی اہل حدیث کا ایسا عقیدہ تھا جو ان دجال صوفیوں کا ہے؟؟؟

16۔متصوفانہ مذہب کا ایک تحفہ جھوٹ اور کذب بھی ہے اسی لئے اس مذہب کے پیروکار (صوفی حضرات) اکثر جھوٹے اور کذاب ہوتے ہیں اور وہ بھی عام معاملات میں نہیں بلکہ شرعی اور دینی معاملات میں جس میں دوروغ گوئی انتہائی سنگین جرم ہے۔بات یہ ہے کہ صوفیاء کے پاس کذب کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہوتا اس لئے یہ جھوٹ بولنے پر مجبور ہوتے ہیں کیونکہ یہ اپنے کفریہ اور بدعتی عقائد و معاملات کے لئے جب فرمان رسول اور کلام اللہ میں کوئی دلیل نہیں پاتے تو عوام کی تسلی اور صوفیانہ عقائد کو شرعی اور بر مبنی دلیل باور کروانے کے لئے احادیث گھڑتے ہیں اور نبی کریم ﷺ پر بے دریغ جھوٹ بولتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کی اس وعید سے بے نیاز اور بے فکر کہ: جس کسی نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔(صحیح بخاری)

دیکھئے: امام مسلم رحمہ اللہ ان صوفیوں جنھیں صالحین اور اہل خیر بھی کہا جاتا ہے کی جھوٹ بولنے کی عادت بد سے کیسے پردہ اٹھا رہے ہیں: محمد بن یحیی بن سعید القطان کہتے ہیں کہ میرے باپ یحیٰی نے کہا: ہم نے صالحین (صوفیاء) سے زیادہ کسی کو حدیث کے معاملہ میں جھوٹ بولنے والا نہیں دیکھا۔ابن ابی عتاب کہتے ہیں کہ پھر مجھ سے محمد بن یحیٰی بن سعید القطان کی ملاقات ہوئی۔اور میں نے ان سے یہی بات پوچھی،تو کہنے لگے: ہاں میرے والد فرماتے تھے کہ تو ان اہل خیر (صوفیاء) سے زیادہ کسی کو بھی حدیث کے معاملہ میں جھوٹا نہ دیکھے گا۔امام مسلم کہتے ہیں کہ جھوٹ ان کی زبانوں سے بے ساختہ جاری ہو جاتا ہے چاہے جھوٹ بولنے کا ارادہ نہ بھی رکھتے ہوں۔(مقدمہ صحیح مسلم)

17۔صوفی حضرات ننگے رہنے کو معیوب اور برا خیال نہیں کرتے۔ چنانچہ سید علی بن عثمان الہجویری لکھتے ہیں: بعض بزرگان ایسے بھی ہوئے ہیں جو لباس کی پرواہ نہیں کرتے۔اور جو کچھ خداوند تعالیٰ دیتا ہے پہن لیتے ہیں خواہ وہ قبا (شاہ لباس) ہو یا عبا (درویشی لباس) اور اگر حق تعالیٰ ان کو ننگے تن رکھتے ہیں۔تو وہ ننگے تن رہتے ہیں اور میں علی بن عثمان الجلابی بھی اسی روش کو پسند کرتا ہوں۔اور سفر کی حالت میں،میں نے اسی پر عمل کیا ہے (شرح

کشف المحجوب، صفحہ 254)

18۔عبدالکریم الجیلی کہتا ہے: تم نہیں جانتے کہ جب حضور شبلی کی شکل میں ظاہر ہوئے تو شبلی نے اپنے شاگرد سے کہا ''اشھد انی رسول اللہ'' میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ چونکہ ان کا شاگرد بھی صاحب معرفت تھا اس لئے اس نے ان کو پہچان لیا اور کہا ''اشھد انك رسول اللہ'' میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یہ ایسی بات ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔(الانسان الکامل، جلد 2، صفحہ 75,74)

اس کا مطلب ہے کہ صوفیوں کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح اس دنیا میں بھٹکتی پھرتی ہے اور دوسرے انسانوں کے جسموں میں بھی سرائیت کرجاتی ہے۔ شاید صوفیاء کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم مبارک سے محروم ہوچکے ہیں اسی لئے شبلی کے جسم میں داخل ہوکر شبلی کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ نعوذ باللہ من ذالک

اس عبارت کے آخری جملے ''یہ ایسی بات ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا'' سے معلوم ہوا کہ صوفی حضرات کا یہی عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ دوسروں کی شکلوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اور غیروں کی شکلوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے کے لئے صوفی کا صاحب معرفت ہونا ضروری ہے۔

عزیز الدین بن محمد النسفی (المتوفی ۶۷۱ھ) لکھتا ہے: جان لو کہ اہل وحدت نے نبی کو حکیم پر فضیلت دی ہے اور ولی کو نبی پر فضیلت دی ہے۔ ہر نبی حکیم ہوتا ہے اور ہر ولی نبی ہوتا ہے۔ لیکن ہر نبی ولی نہیں ہوتا۔ (کشف الحقائق، صفحہ 102)

مشہور صوفی سعد الدین حموی اپنی مثنوی میں کہتا ہے: ولایت کی واؤ نبوت کی نون کی نسبت اللہ تعالیٰ سے زیادہ قریب ہے۔ اسی قربت کی وجہ سے ولایت نبوت سے افضل ہے۔ (غیث المواہب العلیہ، جلد 1، صفحہ 235)

متقدمین صوفیاء میں سے ابو یزید بسطامی کا یہ قول صوفیوں کے اسی عقیدہ (صوفی نبی سے علم و معرفت میں افضل ہے) کی ترجمانی کرتا ہے۔ ابو یزید بسطامی کہتا ہے: ہم نے معرفت کے سمندر میں غوطے لگا لئے اور انبیاء اس کے ساحل پر کھڑے ہیں۔

20۔صوفیوں کے نزدیک چونکہ نیک کام کرنے سے خلق کے نزدیک مقبولیت اور عزت واحترام حاصل ہوتا ہے جو انسان میں تکبر اور غرور پیدا کرتا ہے اس تکبر کے خاتمے کے لئے صوفی جان بوجھ کر ایسے کام کرتے ہیں جو انکی بدنامی کا باعث بنتے ہیں چاہے یہ بدنامی خلاف شرع کام کرنے سے ہی کیوں نہ حاصل ہو۔

واجد بخش سیال شارح کشف المحجوب لکھتے ہیں: اس لئے بعض اولیاء کرام کمال صدق وخلوص کی بنا پر عمداً ایسے کام کرتے ہیں جن سے خلق میں بدنام ہوجائیں۔ اگرچہ بظاہر ان کے یہ کام خلاف شرع نظر آتے ہیں در حقیقت وہ خلاف شرع نہیں ہوتے (شرح کشف المحجوب، صفحہ 274)

صوفیوں کے نزدیک انسان جس قدر بدنام ہوتا ہے اسی قدر اللہ سے قریب ہوتا ہے۔ علی بن عثمان الھجویری رقم طراز ہیں: جاننا چاہیے کہ طریق ملامت کو پہلے پہل شیخ ابوحمدون قصار علیہ رحمہ نے رائج کیا اور اس بارے میں آپ کے اقوال لطیف ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ الملامۃ ترک السلامۃ (ملامت کا اختیار کرنا سلامتی کا ترک کرنا ہے) اور جو شخص جان بوجھ کر سلامتی ترک کرتا ہے وہ آفات کو دعوت دیتا ہے اور اسے آرام وراحت سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اور طلب جاہ و مال اور خلق خدا سے ناامید ہونا پڑتا ہے اور دنیا سے بیزار ہونا پڑتا ہے اور جس قدر آدمی دنیا سے بیزار ہوتا ہے حق تعالیٰ سے اسی قدر اس کا تعلق مضبوط ہوتا ہے (شرح کشف المحجوب، صفحہ 277)

مشہور مقولہ ہے کہ بد سے بدنام برا۔ اس لئے ایک عام مسلمان بھی اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ بدنامی ہرگز کوئی اچھی چیز نہیں۔ اور نہ تو شریعت اسے تحسین کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور نہ دنیاوی لحاظ سے یہ کوئی پسندیدہ عمل ہے۔ لیکن صوفی مذہب) جو شریعت کے بھی خلاف ہے اور عقل کا بھی مخالف ہے) میں بدنامی اچھی چیز ہے اور پروردگار سے قربت کا ذریعہ ہے۔

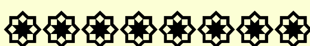
21۔دیوبندیوں اور بریلویوں کے تسلیم شدہ بزرگ شاہ ولی اللہ حنفی اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کا حال لکھتے ہیں: سننے میں آیا ہے کہ آپ کا ایک

خادم بری عادت میں مبتلا تھا۔آپ نے کئی بار اشاروں، کنایوں سے تنبیہ فرمائی۔مگر وہ پھر بھی نہ چونکا اور نہ ہی اپنی عادت بد سے باز آیا۔بالآخر حضرت شیخ نے اسے تنہائی میں بلا کر کہا تجھے کئی بار اشاروں کنایوں سے سمجھایا مگر تو نے کوئی پرواہ نہیں کی۔شاید تو سمجھتا ہے کہ ہم تیرے کرتوتوں سے بے خبر ہیں۔قسم بخدا! اگر زمین کے نچلے طبق میں رہنے والی چیونٹی کے دل میں بھی سو خیالات آئیں تو ان میں ننانوے خیالات کو میں جانتا ہوں۔اور حق سبحانہ وتعالیٰ اس کے سو کے سو خیالات سے باخبر ہے۔یہ سن کر خادم نے اپنی برائی سے توبہ کر لی۔(انفاس العارفین،اردو،صفحہ 205)

شاہ ولی اللہ کے صوفی والد نے بہت احسان کیا کہ چیونٹی کے دل میں اٹھنے والے سو کے سو خیالات کو جاننے کا دعویٰ نہیں کیا ورنہ اللہ اور عبدالرحیم صوفی میں جو ایک درجہ کا معمولی سا فرق تھا وہ بھی ختم ہو جاتا۔اس واقعہ سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ جب ایک معمولی صوفی کے تصرف اور خدائی صفات کا یہ عالم ہے کہ اللہ سے صرف ایک ہی درجہ کم ہے تو بڑے صوفیوں کا مقام تو اللہ سے بھی بڑھ کر ہوگا۔یہ واقعہ شاہ ولی اللہ جو اس کو روایت کرتے ہیں لیکن اسکی تردید نہیں کرتے کی بدعقیدگی اور گمراہی پر بھی مہر تصدیق ثبت کرتا ہے کیونکہ اگر اس واقعہ میں بیان شدہ دعویٰ پر یقین کر لیا جائے تو قرآن کی ان بہت سی آیات کا بطلان لازم آتا ہے جن میں اللہ نے علم غیب اور سینوں میں اٹھنے والی باتوں کے جاننے کو صرف اپنے ساتھ خاص کیا ہے۔اب یا تو یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ کے ساتھ ساتھ اللہ کے یہ شریک صوفی بھی دلوں میں اٹھنے والے خیالات سے واقف ہوتے ہیں اور قرآن کا بیان اس سلسلے میں جھوٹ ہے(نعوذ باللہ من ذالک) جو کہ ممکن نہیں کیونکہ ایک مسلمان ایسا تصور بھی گناہ سمجھتا ہے۔یا پھر اپنے ایمان کو محفوظ کرتے ہوئے ان جاہل اور بے دین صوفیوں کو دجال اور کذاب تسلیم کیا جائے۔اور یہی آخری بات حق ہے کیونکہ سطور بالا میں امام مسلم رحمہ اللہ کے حوالے سے اکثر صوفیوں کا کذاب ہونا ذکر ہو چکا ہے۔

22۔صوفیوں کے خلاف اسلام اور کفریہ عقائد میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی صوفی اللہ کی ذات میں فنا ہو کر وحدت الوجود کی حقیقت کو پالیتا ہے تو اس مقام پر پہنچ کر اللہ کی عبادت اس پر حرام ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اگر وہ اس مقام پر بھی اللہ کی عبادت کرے تو وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اور اللہ ایک ہو جاتے ہیں تو اسکا پھر بھی عبادت کرنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ اللہ اور خود کو ایک نہیں بلکہ دو مانتا ہے۔بس صوفیوں کے ہاں اللہ اور مخلوق کو جدا ماننا کفر ہے۔دیکھئے! علی بن عثمان الہجویری صاحب فرماتے ہیں: کائنات کا وجود ہی نہیں ہے۔ہر چیز وجود حق میں شامل ہے۔چنانچہ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کو بارگاہ رب العزت کی طرف سے کچھ الہامات ہوئے۔ان میں سے ایک الہام یہ ہے: من ارد العبادۃ بعد الوصل کفر (جس نے وصل کے بعد عبادت کی کافر ہوا) اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ وحدت الوجود حقیقت ہے جب انسان ذات حق میں فنا ہو جاتا ہے یعنی مقام فنافی اللہ پر پہنچ جاتا ہے تو کس کی عبادت کرے۔لہٰذا جب وہ عبادت کرتا ہے تو وہ وحدت الوجود سے منحرف ہو کر عبادت کرتا ہے اس انحراف کو کفر کا نام دیا گیا ہے۔کفر کے لفظی معنی بھی چھپانے کے ہیں مطلب یہ کہ چونکہ وحدت الوجود حقیقت ہے۔جب بھی سالک مقام فنا (وحدت الوجود) سے واپس آ کر اپنی مفروضہ دوئی میں آتا ہے اور عبادت کرتا ہے تو اس کا عبادت کرنا گویا حق بات کو چھپانے کے مترادف ہوتا ہے۔اور حق بات چھپانا کفر ہے۔اس کفر کو کفر حقیقی کہا جاتا ہے۔)شرح کشف المحجوب،صفحہ 885)

لیکن یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اپنے آغاز کے بعد تصوف باقاعدہ ایک مذہب کی صورت اختیار کر گیا جس کے لئے باقاعدہ اصول و عقائد وضع کئے گئے جن میں سے اکثر بیشتر کفریہ، شرکیہ اور شریعت سے براہ راست متصادم ہیں۔:تصوف بطور مسلک کے تیسری صدی میں مشہور ہوا اور تیسری صدی میں آ کر ہی اس کی اصطلاحات، اس کی تعلیم مرتب ہوئیں، اس کے قواعد وضوابط وضع کئے گئے، اس کا فلسفہ سامنے آیا اور اس کے پیروکاروں اور اس کے رہنماؤں کے خیالات بھی سامنے آئے



آ ولوگو میں تمہیں ان میناروں کی کہانی سناتا ہوں

(خصوصی رپورٹ برائے قندیل حق نمائندہ خصوصی چوہدری ابن صدیق بھٹی)

نوٹ آج کل پاکستان میں عبادتگاہیں مسمار کرنے کی مہم چل رہی ہے۔بے شمار احمدیہ مساجد کلی طور پر یا جزوی طور پر مسمار کی جا چکی ہیں۔اور یہ فریضہ ادا کرنے کے لئے پولیس خود leading رول ادا کر رہی ہے۔اب احمدیہ مساجد کے ساتھ ساتھ مسیحی عبادتگاہیں بھی اس مذموم تحریک کی بھینٹ چڑھنا شروع ہو گئی ہیں۔ابھی دو دن قبل جڑانوالہ میں پوری عیسائی بستی اور اس میں موجود تمام مسیحی عبادگاہیں جلا دی گئی ہیں مکانات کو لوٹ لیا گیا یا جلا دیا گیا ہے اور ابھی سرگودھا سے ایسی ہی متوحش خبریں آنا شروع ہو گئی ہیں۔

یہ سو فیصد پکی اور سچی بات ہے کہ مساجد بناتے بھی اللہ والے ہیں اور انکو آباد بھی کرتے اللہ والے ہی ہیں۔

سانگلہ ہل شہر سے دو کلومیٹر دور مشرق کی طرف واقع ایک چھوٹی سی نہر کے کنارے ایک بہت ہی خوبصورت مسجد ہے۔مسجد کی پیشانی پر چھوٹے چھوٹے دو گنبد اور چار چھوٹے بڑے مینار ہیں۔آبادی نہر کے ایک کنارے پر ہے جبکہ مسجد دوسرے کنارے پر ہے۔مسجد کو جانے کے لئے نہر کے اوپر ایک چھوٹی سی پلی ہے۔مسجد کے پہلو میں ایک بڑا برگد کا درخت ہے جس کے نیچے لوگوں کے بیٹھنے کے لئے ایک بڑی سی لوہے کی چارپائی ہے۔مسجد کے بالکل ساتھ ایک ٹھنڈے میٹھے پانی کا کنواں اور نہانے اور وضو کرنے کے لئے غسل خانے ہیں۔پچھلے 70 سال سے اس مسجد کے دروازے ہر مسافر کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔کوئی اس کے ٹھنڈے پانی سے نہانے چلا آتا ہے تو کوئی اس کے پہلو میں دوپہر گزارنے اور کوئی اپنے مولا کے حضور جھکنے کے لئے۔غرض بلا تفریق غیرے پچھلے ستر سال سے ایک فیضان عام جاری ہے۔

مگر اب سنا ہے کہ کچھ ایمان والوں کے دل کو یہ مینار بہت اذیت دے رہے ہیں۔اور یہ بھی سنا ہے کہ دو دن پہلے علاقہ کے ایس۔ایچ۔او صاحب نے ذمہ داران کو بلایا ہے اور اس مسجد کے خوبصورت میناروں کو گرانے کے لئے حکم دے دیا ہے۔اس سے پہلے کہ یہ مینار گرا دیئے جائیں میں آپ کو ان میناروں کی اور ان میناروں کو بنانے والوں کی کہانی آپ کو سنانا چاہتا ہوں۔



آج سے 76 سال قبل ایسے ہی اگست کے مہینہ میں پاکستان بننے پر میرے ننھیال اور ددھیال کے بزرگان ہندوستان سے پاکستان وارد ہوئے۔سرکاری طور پر رہائش کے لئے اس لٹے پٹے قافلہ کے لوگوں کو مرڑھ چک 45 نزد سانگلہ ہل کے گاؤں میں جگہ دی گئی۔اور اسی گاؤں میں ان کو زرعی زمینیں بھی الاٹ ہو گئیں۔

گاؤں کا پانی کافی کڑوا تھا اس لئے ان نوواردوں کے پیٹ خراب رہنے لگے۔زمینیں گاؤں سے باہر چھوٹی نہر کے آس پاس تھیں چنانچہ میرے پڑنانا جان چوہدری سرو خان صاحب نے بچی کھچی جمع پونجی لگا کر اس نہر کے کنارے ایک نلکا لگانے کا پروگرام بنایا۔ہماری زمینوں کے پاس ہی ایک بڑا وسیع قطعہ نہر کے ساتھ ساتھ ویران پڑا ہوا تھا دراصل یہ ہندوؤں کا مرگھٹ تھا اور لوگ دن کے وقت بھی جنوں اور بھوتوں کے ڈر سے اس طرف آنے سے گھبراتے تھے۔آپ تو جانتے ہیں احمدی موحدین تو جنوں بھوتوں کو مانتے نہیں چنانچہ چوہدری سرو خان صاحب نے اسی

مرگھٹ میں نہر کے کنارے نلکا لگوا دیا۔ نلکے کا پانی میٹھا نکل آیا بس پھر کیا تھا سب احمدی برادری گاؤں سے نکل کر اسی نلکے کے پاس مرگھٹ میں آباد ہو گئے۔نہر کے ایک طرف سرکنڈے کی جھگیاں بنالیں اور نہر کے دوسرے کنارے ایک کچی اینٹوں کی مسجد بنالی۔اور نہر سے گزرنے کے لئے ایک لکڑی کی پلی بنالی۔

ایک شاندار فیصلہ

پھر اس بستی کے بزرگوں نے ایک انتہائی حسین اور خوبصورت فیصلہ کیا۔اللہ کے حضور جھکنے کے لئے ایک پکی اور شاندار مسجد بنانے کا۔ یاد رہے ابھی اپنے گھر بھی نہیں جھگیاں ہیں اور شاندار مسجد بنانے چل پڑے ہیں۔ پیسہ کہاں سے آئے گا اس کے لئے فیصلہ ہوا گاؤں چک 45 سے 15 کلومیٹر دور مومن کا ریلوے اسٹیشن تھا جہاں پر کوئلہ کا ڈپو تھا۔مال گاڑیوں میں کوئلہ لوڈ اور ان لوڈ ہوتا تھا چنانچہ یہ 15 کلومیٹر روزانہ پیدل جاتے سارا دن کوئلہ لوڈ کرتے اور رات کو جو پیسہ ملتا وہ لا کر مسجد کے لئے جمع کرتے جاتے چنانچہ چوہدری منشی خان ، چوہدری مبارک خان ،چوہدری ابراہیم بھٹی صاحب ، چوہدری شریف بھٹی صاحب، چوہدری اسماعیل بھٹی صاحب ، چوہدری فیض بھٹی صاحب ،چوہدری فرید خان چوہدری فتح علی خان ،چوہدری فرزند خان چوہدری منظور خان ،چوہدری اکرم خان جیسے عمر رسیدہ بزرگان کو اللہ کی راہ میں اپنے ہاتھ کوئلہ سے کالے کرنے کی توفیق نصیب ہوئے۔

ان بزرگان نے کوئلہ کے ساتھ ساتھ چاول کی فصل بھی کاشت کی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال ہوئی محترم نانا جان چوہدری اسماعیل خان صاحب بتایا کرتے تھے کہ اتنی فصل ہوئی کہ ہم حیران ہو گئے۔ ان دیوانوں نے بچوں کے لئے تھوڑا تھوڑا حصہ چھوڑا اور باقی منڈی بیچ کر پیسہ مسجد میں جمع کر دیا۔اب ایک اچھی خاصی رقم جمع ہو گئی تھی۔اینٹیں منگوائی گئیں اور مستری لال دین کو مسجد کی تعمیر کے کام پر لگا دیا۔نوجوان اور بچے مستریوں کے ساتھ لگ گئے۔(ان کی لسٹ لمبی ہے) کوئی کوئلہ کے لئے جا رہا ہے کوئی کھیتوں میں جا رہا ہے اور کوئی مستری کے ساتھ راج گیری کر رہا ہے۔مسجد تیزی سے مکمل ہونے لگی مگر اخراجات پورے کرنا مشکل ہو رہے تھے۔حتیٰ کہ میناروں پر جا کر کام رک گیا پھر ایسے میں چوہدری گوہر خان صاحب آگے آئے اور انہوں نے میناروں کے اخراجات اپنے ذمہ لئے اور اپنی ساری فصل بیچ کر ان میناروں کو مکمل کیا۔ان فرزانوں نے ویرانے میں مسجد کھڑی کر دی اور پھر اللہ نے ان کی بستی آباد کر دی۔

کہاں لوگ اس علاقہ میں دن کو آنے سے ڈرتے تھے اور کہاں آدھی رات کے فوری بعد یہ مسجد تہجد گزاروں سے بھر جاتی تھی۔ چنانچہ چوہدری اسماعیل خان ،چوہدری منشی خان ،چوہدری مبارک خان ،چوہدری فیض خان، چوہدری میاں خان ،چوہدری فرید خان ،چوہدری اسماعیل خان ،چوہدری فتح علی خاں ،بابا مند صاحب اور ہمارے محترم سید اکبر علی شاہ صاحب۔

گاؤں سارا نلکے سے پانی لینے کے لئے جمع رہنے لگ گیا۔نلکا زیادہ استعمال ہونے کی وجہ سے بار بار خراب ہونے لگا تو پھر نلکے کی جگہ پر کنواں کھود دیا گیا۔مسجد کے ٹھنڈے پانی کی وجہ سے سارا علاقہ یہاں نہانے ،پانی لینے اور پینے کے لئے جمع رہتا۔پانی کنویں سے ہاتھ سے نکالا جاتا تھا ۔انہی دنوں اللہ تعالیٰ نے محمد عارف بھٹی صاحب صاحب کے لئے عراق جانے کا راستہ کھول دیا وہ پردیس گئے تو انہوں نے اپنے والد چوہدری محمد صدیق بھٹی صاحب کو کہا کہ اس کی خواہش ہے کہ آپ میری پہلی تنخواہ پوری مسجد میں لگائیں اور کنویں کے اوپر ٹینکی بنائیں اور بجلی کی موٹر لگوا دیں تا کہ مسافروں اور بزرگوں کو وضو اور نہانے میں سہولت ہو۔اُدھر سے منور احمد بھٹی صاحب کو اللہ نے کویت میں نوکری دے دی انہوں نے بھی خواہش کی کہ یہ ثواب بانٹ لیا جائے چنانچہ محمد عارف بھٹی صاحب کے پیسوں سے ٹینکی بنا دی گئی اور منور احمد بھٹی صاحب کے پیسوں سے موٹر لگوا دی گئی۔

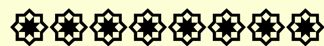
مسجد کے ساتھ بڑے بڑے شیشم کے درخت تھے جن کے نیچے نمازی اور مسافر ٹھکانہ کرتے تھے اب وہ بوڑھے ہو رہے تھے چنانچہ چوہدری شریف بھٹی صاحب نے شیشم کے قریب ہی ایک برگد کا درخت لگا دیا۔رانا نعمان صاحب نے اپنی ٹیم کے ساتھ برگد کے آس پاس سفیدے کے بہت سے درخت لگا دیئے۔اب یہ برگد اور سفیدے ہر مسافر کے لئے چھاؤں بچھائے نظر آتے ہیں۔

مسجد چونکہ نہر کے کنارے ہے اس لئے پانی کی نمی کا اثر ہو رہا تھا اور چھت لکڑی کی تھی اس کی بھی عمر پوری ہو رہی تھی چنانچہ رانا منیر احمد صاحب آگے آئے تمام گاؤں کے تمام بیرون ملک جانے والے خدام سے رابطہ کیا اور پوری مسجد کو وائٹ ٹائلنگ کروا کر مضبوط کر دیا۔

محترم ہارون بھٹی صاحب آگے آئے اور انہوں نے مسجد کو وسیع کرنے کے لئے اپنی قیمتی اراضی میں سے ایک بڑا ٹکڑا مسجد کو الاٹ کر دیا۔ رانا بشارت احمد اور رانا اشرف صاحب نے اپنا ایک قیمتی گھر مربی ہاؤس کے طور پر جماعت کے حوالہ کر دیا۔ ماسٹر عبدالغفور صاحب اور چوہدری محمد صدیق بھٹی صاحب جیسے نیک انسان اس جماعت کے لمبے عرصہ تک صدر رہے۔ چوہدری منظور صاحب، چوہدری انور جٹ اور منور جٹ صاحب نے تو گویا ان میناروں کی چھاؤں میں رہنا ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ اصغر علی بھٹی، مرحوم داود بھٹی، رانا اقبال احمد اور منور جٹ صاحب کے صاحبزادہ صاحب کو اس جماعت سے زندگی وقف کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

بچو! ہوسکتا ہے کوئی آسان شہرت لینے کے لئے ان میناروں پر ہتھوڑے چلا دے اس مسجد کی اینٹوں کو بے دردی سے توڑ پھوڑ دے مگر یاد رکھو یہ اینٹیں نہیں ہیں، یہ سیمنٹ نہیں ہے۔ اس مسجد کی انچ انچ پر میں نے سجدوں کے نشان دیکھے ہیں اور سجدوں میں اپنے مولا کے حضور روتے اور گریاں عاشق رسول دیکھے ہیں۔ خدام و انصار ہی نہیں اس مسجد کو آنسوؤں سے غسل دینے والوں میں لجنہ بھی برابر کی شریک ہیں۔ ہماری نانی جان الحاجہ بی بی اللہ رکھی۔ صدر صاحبہ نانی جان بشیراں بی بی۔ والدہ محترمہ محمودہ بیگم، تائی جان بتول بی بی اور میری بہت سی نانیاں اور دادیاں جو نہ صرف جمعہ پر سب بچیوں کو لے کر حاضر ہوتیں بلکہ بچیوں کو صلوٰۃ تسبیح بھی پڑھاتیں۔ اللہ اللہ کیا شان ہے اس مسجد کی اور اس مسجد والوں کی۔

بچو! یاد رکھنا میں نے مختصر تاریخ لکھ دی ہے ایک مسجد زمین پر بنتی ہے اور ایک دلوں میں۔ آپ نے دونوں مسجدوں کو اباد رکھنا ہے اور یہی ان میناروں کا سبق ہے۔





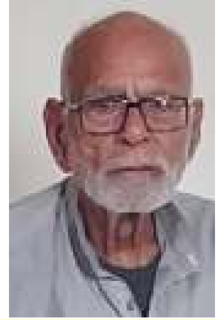
صد سالہ جوبلی جلسہ

جرمنی ۲۰۲۳ء

(اسحاق عاجز۔ لندن)

مبارک ہو تم کو یہ جلسہ سالانہ
کہ پھر لوٹ آیا خوشی کا زمانہ
ہیں مسرور سب احمدی جرمنی کے
ہے صد سالہ جشنِ تشکر منانا
مبارک ہو تم کو یہ جلسہ سالانہ
ہیں ہم احمدی اور یہ ہے فرض اپنا
خلیفہ کی طاعت میں جاں بھی لُٹانا
یہ خوشیاں ہیں قائم خِلافت کے دَم سے
خِلافت سے قائم ہے یہ آشیانہ
مبارک ہو تم کو یہ جلسہ سالانہ
جو نِکلو گھروں سے تو لب پر دُعا ہو
اِلٰہی ہمیں ہر بلا سے بچانا
خدا تم کو اپنی حفاظت میں رکھے
اس کی پناہوں میں ہو آنا جانا
مبارک ہو تم کو یہ جلسہ سالانہ
خدا نے ہے بخشا یہ شجرِ خِلافت
کہ سائے میں اِس کے بنا لیں ٹھکانہ
دِلوں کو سکینت عطا ہو گی اِس سے
نصیحت ہے عاجز کی یہ عاجزانہ
مبارک ہو تم کو یہ جلسہ سالانہ





ماموں جان چوہدری بشیر احمد صاحب آف شورکوٹ کا ذکر خیر

از شہزادہ قمر الدین مبشر گلاسگو (سکاٹ لینڈ)



ماموں جان چوہدری بشیر احمد صاحب آف شورکوٹ 90 سال کی عمر میں لندن میں وفات پا گئے۔ آپ گزشتہ سال ربوہ سے لندن اپنے بیٹے چوہدری نصیر احمد کی فیملی کے ہمراہ شفٹ ہوئے تھے۔ محکمہ مالیات میں ملازمت کے سلسلے میں ان کا زیادہ وقت شورکوٹ میں گزرا جہاں آپ ایک لمبا عرصہ صدر جماعت اور زعیم انصار اللہ بھی رہے۔ اس کے علاوہ ضلع جھنگ کے مختلف ضلعی جماعتی عہدوں پر بھی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے کچھ عرصہ سے بیمار تھے چند ہفتے ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ لیکن صحت یاب نہ ہو سکے مورخہ 20 جولائی 2023ء کو انتقال کر گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ پیدائشی احمدی تھے۔ آپ کا آبائی شہر ٹوبہ ٹیک سنگھ تھا۔ چوہدری حسین بخش صاحب سابق صدر جماعت کے بیٹے تھے۔ محترم ماموں جان شورکوٹ میں قیام کے دوران اور کچھ عرصہ ضلع جھنگ کے مختلف علاقوں میں بھی قیام کے دوران نظام جماعت سے بھرپور تعاون کرتے اور جماعتی کاموں میں پیش پیش ہوتے تھے۔ خلافت کا بے حد عقیدت و احترام رکھنے والے اور جماعت کے لئے ہر قسم کی قربانیوں میں پیش پیش تھے۔ طبیعت میں بے حد نرمی اور خوش مزاجی تھی۔

شورکوٹ میں ملازمت سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد ربوہ شفٹ ہو گئے دارالصدر غربی میں ان کے بیٹے چوہدری نصیر احمد صاحب نے اپنا مکان تعمیر کروایا تو اپنی فیملی کے ساتھ ربوہ میں مستقل رہائش اختیار کر لی۔ ربوہ میں قیام کے دوران چند سال صدر انجمن احمدیہ میں نائب مختار عام کے طور پر جماعتی خدمات کی توفیق بھی ملی۔ آپ کے دو بھائی چوہدری ناصر احمد اور چوہدری نذیر احمد جرمنی میں ایک بہن کینیڈا میں اور ایک بھائی چوہدری مبارک احمد امریکہ میں رہتے ہیں۔

آپ کے چچا زاد بھائی چوہدری محمد الدین مجاہد مرحوم بھی صدر انجمن احمدیہ میں نائب مختار عام کی خدمات انجام دے چکے ہیں۔

چوہدری محمد الدین مجاہد صاحب نے ہم اور احمدیت اور ہمارا خاندان کے عنوان سے ایک تاریخی کتاب مرتب کی اس کا مسودہ صدر انجمن احمدیہ کی خلافت لائبریری اور قادیان کی جماعتی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس میں تفصیل سے ذکر ہے کہ ہمارے خاندان میں احمدیت کہاں سے اور کیسے آئی۔

اس کتاب کا اردو انگریزی ایڈیشن حال ہی میں گلاسگو سے خاکسار شہزادہ قمر الدین مبشر نے شائع کیا ہے جس میں تفصیل سے ذکر ہے کہ ہمارے خاندان میں احمدیت کیسے آئی۔ خاندان کے لوگ دنیا کے کن کن ممالک میں قیام پذیر ہیں۔ خاندان کا شجرہ نسب اور افراد خاندان کی جماعتی خدمات کا تفصیلی ذکر ہے۔ اس کتاب میں 1974ء کے حالات واقعات شورکورٹ میں جماعتی مخالفت اور احمدی گھروں پر مخالفین احمدیت کے جلوس کی صورت میں آ کر حملے کرنے پر تشدد واقعات اور حالات کے بعد پولیس کا احمدیوں کو گرفتار کرنا اور ماموں بشیر احمد صاحب اور ماموں محمود احمد صاحب کے گھروں پر حملوں کے بعد اسیران راہ مولیٰ کا اعزاز قید و بند کی صعوبتوں کو بڑے صبر اور حوصلے کے ساتھ برداشت کرنے کا اعزاز حاصل کیا چند مختصر واقعات ہم اور احمدیت اور ہمارا خاندان کتاب کے صفحہ 78 سے 89 تک میں ماموں بشیر احمد صاحب اور ان کے بھائی محمود احمد صاحب کے بارے میں درج ہیں۔ بغرض دعاء آخر میں تحریر خدمت ہے۔

ماموں جان کی نماز جنازہ مورخہ 24 جولائی بروز سوموار ازراہ شفقت حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے پڑھائی اور حدیقۃ المہدی کے قریبی احمدیہ

قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ احباب سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے جملہ پسماندگان اور افراد خاندان کو اس صدمہ میں صبر جمیل کی توفیق دے۔

ان کا ایک بیٹا چوہدری نصیر احمد برسٹل جماعت یو کے میں ہے اور ایک بیٹی سوئٹزرلینڈ میں رہتی ہیں جو کہ طاہر احمد ظفر صاحب کی اہلیہ ہیں۔ بقیہ افراد خاندان جرمنی، سوئٹزرلینڈ، امریکہ، ربوہ میں ہیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی آئندہ نسلوں کو اپنے بزرگوں کی طرح جماعت اور خلیفہ وقت کے ساتھ دل و جان سے وابستہ رکھے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

آپ ہمارے خاندان کے دوسرے فرد ہیں جنہیں اپنی زندگی میں پردادا بننے کی توفیق ملی اور آپ کی نماز جنازہ خلیفہ وقت نے پڑھائی۔

ربوہ میں اپنے بیٹے کے گھر میں رہائش پذیر رہے۔ محترم سید خالد احمد شاہ صاحب ناظر بیت المال خرچ کے کہنے پر ربوہ شفٹ ہوئے۔ اُس وقت ناظر اعلیٰ صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب تھے۔

شورکوٹ میں جماعت کے لئے خدمات

شورکورٹ میں جماعتی خدمت کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے ان کے بیٹے چوہدری نصیر احمد صاحب نے لکھا کہ 1974ء میں جماعت احمدیہ کی مسجد پر قبضہ ہو گیا۔ نماز جمعہ، نماز عیدین، پانچ وقتہ نمازیں کسی کے گھر ادا کی جاتی تھی۔ والد صاحب نے ایک پلاٹ 10 مرلہ جو کہ میری والدہ، مرحومہ اور خالہ جان مرحومہ کے نام تھا صدر انجمن احمدیہ کے نام منتقل کروایا۔ اس جگہ پر مشن ہاؤس کی تعمیر کروائی۔ 22 جنوری 1991ء میں صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب ناظر اصلاح وارشاد نے افتتاح کیا۔ شورکوٹ میں جماعت احمدیہ کے نام سے قبرستان کا رقبہ نہ تھا جماعت کا کوئی فرد اگر وفات پا جاتا تھا تو اس کی تدفین کا مسئلہ بن جاتا تھا۔ والد صاحب نے 9 کنال رقبہ جماعت احمدیہ قبرستان کے نام سے مختص کروایا۔ انسانیت کی خدمت کی اور جماعت کی خدمت میں پیش پیش رہتے تھے۔

"ہمارے خاندان کی انفرادی خدمات کا کچھ خاکہ"

شورکوٹ میں میرے چچازاد بھائیوں

چوہدری محمود احمد صاحب و چوہدری بشیر احمد صاحب پر حملہ

1974ء کی ایک جمعرات، بعد دوپہر ایک دوست کو بس پر سوار کرانے کی خاطر لاری اڈے پر بیٹھا تھا کہ کچھ لوگ جلوس کی صورت میں جامعہ عثمانیہ سے برآمد ہوئے۔ یہ جامعہ شہر کے لاری اڈہ کی جنوب مشرقی سمت میں واقع ہے۔ جلوس کے نعروں سے اس بات کا اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ جلوس ہمارے خلاف ہے۔ یہ نعرے جب میرے اس غیر از جماعت دوست نے سنے تو انہوں نے مجھے گھر جانے کا مشورہ دیا اور کہا کہ بس پر وہ خود ہی سوار ہو جائیں گے۔ میں گھر کی طرف چلا۔ معلوم ہوا کہ جلوس نعرے لگاتا ہوا میرے گھر کے دروازے تک آیا اور واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک غیر از جماعت بچہ میرے پاس آیا جس نے بتایا کہ بھائی محمود احمد کو جلوس والے لوگ پکڑ کر جامعہ عثمانیہ لے گئے ہیں۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ کس طرح ان کا پتا کروایا جائے کہ تھوڑی ہی دیر میں بھائی صاحب ایک غیر از جماعت لڑکے کے ساتھ سائیکل پر سوار وہاں پہنچ گئے اور چند منٹ رکنے کے بعد اسی لڑکے کے ساتھ شہر کو روانہ ہو گئے تا کہ چند معتبر دوستوں کو ساتھ لے کر انتظامیہ کو حالات سے آگاہ کیا جائے۔ انتظامیہ کو ملے مگر وہاں سے ان کو کوئی تسلی بخش جواب نہ مل سکا۔ چونکہ حالات خراب تھے اس لیے وہ میرے پاس واپس آنے کی بجائے احمدی دوستوں کے ہمراہ ہی چلے گئے۔ رات ان کے پاس ہی گزاری۔ دوسری طرف بھائی صاحب کا مکان شہر میں واقع تھا۔ ایک غیر احمدی دوست کو بھجوا کر ان کی خیریت دریافت کی۔ پتا چلا کہ بچے خیریت سے ہیں اور وہ حکیم محمود احمد صاحب کے گھر چلے گئے ہیں جہاں سے تانگہ بھجوا کر میں نے بچوں کو اپنے پاس نواں شہر بلا لیا۔ صبح سویرے بھائی صاحب بھی میرے پاس پہنچ گئے۔ صبح جمعۃ المبارک کا دن تھا۔ شہر میں جلوس نکلا جس نے بھائی صاحب کے مکان سے سامان لوٹنے کے بعد اسے نذر آتش کر دیا۔

پولیس کی آمد اور کارروائی

اسی اثناء میں پتا چلا کہ پولیس آگئی ہے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ پہلے جلوس کی آمد پر پولیس نے نہ کوئی کارروائی کی اور نہ ہی پرواہ کی اور جب کچھ شر پسند زخمی ہوئے تو پولیس بھی موقع پر آگئی۔ میں اس ہنگامے کے وقت ایک دوست

سے کھڑا باتیں کر رہا تھا کہ کسی آدمی نے پیچھے سے آ کر کسی ڈنڈے کے ساتھ میرے سر پر ضرب لگائی۔ گو یہ ضرب بہت زوردار قسم کی تھی لیکن خدا تعالیٰ نے مجھے حوصلہ دیا اور میں اپنے پیروں پر کھڑا رہا۔ تھوڑی دیر بعد پولیس مجھے اور میرے بھائی کو پکڑ کر چوک پر لے آئی جہاں اسسٹنٹ کمشنر صاحب کی گاڑی آئی۔ خود اسسٹنٹ کمشنر صاحب تو گاڑی میں موجود نہ تھے۔ گاڑی میں ان کا سٹینو بیٹھا ہوا تھا اور یہ شخص میرا ہمسایہ بھی تھا۔ تھانیدار نے میرے متعلق ان سے کہا کہ اس شخص کو ہسپتال پہنچانا ہے۔ گاڑی کے ڈرائیور نے تو لے جانے سے انکار کر دیا لیکن سٹینو ناراض ہوا اور کہنے لگا کہ گاڑی تمہارے باپ کی نہیں بلکہ سرکاری ہے اور ساتھ ہی مجھے گاڑی میں بیٹھنے کو کہا۔ وہ خود بھی ساتھ گیا اور یہ لوگ ہمیں ہسپتال میں چھوڑ آئے۔ پولیس کے چار آدمی بھی ساتھ ہی ہسپتال پہنچ گئے۔ ہسپتال میں تین دن ہوئے تھے۔ ہم پٹی کروا رہے تھے کہ میں نے وہاں ایک دیہاتی آدمی کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ اس نے مجھ سے آ کر میرا نام دریافت کیا۔ نام بتانے پر وہ کہنے لگا کہ میں ربوہ سے آیا ہوں اور اپنی آمد کی وجہ یہ بتائی کہ اسے باجوہ صاحب (ظہور احمد باجوہ ناظر امور عامہ) نے ربوہ سے یہ پیغام دے کر بھجوایا ہے کہ اگر ہم بچے ربوہ بھجوانا چاہیں تو وہ انتظام کروا دیتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہم بخیریت ہیں اور یہیں پر ٹھیک ہیں۔ پولیس نے ہم پر جو کیس بنائے یعنی 24-24 دفعات لگائی، اس کی ہم نے ضمانت کروالی۔ ایک مضروب کو زیر مشاہدہ رکھا گیا تھا۔ اس آدمی نے مجھے دو خط بھی دیئے جن میں سے ایک مجسٹریٹ صاحب کے لیے تھا اور دوسرا سرکاری وکیل کے لیے۔

رجوع عدالت اور ہسپتال سے رخصت

سرکاری وکیل کی رہائش شہر میں تھی۔ دوسری صبح میں نے ایک سپاہی کو کہا کہ میں سرکاری وکیل کو ملنا چاہتا ہوں۔ وہ سپاہی میرے ساتھ ہو لیا۔ ان کے مکان پر پہنچے تو سرکاری وکیل صاحب عدالت جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ سلام دعا کے بعد میں نے ان سے کہا کہ میں آپ سے تنہائی میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ وہ باہر نکلے تو میں نے انہیں باجوہ صاحب کا رقعہ دے دیا۔ سرکاری وکیل نے مجھ سے دریافت کیا کہ سب قصہ کیا ہے۔ میں نے حالات بتائے اور یہ بھی بتایا کہ 25-24 دفعہ کی ہم نے ضمانت کروالی ہے۔ لیکن زیر مشاہدہ رکھے گئے مریض کی رپورٹ کے متعلق آپ کی خدمت درکار ہوگی۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ دوسرا خط بنام مجسٹریٹ میرے پاس ہی رہا۔ تین چار دن بعد شر پسند لوگوں نے جھنگ شہر میں دوبارہ شرارت کی جس پر ہم نے بھی ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی کہ ہمیں چھٹی دے کر فارغ کر دیں تا کہ ہم گھر پر رہ کر اپنے بچوں کی حفاظت زیادہ بہتر طریقے سے کر سکیں۔

اس لیے بھی کہ ہمیں گھر پر متعین کی گئی پولیس گارڈ پر بھی مکمل بھروسہ نہیں تھا۔ ڈاکٹر نے ایک دفعہ حامی بھر لینے کے بعد جواب دے دیا کہ میں آپ کو فارغ نہیں کر سکتا۔ اسی شام محترم ملک محمد اقبال صاحب تحصیلدار وہاں تشریف لائے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ آپ کوشش کر کے مجھے ہسپتال سے چھٹی لے دیں۔ انہوں نے اسی وقت ٹیلی فون پر اسسٹنٹ کمشنر صاحب سے بات کی اور مجھے ہسپتال سے فارغ کروا دیا۔ تحصیلدار صاحب نے خود ہی ہم کو گھر بھی پہنچا دیا۔ جو پولیس کی نفری ہسپتال میں میرے ساتھ تھی اسے ہم نے ساتھ ہی رکھا اور گھر پر متعین گارڈ کو ہم نے واپس بھجوا دیا۔ انہی دنوں غیر از جماعت دوست سلطان علی پٹواری نے ہمیں آ کر بتایا کہ باہر حالات بہت خطرناک ہو چکے ہیں۔

حملہ کی ہنگامی صورت

دونوں کے مکانوں پر پتھراؤ کیا گیا لیکن وہ مزید کسی نقصان سے محفوظ رہے۔ جمعہ کی نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ ہم جمعہ کی تیاری میں مصروف تھے کہ ایک جلوس نعرے بازی کرتا ہوا میرے مکان پر پہنچ گیا۔ انہوں نے دروازہ پر ضربیں لگانا شروع کر دیں اور یوں محسوس ہونے لگا کہ دروازہ ٹوٹنے کے قریب ہی ہے اور جلوس کے شرکاء گھر میں داخل ہوا ہی چاہتے ہیں۔ ہم دونوں بھائی دوڑے، میرے ہاتھ میں کسی آئی اور بھائی صاحب نے جلدی سے نلکے کی ہتھی اُتار کر پکڑ لی۔ ہم دونوں دروازہ کے سامنے آ گئے۔ جلوس وہاں سامنے ہی تھا۔ کچھ دیر تو تلخ کلامی کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر بھائی صاحب نے اپنے دفاع کے لیے جلوس والوں پر جوابی حملہ کر دیا اور میں ان کے دفاع کے لیے آگے بڑھا۔ جو لوگ بیٹھک میں داخل ہو چکے تھے ان کو باہر نکال دیا گیا اور پھر ہم اپنی پہلی

پوزیشن پر واپس آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد دوبارہ کافی سارے شر پسند بیٹھک میں جمع ہو گئے۔ ہماری ان کے ساتھ تلخ کلامی ہوتی رہی۔ ان کے اشتعال پر بھائی صاحب نے دوبارہ ان پر حملہ کر دیا۔ اس دفعہ حملہ بھرپور تھا۔ بیٹھک کے کونے میں قریباً دس افراد کو ہم نے گھیرے میں لے لیا اور ان میں سے کئی زخمی کر دیئے۔ ظاہر ہے کہ یہ حملہ مکمل طور پر یکطرفہ نہ تھا اس لیے ہم کو بھی چوٹیں آئیں۔ ایک آدمی نے کوشش کر کے ہمارے اس گھیرے کو توڑ کر بھاگنے کی کوشش کی میں نے اس پر کسی کا بھرپور وار کیا۔ یہ ضرب خاصی شدید تھی جس سے وہ تیورا کر دروازے کے باہر جا کر گرا۔ اسے بلوائیوں نے فوراً وہاں سے اٹھا کر ہسپتال تک پہنچایا۔ اب دروازہ کی طرف سے تو جلوس والے داخل نہ ہو سکتے تھے سو لوگ ہمارے گھر کی اور ارد گرد کے مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور وہاں سے خشت باری شروع کر دی۔ میں نے دروازہ پر رہ کر شر پسندوں کو اندر داخل ہونے سے روکے رکھا اور بھائی صاحب اینٹوں کا جواب دیتے رہے۔ وہ خود انٹیں لگنے سے کافی زخمی بھی ہوئے۔

واقعہ بستی وریام

سلطان علی پٹواری میرے پاس آیا اور بضد ہوا کہ وہ ہم سب کو اپنے ساتھ بستی وریام لے کر جائے گا۔ میں نے بہت انکار کیا لیکن اس نے جیپ منگوالی اور ہمیں چلنے کو کہا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ گھر کی حفاظت کے لیے میں گھر پر ہی رہوں گا اور بھائی صاحب سب بچوں سمیت اس کے ساتھ وہاں چلے جائیں۔ دوسری صبح مہر بشیر احمد صاحب کملانہ کو، جو کہ بستی وریام کے ایک مخلص احمدی زمیندار ہیں اس کا علم ہوا تو وہ خود اور ان کی بیگم سلطان علی پٹواری کے گھر آئے اور وہاں سے ہمارے بچوں اور بھائی صاحب کو بضد ہو کر اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے۔ ان دنوں میں خود بھی مختلف اوقات میں بستی وریام کا چکر لگاتا رہا۔ حالات کچھ بہتر ہوئے تو تحصیل میں بھی آنا جانا شروع ہوا۔ کچھ روز بعد تھانے دار نے مجھے بلایا اور درخواست کی کہ میں تھوڑی دیر کے لیے بھائی صاحب کو ہمراہ لے کر تھانے کا ایک چکر لگا لوں اور اسے ملوں۔ دوسرے روز میں بھائی صاحب کو ساتھ لے کر تھانے پہنچا تو تھانیدار نے بغیر کچھ بتائے سنے ہم دونوں کو حوالات میں بند کر دیا۔ بعد میں علم ہوا کہ جس مضروب کو زیر مشاہدہ رکھا گیا

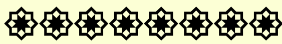


قطعات

(خواجہ عبدالمومن۔ناروے)

جن کو ملتا ہے خلافت کا مقام
چاہتے ہیں دل سے وہ سب کا بھلا
خوابِ غفلت سے جگاتے ہیں ہمیں
اپنی تقریروں سے ہم کو وہ سدا

ہمیں بخشی ہے مولیٰ نے خلافت آسمانی بھی
دکھائی ہے ہمیں مولیٰ نے اس کی کامرانی بھی
خلافت نے ہمیں ہر اک اندھیرے سے نکالا ہے
خلافت کی ہی برکت سے ملی ہے شادمانی بھی



تھا اس کی رپورٹ آنے پر یہ کام کیا گیا ہے۔ ایک رات ہم نے وہیں حوالات میں گزاری اور صبح چونکہ مجسٹریٹ کے روبرو ہمیں پیش کرنا تھا اس لیے ہمیں عدالت میں لے گئے۔ اسسٹنٹ کمشنر نے ہمارا وہ چالان فیصل آباد بھجوا دیا اور ہم دونوں بھائیوں کو بھی سنٹرل جیل آف فیصل آباد بھجوانے کا حکم دے دیا۔ جب ہم سنٹرل جیل فیصل آباد پہنچے تو ہمیں وہاں مزید 18 احمدی احباب بھی ملے جو سب کے سب فیصل آباد ہی کے تھے۔ ہمیں بھی ان کے ساتھ جیل کے سیاسی سیل میں جگہ دی گئی۔ دوسری طرف ہم اپنے گھر والوں کو یہ اطلاع بھی نہ کر سکے تھے کہ ہم دونوں بھائی کہاں ہیں۔

امداد مہر بشیر احمد صاحب کملانہ

گھر والوں کو ہمارے ان حالات کا علم اس طرح ہوا کہ چونکہ بھائی صاحب کافی دنوں سے بستی وریام میں ہی رہ رہے تھے اس لیے وہاں کے رہنے والے لوگ ان سے بخوبی آشنا تھے۔ جب ہم کو پولیس فیصل آباد لے جا رہی تھی اور ہمارے بازوؤں میں ہتھکڑیاں پڑی ہوئی تھیں اس وقت بستی ور

یام جا کر سب کو اس بات کی اطلاع کی۔محترم مہر صاحب کو بھی اس واقعہ کی خبر ملی۔مہر صاحب نے اپنے ایک آدمی کو صحیح حالات دریافت کرنے کے لئے بھجوایا۔یہ تفصیلاً سب باتیں معلوم کرنے کے بعد واپس محترم مہر صاحب کے پاس پہنچا۔بچے تو چونکہ بستی وریام میں ہی تھے اس لیے اس آدمی نے ہمارے گھر پر موجود ایک احمدی دوست اور وہاں پر متعین پولیس کے سپاہی سے سب حالات معلوم کیے۔

دوسری صبح مہر بشیر احمد صاحب کملانہ شورکوٹ آئے اور ہماری ضمانت کے لیے درخواست دے دی۔انہوں نے اسسٹنٹ کمشنر صاحب سے گلہ بھی کیا جنہوں نے جواب دیا کہ دباؤ کی وجہ سے یہ کام مجبوری بن گیا تھا اور ساتھ ہی دوسرے دن کی تاریخ دے دی۔سپرنٹنڈنٹ صاحب جیل انتہائی شریف النفس انسان تھے۔وہ دوسرے روز شام کو جیل میں گشت کے لیے تشریف لائے۔ہم سے سب حالات دریافت کیے اور ضمانت کا تذکرہ ہوا تو کہنے لگے کہ جس وقت بھی آپ کی ضمانت ہو جائے خواہ وہ آدھی رات کا وقت ہی کیوں نہ ہو میں آپ کو اسی وقت فارغ کر دوں گا۔واپس ہوئے تو راستہ میں کچھ سامان یعنی بیلچے وغیرہ پڑے ہوئے تھے جس سے دن بھر جوانوں سے مشقت لی گئی تھی۔یہ سامان دیکھ کر انہوں نے فوری طور پر سوال کیا کہ یہ سب کیا ہے؟

ضمانت

صاحب مذکور نے جیل کے ملازمین کو حکم دیا کہ یہ سب سامان فوراً یہاں سے اٹھا لیا جائے اور یہ حکم بھی صادر فرمایا کہ آئندہ سوائے پہرے دار اور روٹی پہنچانے والے ملازم کے جیل کے عملہ کا کوئی آدمی ادھر نہیں آئے گا۔تیسرے روز فیصل آباد کے احمدیوں میں سے سولہ افراد کی ضمانتیں منظور ہو گئیں۔دو نو جوان فیصل آباد کے اور دو بھائی ہم وہاں رہ گئے۔شام کو صاحب آئے اور کہنے لگے کہ چونکہ یہاں ایک سیاسی قیدی آ رہا ہے اس لیے یہ حصہ خالی کرنا پڑے گا۔ہم آپ چاروں کو کوئی اور مناسب جگہ دے دیتے ہیں۔بعد میں پتا چلا کہ یہ حصہ ہم سے عطاء اللہ مینگل (سابق وزیر اعلیٰ بلوچستان) کے لیے خالی کروایا گیا تھا۔جیل کے ایک جانب ایک خالی بیرک تھی جس کے ساتھ چھوٹی چھوٹی کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں۔ہمیں وہاں منتقل کر دیا گیا۔انہوں نے ہمیں اجازت دی کہ ہم چاہیں تو علیحدہ علیحدہ رہ لیں اور اکٹھے رہنا چاہیں تو اکٹھے رہ لیں ہم نے اس وقت اکٹھے رہنے کو ہی ترجیح دی۔ان کوٹھیوں کے گرد کھلی چار دیواری تھی۔دو راتیں ہم نے یہاں گزاریں۔جس روز ہماری ضمانت ہوئی میں دو پہر کو سو رہا تھا کہ خواب میں تحصیل شورکوٹ کے ایک چپڑاسی کو دیکھا جس کا نام مجھے یاد نہیں اور اب وہ ریٹائرڈ ہو چکا ہے۔وہ اٹھو بشیر کہتا ہوا میرے سرہانے کی طرف آیا اسی وقت میری آنکھ کھل گئی۔میں نے گردن گھما کر دیکھا تو پیچھے دیوار تھی۔تب میں نیند سے اٹھا اور باہر صحن میں چلا گیا۔اس وقت میری زبان پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مصرعہ جاری تھا۔

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہو

سپرنٹنڈنٹ جیل کی خصوصی نوازش

نماز ظہر کی ادائیگی سے پہلے ہی جیل میں قیدیوں کو کھانا مل جاتا تھا۔کھانا کھا کر ہم نماز کے لیے کھڑے ہو ہی رہے تھے کہ جیل کے ملازم نے بآواز بلند ہمارا نام پکارا اور کہا کہ آجاؤ تمہاری ضمانت ہوگئی ہے۔ہم نے کہا کہ ہمیں نماز ادا کر لینے دو مگر وہ کہنے لگا کہ اب یہ نماز بھی جیل سے باہر آزاد فضا میں ہی ادا کرنا۔ضمانت کے متعلق جیل کی مروجہ محکمانہ کارروائی سے ہم غروب آفتاب کے وقت فارغ ہوئے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ محترم سپرنٹنڈنٹ صاحب جیل نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا اسے ہر صورت میں نبھایا۔مہر بشیر احمد صاحب کے ذریعہ جب ہماری ضمانت کے کاغذات دستی طور پر جیل میں پہنچے تو اس وقت دفتر کا وقت ختم ہو چکا تھا اور سپر نٹنڈنٹ صاحب واپس اپنی رہائش گاہ پر تشریف لے جا چکے تھے۔جیل کے دوسرے عملہ نے ان کاغذات پر دو اعتراض کیے۔

اول: کاغذات دستی کیوں لائے گئے ہیں۔دوم: وقت ختم ہو چکا ہے۔اس لیے صبح آئیں۔

تب محترم مہر صاحب سپرنٹنڈنٹ صاحب کی رہائش گاہ پر چلے گئے۔صاحب حسب وعدہ اسی وقت دفتر تشریف لے آئے اور ضروری کارروائی کے بعد ہمیں فارغ کر دیا۔اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے نیک کام کے صلہ میں جزائے خیر دے۔آمین

خدا کے پیاروں کے خون کے دھبے برساتوں سے نہیں دُھلتے

کابل کی سرزمین پر حضرت صاحبزادہ عبدالطیفؓ کی شہادت سے بھی پہلے ارہاص مسیح موعودؑ پر ہونے والے ظلم کی داستان۔

(تحریر ذوالکفل اصغر علی بھٹی)

خدائی مشیت سے کابل سے پنجاب بھیجے جانے والے بزرگ کے حالات زندگی، الہامات کی تفصیل اور آسمانی نور سے بدنصیب رہ جانے والی اولاد کی کربناک داستان

وجہ تحریر مضمون

بتانے والے بتاتے ہیں کہ جولائی 1974 میں فیض صاحب، بنگلہ دیش بننے کے بعد پہلی بار ڈھاکہ سے ہو کر واپس اسلام آباد پہنچے تو ائرپورٹ پہ صحافیوں نے روک لیا۔ ایک صاحب نے بہت ضد کی کہ کچھ کلام سنا دیں۔ فیض صاحب نے پہلے تو ٹالنے کی کوشش کی مگر اصرار کرنے پہ وہ اپنے تازہ شعر سنائے جو انہوں نے ڈھاکہ چھوڑنے کے بعد جہاز میں بیٹھ کر لکھے تھے

پھر بنیں گے آشنا کتنی ملاقاتوں کے بعد
ہم کہ ٹھہرے اجنبی اتنی مداراتوں کے بعد
خون کے دھبے دھلیں گے کتنی برساتوں کے بعد
کب نظر میں آئے گی بے داغ سبزے کی بہار

فیض صاحب نے یہ جو ڈھاکہ کے بارہ میں لکھا یقیناً وہ بھی تاریخ کا ایک انمٹ باب ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ کابل کے حوالہ سے یہ اشعار حقیقت سے زیادہ قریب نظر آتے ہیں۔ وہ کابل کی سرزمین جس کے چند منہ زور حکمرانوں نے، چند مغرور مذہبی پیشوائیت کی مدد سے،، امام آخرالزماں کی آمد سے پہلے بھی اور آنے کے بعد بھی، جس طرح خون ناحق کے دھبوں سے دھرتی رنگین کرنے کی بدرسم کا فخریہ آغاز کیا تھا، وہ دھبے نہ کبھی دُھلے ہیں اور نہ کبھی دُھلیں گے۔ بلکہ اور گہرے ہوتے چلے جا رہے ہیں بلکہ حرماں نصیبی کی معراج یہ ہے کہ یتیموں اور بیواؤں کی بڑھتی آبادیوں کے پھیلاؤ کو روکنے کی بجائے خُون کو خُون سے ہی دُھونے کا مکروہ رواج جاری ہوگیا ہے۔

گزشتہ کئی دہائیوں سے مسلسل خون سے سینچی جانے والی اِس سرزمین پر کوئی نہیں ہے جو رُک کر سوچ سکے کہ آخر وہ کون سا مقام تھا جہاں سے ہم اپنی منزل پر جانے والا رستہ کھوٹا کر بیٹھے اور مسلسل بدامنی اور بے سروسامانی کی انتہا سے بدنصیبیوں کی اک مثال بن گئے؟۔ آخر وہ کیا وجہ ہے جو اتنی برساتیں گزرنے پر بھی خُون کے دھبے دُھلنے کا نام ہی نہیں لے رہے؟ بلکہ ہر برسات سے پہلے اور گہرے ہوتے جاتے ہیں۔ آیئے اس بدنصیب سرزمین پر ڈیڑھ صدی پیچھے جا کر اُن دلفگار حقائق سے آگاہی حاصل کرتے ہیں جنہوں نے افغانستان کی سرزمین کو خدا کی نظروں سے گرا دیا۔ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کے بعد 1901 میں حضرت مولوی عبدالرحمٰن 1903 میں حضرت صاحبزادہ عبدالطیف اور 1924 میں حضرت مولوی نعمت اللہ خان صاحب جیسے فرشتہ سیرت انسانوں کو پتھر مار مار کر سنگسار کیا تو آپ کی آمد سے قبل ایک ولی کامل اور ارہاص حضرت مسیح موعود علیہ السلام یعنی حضرت عبداللہ غزنویؒ پر مظالم سے اپنی اِس بدنصیبی کا آغاز کیا۔

تعارف حضرت عبداللہ غزنویؒ ارہاص حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود ان کا تعارف کرواتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں

”ایک بزرگ غایت درجہ کے صالح جو مردان خدا میں سے تھے اور مکالمہ الٰہیّہ کے شرف سے بھی مشرّف تھے اور بمرتبہ کمال اتباع سُنّت کرنے والے اور تقویٰ اور طہارت کے جمیع مراتب اور مدارج کو ملحوظ اور مرعی رکھنے والے

تھے اور اُن صادقوں اور راستبازوں میں سے تھے جن کو خدائے تعالیٰ نے اپنی طرف کھینچا ہوا ہوتا ہے اور پرلے درجہ کے معمور الاوقات اور یاد الٰہی میں محو اور غریق اور اسی راہ میں کھوئے گئے تھے جن کا نام نامی عبداللہ غزنوی تھا۔''

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 143)

یہ صالح بزرگ رہنے والے تو افغانستان کے تھے لیکن وہاں ان کی اتنی مخالفت ہوئی کہ حاسد دشمنوں نے ان کا جینا مشکل کر دیا۔ اور یہ پنجاب چلے آئے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مصلحت ایزدی ان کو وہاں سے پنجاب میں لائی تھی۔ کیونکہ پنجاب سے ایک نور ظاہر ہونے والا تھا اور تقدیر خداوندی تیاری کر رہی تھی کہ ایسے بزرگان دین اور ملہمین، کہ ایک خلقت جن کی مرید اور مداح ہو وہ اس نور کی گواہی دیتے ہوئے ان کو تیار کریں۔ اور ان بزرگان میں سے ایک ارہاص یہ بزرگ حضرت مولوی عبداللہ غزنوی صاحبؒ بھی تھے۔ جیسا کہ ایک جگہ حضورؑ نے خود فرمایا: ''مجھے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبداللہ غزنوی اس نور کی گواہی کے لئے پنجاب کی طرف کھنچا تھا۔ اور اس نے میری نسبت گواہی دی''۔ (نزول المسیح روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 615)

ایک دوسری جگہ آپؑ نے انہیں اپنا ارہاص بھی قرار دیا چنانچہ فرمایا: ''میں اُن کو اپنے اس منصب کے لئے بطور ارہاص کے سمجھتا تھا یا جیسا کہ یحییٰ عیسیٰ کے پہلے ظاہر ہوا............'' (حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 251)

ولادت اور ابتدائی حالات

والدین نے آپ کا نام محمد اعظم رکھا تھا مگر آپ نے اپنا نام عبداللہ رکھ لیا۔ آپ 1811ؑ میں افغانستان کے شہر غزنی میں موضع بہادر خیل میں افغان قوم کی مشہور نسل ککے زئی میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم والدہ سے حاصل کرنے کے بعد مزید علوم اسلامیہ کے لئے شیخ حبیب اللہ قندھاری کی خدمت میں قندھار تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ تک دہلی میں رہ کر مولوی نذیر حسین دہلوی سے درس حدیث بھی لیا مگر 1857 کا سانحہ ہونے کی وجہ سے اپنے وطن کابل لوٹ گئے۔

الہامات اور رویا کشوف کا آغاز

جب آپ ابھی لڑکپن ہی میں تھے اور الہام کی کیفیت کو بھی نہ سمجھتے تھے ایک دن اپنے دادا محمد شریف کی قبر پر دعا کر رہے تھے تو آپ کو الہام ہوا۔ لاالٰہ غیرك۔ آپ فرماتے ہیں ''اُس وقت میں نے غلطی کی اور میں نے خیال کیا کہ یہ ورد مجھ کو وظیفہ کرنے کے لئے سکھایا گیا ہے۔ اب میں نے جان لیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے الہام تھا کہ میرے سوا دوسرے کی طرف رجوع کرنا عبادت اور استعانت میں شرک ہے''

(سوانح عمری مولوی عبداللہ الغزنوی المرحوم باہتمام عبدالغفور وعبدالاول پسران مولوی محمد بن مولوی عبداللہ غزنوی مطبع القرآن والسنۃ واقع امرتسر صفحہ 3)

مخالفت کا آغاز

آپ پر الہامات کثرت سے نازل ہونا شروع ہو گئے اور آپ نے ان کی روشنی میں توحید خالص اور بدعات کے خلاف دروس دینا شروع کر دیئے۔ پھر کیا تھا وہ علماء جو آپ کے چہرہ کو دیکھنے کے لئے بے تاب رہا کرتے تھے ایک دم سے مخالفت پر اتر آئے۔ آپ کے سوانح نگار لکھتے ہیں ''بس پھر تمام لوگ دشمن بن گئے اور انہوں نے مخالفت کا جھنڈا اٹھا لیا۔ آپ کے ملک میں سب لوگ کیا خاص اور کیا عام شرک اور بدعتوں اور رسموں میں مبتلا تھے اور عالم ومشائخ اسی کو دین سمجھتے تھے۔ آپ کو غیب سے کبھی الہام کے ساتھ اور کبھی خواب میں ان کاموں سے سختی سے روکا جاتا اور کتاب وسنت کی ترغیب دی جاتی۔ آپ حیران ہوتے کہ کس طرح سے یہ امر انجام پذیر ہوگا جب جب یہ خیال کرتے تو غیب سے تاکید آئی سنیسرك لليسرىٰ کا مضمون الہام ہوتا'' (صفحہ 5)

ملاؤں نے آپ کو وہابی اور کبھی مبتدع مشہور کرنا شروع کر دیا (صفحہ 8)

مولوی عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بارک اللہ اس وقت کے مشہور عالموں میں سے تھے آپ ان سے صحبت حاصل کرنے کے لئے ملک پنجاب سے سفر کر کے غزنی تک جو دو ماہ کی مسافت ہے گئے مگر راستے میں اُنہوں نے آپ کے مخالفوں سے کچھ کلمات سنے تو سخت حیران ہوئے۔ اُسی رات ان کو یہ الہام ہوا فورب السماء والارض انه لحق مثل ما انكم تنطقون پھر دوسری بار الہام ہوا فانه عندنا لمن المتقين الاخيار تیسری بار الہام ہوا ان هو الا عبد انعمنا عليه۔

ختم نبوت کا منکر ہے یعنی نبوت کا دعوے دار ہے اور دو دفعہ غزنی

سے ملک بدری

''جب آپ دوسری دفعہ قندھار سے مراجعت کر کے اپنے ملک پہنچے اور مخالفوں سے کچھ نہ بن سکا تو ناچار وقت کے حاکموں کے پاس شکائت کی اور قسم قسم کے بہتان اور جھوٹ آپ پر باندھے۔اور بعض رئیسوں کی وساطت سے امیر کے گوش مدہوش میں یہ بات ڈلوادی کہ اس شخص کو اگر ایک سال تک ایسا ہی چھوڑ دو گے تو تمہارے ملک اور بادشاہی کو خراب کر دے گا۔اور سلطنت میں ایک خلل ڈال دے گا۔۔آپ نے مناسب سمجھا کہ اس سے پہلے کہ امیر طلب کرے ہم خود کابل جاویں اور مخالفون سے بحث کریں۔چنانچہ کابل میں امیر دوست محمد خان کے پاس چلے گئے۔۔سینکڑوں علماء جمع تھے۔۔دونوں فریق امیر کی مجلس میں حاضر ہوئے۔مخالفین بولے اس شخص کے ساتھ ہماری کچھ گفتگو اور مناظرہ نہیں ہے کیونکہ پختہ گواہوں کے ساتھ ہم ثابت کر دیتے ہیں کہ یہ شخص ایسے کلمات بولتا ہے جس سے اس کا کافر اور مرتد ہونا لازم آتا ہے ۔۔جھوٹے گواہوں نے گواہی دی کہ یہ شخص آنحضرت ﷺ (کی ختم نبوت) کا منکر ہے اور شفاعت کا منکر اور نبوت کا دعوی کرنے والا ہے(اپنے الہامات بیان کرنے کی وجہ سے)اسی طرح اور بہت باتیں سنائیں۔امیر شہر کابل نے سننے کے بعد کہا کہ تم اس ملک سے چلے جاؤ اور شہر کابل سے آپ کو نکال دیا۔۔یوں آپ امیر دوست محمد خان کے حکم سے سواد بنیر پہنچے اور وہاں سے کوٹھ (ٹوپی) میں اور وہاں سے ہزارہ میں۔اور وہاں سے دہلی چلے آئے ۔یہاں آپ غدر کے زمانہ تک رہے بعد میں آپ پنجاب میں ڈیرہ اسماعیل خان چلے آئے۔پھر کچھ عرصہ بعد اس خیال سے کہ شائد اب امیر دوست محمد خان بدل گیا ہوگا اپنے وطن غزنی لوٹ آئے مگر ابھی واپس لوٹے ایک ماہ بھی نہ ہوا تھا کہ یکا یک امیر دوست محمد خان کے سوار آپ کے دوبارہ اخراج کا پروانہ لے کر پہنچ گئے۔

آپ غزنی سے ملک بدر ہو کر ملک ناوہ چلے گئے مگر آپ کے پہنچتے ہی علماء شہر نے لشکر اکٹھا کیا اور آپ پر حملہ کر دیا۔آپ کا اسباب اور کتابیں لوٹ لیں۔ ادھر امیر دوست محمد خان کا اس بستی سے بھی نکل جانے کا حکم نامہ پہنچ گیا۔ناچار آپ اہل وعیال سمیت یاغستان کے پہاڑوں میں پہنچ گئے۔مگر ملک ناوہ کے علماء نے اپنے لشکر سمیت یہاں بھی آپ کا پیچھا کیا اور آپ کے گھروں کو آگ لگا کر جلا دیا۔حاصل کلام آپ برے عالموں اور ظالم حاکموں کے ہاتھ سے جور اٹھاتے دیہ بدیہ (گاؤں گاؤں) اور کوہ بکوہ پھرتے رہے اور جس جگہ پہنچتے وہاں کے لوگ آپ کے مخالف ہو جاتے اور وہاں سے نکال دیتے''

(بسوانح عمری مولوی عبداللہ الغزنوی المرحوم باہتمام عبدالغفور وعبدالاول پسران مولوی محمد بن مولوی عبداللہ غزنوی مطبع القرآن والسنۃ واقع امرتسر صفحہ 9/10 /11/13)

امیر کابل کی وفات اور اس کے بیٹے کو خط اور غار میں پناہ اور قرآنی آیات الہام

امیر کابل دوست محمد خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا شیر علی خان تخت نشین ہوا تو آپ نے ایک خط اس کو لکھا'' میں مظلوم ہوں اور حاسدوں کے افتراء اور تہمت کے ساتھ تمہارے باپ نے مجھ کو اپنے ملک سے بدر کر دیا تھا تم اس کام میں اپنے باپ کی تابعداری نہ کرو۔'' امیر نے جواب میں لکھا کہ'' میں ایک شخص کی تمام رعایا کے خلاف رعائت نہیں کر سکتا۔تم کو لازم ہے کہ ہماری ولائت سے باہر ہو جاؤ'' آپ حیران ہوئے کہ اب کس طرف جاؤں اور کوئی جگہ بھاگنے کی نہ دیکھی تو جنگل کی کسی غار میں اکیلے جا کر چھپ گئے اور کچھ مدت تک پوشیدہ رہے ان دنوں میں قرآن کریم کی یہ آیت آپ کو بار بار الہام ہوئی

{فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ} (الأنعام 46)

ترجمہ:پس کاٹ دی گئی اس قوم کی جڑ جنہوں نے ظلم کیا تھا اور سب حمد اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا ربّ ہے 46

اور پھر یہ شعر بھی الہام ہوا

''ای مدعی پیچ کہ سر پیچ میشوے
من سبزہء دمیدہ زبستان کیستم

پھر چند دنوں بعد ہی اس کی سلطنت الٹ پلٹ ہوگئی اور اس کا اقبال ادبار کے ساتھ بدل گیا۔اور وہ اپنی سلطنت سے جدا ہو کر ہرات چلا گیا''(ص 14)

نیا حاکم مگر پھر وہی دین فروش مولویوں کی شکایات مناظرہ اور بدترین تشدد

شیر علی خان کے بعد محمد افضل خان اور پھر محمد اعظم خان تخت نشین ہوئے۔برے مولویوں دین فروش جاہ وعزت کے طالبوں اوردین وآخرت کے تارکوں نے پھروہی تہمتیں اورجھوٹ محمد افضل خان اورمحمد اعظم خان کے کانوں تک پہنچا دیں جس پر امیر افضل خان نے حکم دیا کہ'' مقر کے حاکم کے نام پروانہ لکھا کہ فلاں شخص کو بے خبر پکڑو۔خبردار ہاتھ سے جانے نہ پائے۔سردار محمد عمر نے اسی وقت ایک اسلحہ ارسواروں کا رسالہ رات رات بھیج دیا جنہوں نے آدھی رات کے قریب مکان کا احاطہ کرلیا۔انہوں نے آپ کو پکڑ لیا اورآپ کو اورآپ کے تمام اسباب اور کتابوں کو ملک کے صوبہ دار محمد عمر خان پسر امیر دوست محمد خان کے پاس لاکر حاضر کردیا۔۔۔سردار محمد عمر کے جرنیل نے کہا کہ اس شخص کو میرے ہاتھ دو میں اس کو توپ سے اڑادوں۔مگر صوبہ دار نے کہا کہ آپ یہ راستہ چھوڑ کیوں نہیں دیتے جو کچھ وقت کے مولوی کرتے ہیں آپ بھی ان کے ساتھ شریک ہوجاؤ۔آپ نے جواب میں فرمایا مجھ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ کتاب وسنت کو جاری کروں مجھ کو بارہا الہام ہوا ہے

یاعبدی هذا کتابی فاقرء کتابی علیٰ عبادی

یعنی اے میرے بندے یہ میری کتاب ہے پس پڑھ میری کتاب میرے بندوں پر اور یہ بھی الہام ہوتا ہے

{وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ} (البقرۃ121)

میں محکم قصد اور مصمم ارادہ رکھتا ہوں جب تک جان بدن میں ہے اورسر تن پر کتاب وسنت کی خدمت مین نہائت سرگرمی سے کوشش کروں گا۔ یہ مصیبتیں کیا ہیں جو مجھ پر آتی ہیں میں تو اپنے مالک سے یہی چاہتا ہوں کہ اس راہ میں پارہ پارہ کیا جاؤں اورمیری انتیاں اوررودے جنگل کے درختوں اور کانٹوں پر ڈالی جاویں اورپھر انکو وے اپنی چونچیں ماریں۔''ص 15

صوبہ دار پر ان باتوں کا بہت اثر ہوا اسی وقت اس نے امیر افضل خان کے نام خط لکھا کہ حسب الحکم میں نے اس شخص کو گرفتار کیا مگر یہ شخص صالح اور فقیر ہے اوردنیا کے اسباب سے بالکل عاری ہے جو کچھ حکم ہوا رقام فرمادیں۔انہوں نے جواب لکھا کہ تمام احتیاط کے ساتھ شہر کابل میں ہمارے پاس انکو پہنچادیں''ص 16

منہ کالا کر کے داڑھی مونڈ کر گدھے پر سوار کر کے کوڑے مارنے کے احکامات

''ملا مشکی اور ملا نصر اللہ وغیرہ امیر افضل خان کے پاس گئے اور بولے کہ امیر دوست محمد خان کے عہد میں ہم اس کا کفر ثابت کر چکے اب دوبارہ تحقیق کی حاجت نہیں۔سب نے متفق ہوکر قتل کا فتویٰ لکھا۔ملا مشکی جو کچھ انصاف رکھتا تھا اس فتویٰ میں شریک نہ ہوا۔بہت گفتگو کے بعد قتل کے فتویٰ کو چھوڑ دیا گیا اور یہ فتویٰ دیا کہ درے مارے جاویں اور سر اور داڑھی مونڈی جاوے اورمنہ کالے کئے جاویں اورگدھے پر سوار کرکے مشہور کیا جاوے''ص 16

''آپ کو سمیت تینوں بیٹوں کے تمام شہر میں مشہور کیا۔آپ کو سو کوڑوں سے زیادہ لگائے ہونگے۔تین آدمی نوبت بنوبت آپ کو مارتے جب ایک تھک جاتا تو دوسرا اسکے ہاتھ سے دُرہ پکڑ لیتا۔سب لوگوں کو یقین تھا کہ آج آپ فوت ہوجاویں گے کیونکہ آپ معمر اور ضعیف تھے اسی اثناء میں ایک ظالم بڑا زبردست آیا اور بڑے غصہ سے اس نے محتسب کے ہاتھ سے درہ چھین لیا اور بولا تو آہستہ آہستہ مارتا ہے اور زور زور سے مارنا شروع کیا جب اس نے بارہ درے مارے تو دوسرے لوگ بولے کہ اے ظالم تو نے انکو مارڈالا اور درہ ان کے ہاتھ سے چھین لیا۔۔۔جب وہ ظالم اس زدوکوب اور تشہیر سے فارغ ہوئے اور آپ کو سمیت بیٹوں کے قیدخانہ میں لے گئے۔۔۔اس واقعہ عظیمہ کے بعد آپ کو قرآن کریم کی یہ آیت الہام ہوئی

{وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا} (الإنسان13)

اوراس نے اُن کو بسبب اس کے کہ انہوں نے صبر کیا ایک جنت اور ایک قسم کے ریشم کی جزا دی (13)

آپ دو سال اپنے بیٹوں کے ساتھ قید رہے۔''ص 17و18

پھر نیا حکمران اور پھر سے نئی سزا

امیر افضل خان بعارضہ وبا مرگیا اس کی جگہ امیر اعظم خان تخت پر بیٹھا۔اس نے ملا خان عبدالرحمٰن کے بہکانے سے عین گرمی کے موسم میں پا پیادہ آپ کو بغیر زاد راہ پشاور کی طرف نکال دیا اور سخت دل سپاہیوں کو آپ کے ساتھ مقرر کیا کہ آپ کو بہت جلد پشاور پہنچاویں۔اوپر سے گرمی کی آگ برستی تھی اور نیچے

سے زمین کی تپش کے ساتھ پاوں جلتے تھے اور سنگدل سپاہیوں کی وجہ سے جو آپ کے پیچھے تھے آرام کی نوبت نہ ملتی تھی۔اس سفر میں آپ کے دو خادم آپ کے ساتھ تھے۔ایک ملا سفر نام اور ایک ملا مراد نام۔جب آپ چل نہ سکتے تو ملا سفر آپ کو اپنی پیٹھ پر اٹھا لیتا۔الغرض نہائت تکلیف کے ساتھ پشاور میں پہنچے۔
اسی اثناء میں آپ کو قرآن کریم کی یہ آیت کئی بار الہام ہوئی

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ} (الأنعام46)　اور اسی طرح یہ آیت بھی بار بار الہام ہوئی

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ} (السجدة23)

ابھی ایک ماہ بھی پورا نہ گزرا ہوگا کہ اس کی سلطنت نہ رہی اور ہزیمت کھا کر نکل گیا اور کوہ بکوہ سرگرداں وحیران پھرا کیا۔اور اس کے اہل وعیال جو عمر بھر کبھی باہر نہ نکلے تھے اس کے پیچھے ان کو بھی نکال دیا گیا۔امیر دوست محمد خان کے خاندان کو اللہ عزوجل نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ایسا پراگندہ اور منتشر کیا کہ گویا جَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ وَمَزَّقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ} (سبأ20) کے مصداق یہی ہیں"ص18و19

آپ پر یہ تکالیف کا دور پندرہ سال تک محیط رہا۔جب پشاور پہنچے تو کچھ دیر توقف فرمایا اور اس کے بعد بعض دوستوں کے استدعا سے ملک پنجاب کے شہر امرتسر میں تشریف لے آئے۔آخری عمر میں آپ بالکل خاموش ہو گئے اور بہت ہی ضروری بات کے سوا کلام نہ کرتے تھے جہاں تک کہ کہ آپ 15 ماہ ربیع الاول 1298 بمطابق 1879 میں آدھی رات کو 68 سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کو امرتسر میں دروازہ سلطان ونڈ کے باہر عبدالصمد کشمیری کے تالاب کے کنارے سپرد خاک کیا گیا(غزنوی خاندان تالیف عبدالرشید عراقی ناشر امام شمس الحق ڈیانوی پبلشرز کراچی ص44)

آپ کے الہامات وکشوف

آپ کے سوانح نگار مولوی عبدالجبار غزنوی لکھتے ہیں کہ "جو الہام اور خوابیں آپ کو کتاب وسنت پر ثابت رہنے اور خلق اللہ کو کتاب وسنت کی طرف بلانے اور تقویٰ اور توکل اور صبر اور خشیت اور زہد اور قناعت وترک ماسوی اللہ اور انابت اور آپ کے مقام امانت میں پہنچنے اور آپ کی حفظ اور نصرت اور مغفرت کے وعدہ پر ہوئی ہیں وہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک پہونچتی ہیں ان کے جمع کے لئے ایک بڑی کتاب چاہئے۔" صفحہ 20)

(1)۔تفسیر الحاف علی الکشاف کے باب میں تقدیر ومشیت وغیرہ ہما کے مسئلہ میں الہام ہوا من شذ شذ فی النار"صفحہ23)

2)۔ان دنوں شیخ عبدالقادر جیلانی کی محبت افراط کی حد کو پہونچی ہوئی تھی ۔ان دنوں میں الہام ہوا کہ صلوا علیه وسلموا تسلیما ص25

3)۔ایک دن الہام ہوا کہ" دینی مسائل کے استفسار میں اخوند حبیب اللہ قندھاری کی طرف رجوع کرنا لازم ہے" ص26)

4)۔سکندر پور کے باغ میں جو ہزارہ کے علاقہ میں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فجر کی نماز کے بعد یہ الہام ہوا کہ"

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ} (هود114)

اور ظالم کی تعریف ان لفظوں سے کرائی والظالمون هم الذين يخالفون عن امر ربهم ثم لا يتوبون یعنی ظالم وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ارشادوں کی مخالفت کرتے ہیں اور باز نہیں آتے اور جن لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہئے انکو اس مضمون کے ساتھ آگاہ کیا واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداوة والعشي يريدون وجهه ص 35)

*۔۔الہام ہوا کہ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ (19) ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ (القيامة19-20) ص35)

*۔۔الہام ہوا کہ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى (41) فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى (النازعات 41-42) ص35)

*۔۔الہام ہوا کہ"ہمیشہ بدل خود مطالعہ کردہ باش۔یعنی ہمیشہ اپنے دل میں جھانکتے رہو ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کدورت بیٹھ جاوے" ص 35)

*۔۔۔شہر دلی میں الہام ہوا کہ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا

بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَى (طه 132) ص 35)

*--باغ سکندر میں یہ الہام ہوا کہ قل لازواجك واولادك و اتباعك قوموا لله قانتين 36)

*---الہام ہوا کہ انا جليسك وانيسك فلا تحزن ص 36)

*---الہام ہوا کہ ولا تنس ما اودعت فی قلبك فان رويا المومن جزء من ستة واربعين جزء من النبوة ص 36)

*--دہلی میں یہ الہام ہوا کہ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا (الكهف 29) ص 36)

*--یہ بھی الہام ہوا کہ کن فی الناس کاحد من الناس ص 36)

*-- یہ القا ہوا کہ اگر وقت غفلت شد تدارک آن وقت دیگر لازم است یعنی اگر ایک وقت غفلت ہو جائے تو دوسرے وقت میں اس کا تدارک لازم ہے ص 36)

---تین مرتبہ یہ الہام ہوا کہ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (آل عمران 98) ص 36).. الہام ہوا وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَى (الضحیٰ 6) ص 37)

*--الہام ہوا کہ أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (2) وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ (الشرح 2-3) ص 37)

*-- یہ الہام ہوا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (البقرة 154) ص 38)

--- الہام ہوا فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى (النجم 33) ص 39)--- الہام ہوا ''دین کے مشکل مسلوں کا ان سے (اخوند حبیب اللہ) سے استفسار کیا کرو ص 41)

*---الہام ہوا قرآن مجید میں فکر کرنے کے لئے فوز الکبیر فی اصول التفسیر کا مطالعہ کیا کرو ص 41)

(بسوانح عمری مولوی عبداللہ الغزنوی المرحوم باہتمام عبدالغفور وعبدالاول پسران مولوی محمد بن مولوی عبداللہ غزنوی مطبع القرآن والسنۃ واقع امرتسر)

*--- الہام ہوا وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ} (آل عمران 104)

(مولوی عبداللہ الغزنوی المرحوم مجموعہ مکتوبات باہتمام عبدالغفور وعبدالاول پسران مولوی محمد بن مولوی عبداللہ غزنوی مطبع القرآن والسنۃ واقع امرتسر ص 1)

*--- الہام ہوا أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ (61) وَأَنِ اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ (يس 61-62) ص 1)

*--الہام ہوا وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (23) أَأَتَّخِذُ مِنْ دُونِهِ آلِهَةً إِنْ يُرِدْنِ الرَّحْمَنُ بِضُرٍّ لَا تُغْنِ عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُونِ (يس 23-24) ص 1)

*-- الہام ہوا وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ} (الأنعام 154) ص 1)

--الہام ہوا فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ (25) وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ} (البقرة 25-26) ص 1)---الہام ہوا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ

وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ} (التحريم 7) ص 1)

*---الہام ہوا وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ} (البقرة 196 ص 1) *--- الہام ہوا وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (156) الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (157) أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ} (البقرة 156-158) ص 1)

*-- الہام ہوا قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ (يوسف 109 ص 1) *---الہام ہوا اقرا كتابي ولا تقرء سوے كتابي اور فَمَنِ ابْتَغَى وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْعَادُونَ (المؤمنون 8)

*---الہام ہوا وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ (هود 114 ص 23) *--الہام ہوا اذا كان لك حاجة فقل ثلاث مرات يا ارحم الرحمين اقض حاجتي فاقض حاجتك ص 41) *--الہام ہوا قل للحسين ارفق فان الرفق راس الخيرات ص 41)

*---ایک الہام جو بارہا ہوا اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله ص 41)

*---ایک الہام یوں ہوا قل للحسين فمن اتبع هداى فلا مضل ولا يشقى وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى} (طه 125) ص 41)

*--فرماتے ہیں کہ ''سال ہال تک قرآن کی اشاعت کی کوشش کر کے کوئی انصار نہ ملنے پر میں بزبان حال یہ کہہ رہا تھا کہ {يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا} (الفرقان 31) اور کہہ رہا تھا کہ من انصاری الی اللہ اور اس دکھ اور کرب کے حال میں دعا کر رہا تھا کہ الہام ہوا انت مني و انا منك فلا تخف ولا تحزن اور پھر بار بار یہ الہام ہوا انت مني و انا منك والحسين معك اور پھر الہام ہوا اخذ الحسين من يده و قل له انت مني اور پھر الہام ہوا کہ قل للحسين اقرا كتابي على عبادي ولا تن فاني معك حيث ما كنت ان الہامات کے پے در پے ہونے پر فرحت سرور آ گیا گویا کہ میں نئے سرے سے زندہ ہو گیا ہوں'' ص 42)

آپ کی اولاد اور پوتوں کا تعارف

اللہ تعالیٰ نے آپ کو 27 بچوں سے نوازا۔ 12 بیٹوں اور 15 بیٹیوں سے۔ جن کے نام یہ ہیں عبداللہ، احمد، عبدالجبار، محمد، عبدالاحد، عبدالرحمان، عبدالستار، عبدالقیوم، عبدالرحیم، عبدالحی، عبدالقدوس، عبدالعزیز

ان میں سے 5 بیٹے عبدالرحمٰن، عبدالستار۔ عبدالقیوم۔ عبدالحی۔ عبدالقدوس لا اولاد تھے جبکہ ان کے پوتوں میں سے کچھ قابل ذکر نام یہ ہیں۔ عبدالجبار غزنوی کے بیٹے داود غزنوی اور انکے بیٹے ابوبکر غزنوی مشہور ہوئے جبکہ عبدالواحد غزنوی کے صاحبزادے اسمٰعیل اور ان کے بیٹے ڈاکٹر خالد غزنوی معروف نام ہیں۔ (غزنوی خاندان تالیف عبدالرشید عراقی ناشر امام شمس الحق ڈیانوی پبلشرز کراچی ص 73و74)

سید داود غزنوی پکے کانگریسی تھے وہ پنجاب کانگریس کے صدر بھی رہے۔ ان کے صاحبزادے ابوبکر غزنوی جو پہلے اسلامیہ کالج میں عربی کے پروفیسر تھے بعد میں اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کے وائس چانسلر بنا دیئے گئے مگر جوانی ہی میں 49 سال میں فوت ہو گئے'' (غزنوی خاندان تالیف عبدالرشید عراقی ناشر امام شمس الحق ڈیانوی پبلشرز کراچی ص 21)

وفات کے سالوں میں گہری خاموشی اور اس کا راز

وفات کے قریبی دنوں میں آپ نے بالکل خاموشی اختیار کر لی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ آپ ایک بہت گہرے دکھ میں مبتلا ہیں۔ تمام وقت دعاوں میں گزارتے۔ آپ کے سوانح نگار اس کا تذکرہ یوں کرتے ہیں کہ ''امرتسر آنے کے بعد یعنی اپنی اخیر عمر میں ضروری بات کے سوا کسی سے کلام نہ کرتے تھے اور اپنے رب کی طرف متوجہ رہتے'' ص 19

اور آخر آپ نے ایک دن اپنے قریبی دوستوں کی محفل میں اس راز اور اس کی نسبت سے دکھ کا اظہار فرما دیا۔ آپ کو دراصل اپنی اس دنیا سے رخصتی اور امام مہدی علیہ السلام کی آمد کی اطلاع خدا تعالیٰ کی طرف سے موصول ہو چکی تھی

اوراس کے ساتھ ساتھ آپ کوخدا تعالیٰ کی طرف سے یہ وحشت ناک خبربھی دی جا چکی تھی کہ اس خدائی نور سے آپ کی اولادمحروم رہے گی ۔یہی وہ کرب ناک کیفیت تھی جس کی وجہ سے آپ دعاؤں میں لگ گئے اوراپنی اولادکواس بدبختی سے نکالنے کے لئے اپنے مولا کے حضور گریہ وکناں رہتے تھے۔اور عام عوام سے بالکل کلام چھوڑ دیا تھا۔

حضرت مولوی عبداللہ غزنویؒ کی ایک کشفی پیشگوئی:

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے اپنی صداقت کے دلائل میں حضرت عبد اللہ صاحب غزنویؒ کے مکاشفات میں سے ایک کشف بایں الفاظ تحریر فرمایا ہے کہ:۔

’’ازآنجملہ بعض مکاشفات مولوی عبداللہ صاحب غزنوی مرحوم کے ہیں جو اس عاجز کے زمانہ ظہور سے پہلے گزر چکے ہیں چنانچہ ایک یہ ہے کہ آج کی تاریخ ۱۷ جون ۱۸۹۱ء سے عرصہ چار ماہ کا گزرا ہے کہ حافظ محمد یوسف صاحب جو ایک مردصالح ۔بے ریا۔متقی۔اور متبع سنت اوراول درجہ کے رفیق اور مخلص مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی ہیں۔ وہ قادیان میں اس عاجز کے پاس آئے اور باتوں کے سلسلہ میں بیان کیا کہ مولوی عبداللہ غزنوی مرحوم نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے اپنے کشف سے ایک پیشگوئی کی تھی کہ ایک نور آسمان سے قادیان کی طرف نازل ہوامگرافسوس کہ میری اولاد اس سے محروم رہ گئی۔‘‘

(ازالہ اوہام۔روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۷۹)

درباری ملاؤں کے ستائے جب خوددرباری ملاں بن گئے

کچھ عرصہ بعد آپ کی وفات ہوگئی اورآپ کی اولاد کو ہندوستان میں قیام کے دوران کافی عزت ملی اوروہ ہندوستان سمیت عرب کے شاہی درباروں سے منسلک ہوگئی۔عرب میں آپ کی اولاد کوظاہری لحاظ سے اونچے اونچے عہدے نصیب ہو گئے اور پھر یہی دولت کی ریل پیل اور درباروں سے وابستگی کے ساتھ وہی نحوست وارد ہوگئی جس سے آپ ڈرتے تھے۔جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے امام مہدی ہونے دعوی کیا تو آپ کی اولاد میں سے اکثر بچوں نے وہی متکبرانہ اورشوخیانہ رویہ اختیار کیا جو کابل کے درباری ملاؤں نے آپ سے اختیار کیا تھا۔اورزبان درازی اوردکھ دینے کا ہروہ حربہ استعمال کیا جو آپ کے دشمنوں نے آپ سے اختیار کیا تھا۔

قادیان میں آسمان سے نور اُترے گا اور میری اولاد اس سے محروم رہ جائے گی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام’’اشتہار معیار الاخیار‘‘ میں منشی الٰہی بخش صاحب اکاونٹنٹ اور حافظ محمد یوسف صاحب کومخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں

’’اس جگہ مَیں بالخصوص اُن صاحبوں کومندرجہ ذیل شہادت کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ جومولوی عبداللہ غزنوی کی نسبت جن کی اولاد مولوی عبدالواحد صاحب اورعبدالجبار صاحب امرتسر میں موجود ہیں راست بازی کا اعتقادرکھتے ہیں یا خوداُن کے فرزند ہیں۔تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مجھے میرے مخالفوں کے گروہ میں سے وہ شخص کے ذریعے سے خبر پہنچی ہے کہ مولوی عبداللہ صاحب غزنوی نے میرے ظہور کی نسبت پیشگوئی کی تھی۔ان دونوں صاحبوں میں سے ایک صاحب جن کا نام حافظ محمد یوسف ہے جوداروغہ نہر ہیں اور غالباً اب مستقل سکونت امرتسر میں رکھتے ہیں۔دوسرے صاحب منشی محمد یعقوب نام ہیں اور یہ دونوں حقیقی بھائی ہیں اور یہ دونوں صاحب عبداللہ صاحب کے خاص معتقدین اور مصاحبین میں سے ہیں جس سے کسی صاحب کوبھی انکار نہیں اور ان کی گواہیاں اگرچہ دو ہیں مگر حاصل مطلب ایک ہی ہے۔حافظ محمد یوسف صاحب کا حلفی بیان جس کے غالباً دوسو کے قریب گواہ ہوں گے یہ ہے کہ’’ایک دن عبد اللہ صاحب نے مجھے فرمایا کہ مَیں نے کشفی طور پر دیکھا ہے کہ ایک نور آسمان سے قادیان کی طرف نازل ہوا ہے اورمیری اولاد اس سے محروم رہ گئی ہے یعنی اس کوقبول نہیں کیا اوروہ انکار اور مخالفت پر مرے گی اور منشی محمد یعقوب صاحب کا ایک تحریری بیان ہے جو ایک خط میں موجود ہے جوابھی اپریل ۱۹۰۰ء کو بذریعہ منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلہ سے مجھ کو پہنچا ہے جس کوانہوں نے بتاریخ ۲۴ اپریل ۱۹۰۰ء اپنے ہاتھ سے لکھ کر منشی ظفر احمد صاحب کے پاس بھیجا تھا اور انہوں نے میرے پاس بھیج دیا جواس وقت میرے سامنے رکھا ہے اور جوشخص چاہے دیکھ سکتا ہے۔مگر مَیں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس تمام حقیقت کے سمجھانے کے لئے وہ حالات بھی لکھ دوں جو مجھے معلوم ہیں کیونکہ جو کچھ خط میں ایک

کمزور عبارت میں لکھا گیا ہے اسی کو منشی محمد یعقوب صاحب ایک بڑے شدو مد میرے سامنے بیان کر چکے ہیں۔مگر چونکہ اب وہ اور اُن کے دُنیا سے پیار کرنے والے بھائی حافظ محمد یوسف شیعوں کی طرح خلافتِ حقّہ سے انکار کر کے تقیّہ کے رنگ میں بسر کر رہے ہیں۔اس لئے اب اُن کے لئے ایک موت ہے کہ سچّا واقعہ مجلس میں اسی شدّ و مد کے ساتھ منہ پر لاویں تاہم امید نہیں کہ وہ اس شہادت کو مخفی رکھیں کیونکہ حق کو چھپانا لعنتیوں کا کام ہے نہ قرآن شریف کے حافظوں کا۔ اس لئے ہم بھی منتظر ہیں کہ ان کی طرف سے کیا آواز آئی ہے۔منشی محمد یعقوب صاحب تو بوجہ اس خط کے قابو میں آ گئے ہیں مگر حافظ محمد یوسف صاحب کے لئے اس وقت تک حیلہ بازی کی راہ کھلی ہے جب تک قرآن شریف ہاتھ میں دے کر ایک مجمع مسلمانوں میں قسم کے ساتھ ان سے پوچھا نہ جائے۔ ☆ القصّہ جو میرے سامنے منشی محمد یعقوب صاحب نے کہا تھا اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب بمقام امرتسر مولوی عبدالحق غزنوی سے میرا مباہلہ ہوا تھا جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے میری سچائی ظاہر کرنے کے لئے ستر کے قریب نشان ظاہر کئے جن کے ہزارہا انسان گواہ ہیں۔ ایسا اس کے بعد ہزارہا نیک دل لوگوں کو میری بیعت میں داخل کیا جو دس ہزار سے بھی زیادہ ہیں۔جنہوں نے اپنا صدق ظاہر کرنے کے لئے ہمارے سلسلہ کی تائید میں تیس ہزار کے قریب روپیہ دیا ہوگا۔ایسا ہی خدا تعالیٰ نے مجھے اس مباہلہ کے بعد پیشگوئی کے موافق کئی فرزند عطا فرمائے اور ایک فرزند کی نسبت جس کا نام مبارک احمد ☆ ظاہر فرمایا کہ عبدالحق نہیں مرے گا جب تک وہ پیدا نہ ہو۔☆ یعنی مباہلہ کے بعد یہ ذلّت بھی اس کو نصیب ہوگی کہ اس کی بیوی کا حمل خطا جائے گا اور اس کی پیشگوئی جھوٹی نکلے گی۔مگر میری تصدیق کے لیے اس کی زندگی میں چوتھا لڑکا پیدا ہوگا۔ایسا ہی خدا نے مباہلہ کے بعد لاکھوں انسانوں میں عزّت کے ساتھ مجھے شہرت دی اور مخالفوں کی ذلّت اور نامرادی ثابت کر کے دکھلا دی۔ اس مباہلہ کے میدان میں ایک کثیر جماعت کے روبرو منشی محمد یعقوب صاحب نے کھڑے ہو کر میری نسبت بیان کیا تھا کہ مولوی عبداللہ صاحب نے مجھے کہا تھا کہ ایک نور پیدا ہوگا جس سے دُنیا کے چاروں طرف روشنی ہو جائے گی اور وہ نور مرزا غلام احمد ہے جو قادیان میں رہتا ہے۔یہ وہ گواہی ہے کہ جو منشی محمد یعقوب نے بمقام امرتسر محمد شاہ صاحب کی مسجد کے قریب ایک میدان میں کھڑے ہو کر قریباً دوسو آدمی کے روبرو دی تھی اور اب جو ۳۰ اپریل ۱۹۰۰ء کو منشی صاحب مذکور کا اس جگہ خط پہنچا اس کی عبارت یہ ہے جو ذیل میں لکھتا ہوں۔

’’میرے اشفاق فرمائے منشی ظفر احمد جی زاد لطفہٗ۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ آج ۲۲ اپریل ۱۹۰۰ء کو آپ کا عنایت نامہ صادر ہوا۔دریافت خیریت سے بہت خوشی ہوئی۔اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ بامن خود رکھ کر خواہش دلی پر پہنچاوے۔آپ میرے بیان کو بالکل بھول گئے ۔ مَیں نے تو اس صورت میں بیان کیا تھا کہ میرے گھر میں خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے چاند ٹوٹا اور درمیان آسمان اور زمین کے آ کر اُس کے چار ٹکڑے ہو کر ہر چہار ٹکڑے ہر ایک گوشہ دُنیا میں گرے اور گرے ہوئے ہر چہار گوشہ میں بہت شور سے شعلہ زن ہوئے ۔ یہ خواب بندہ نے علی الصباح مولوی عبداللہ صاحب مرحوم سے بیان کر کے تعبیر دریافت کی فرمایا قریب ہے کہ کوئی شخص اللہ کی طرف سے پیدا ہو جس کے سبب سے دُنیا کے ہر گوشہ سے دین کی ترقی ہو۔اور ساتھ ہی ایسا بھی فرمایا کہ شاید مرزا قادیان سے ظہور ہو۔یعنی اس نور کا ظہور مرزا قادیانی کے وجود سے ہو۔فقط‘‘ اب یہ دو گواہیاں ان دونوں انسانوں کی ہیں کہ اس وقت وہ اپنی ذلیل دُنیا کی مصلحت سے میرے مخالف ہیں۔ یہ دونوں صاحب کے رفیق اور مصاحب تھے۔۔ ہر ایک طالب حق کو چاہیے کہ ان صاحبوں سے حلفاً دریافت کرلو کہ ان کا یہ خط ہے یا نہیں۔اور حافظ محمد یوسف صاحب کی گواہی کا نہ ایک دو بلکہ دوسو آدمی گواہ ہے ولعنۃ اللہ علی الکاذبین۔اب اگر مولوی عبداللہ صاحب کی اولاد کے دل میں کچھ بھی خدا تعالیٰ کا خوف ہو تو اپنے باپ کی پیشگوئی کو عزّت کی نگاہ سے دیکھیں۔ہاں اس پیشگوئی میں یہ بھی ہے کہ وہ اس نور کو قبول نہیں کریں گے۔اور محروم رہ جائیں گے۔سو جیسا کہ سمجھا جاتا ہے اگر محروم کے لفظ کے یہی معنے ہیں جو سمجھے گئے تو پھر قضا وقدر کے مقابل پر کیا پیش جا سکتی ہے۔لیکن ہم خاص طور پر منشی الٰہی بخش صاحب اکونٹنٹ کو اس پیشگوئی کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ یہ ان کے مرشد کی پیشگوئی ہے جس کو وہ مسیح موعود سے بھی زیادہ عزت دیتے ہیں۔

ہاں اگر اُن کا شک ہوتو حافظ محمد یوسف صاحب اور منشی محمد یعقوب سے قسمیہ دریافت کرلیں۔''

(مجموعہ اشتہارات جلد 3۔ 25 مئی 1900 مطبوعہ ضیاء الاسلام پریس قادیان)

اور پھر ایسا ہی ہوا۔ قادیان میں آسمان سے نور اترا مگر حضرت عبداللہ صاحب کی اولاد کو امام مہدی پر ایمان نصیب نہ ہوا اور وہ جوان کے والد آخری لمحات میں شدید کرب اور خاموشی میں تھے۔ شائد اللہ کی طرف سے اُن کو بچوں کی بدبختی اور درباروں سے وابستہ ہوکر سخت دل بدزبان ہوجانے کی اطلاع دی جا چکی تھی چنانچہ عبدالجبار غزنوی اور عبدالواحد غزنوی نے بدتمیزی اور گستاخی کی حدود کو چھوئے بغیر موت نہیں دیکھی۔

عبد اللہ غزنوی صاحب کا ایک الہام مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے متعلق

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

''حضرت عبداللہ صاحب مرحوم غزنوی کا ایک کشف شیخ محمد حسین بطالوی کی نسبت جس کو جناب قاضی ضیاء الدین صاحب ساکن قاضی کوٹ ضلع گوجرانوالہ نے اپنے کانوں سے سنا اور شیخ صاحب کی طرف محض اصلاح روحانی کے لئے لکھ کر روانہ کیا۔ سووہ ہم اس رسالہ میں درج کرتے ہیں۔ اگرچہ شیخ صاحب کی نسبت ہمارا یقین ہے کہ وہ اس سے متنبہ ہونے والے نہیں لیکن ہم ان کے بعض ہم خیال اور محبوں پر ایک قسم کا حسن ظن رکھتے ہیں کہ وہ اس سے فائدہ حاصل کریں گے واللہ ولی التوفیق وہ کشف ذیل میں درج ہے۔

خاکسار سراج الحق نعمانی هُوَ الْهَادِیْ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ نحمدہ و نصلّی مکرمی مولوی محمد حسین صاحب بعد شوق ملاقات آنکہ یہ جو آج کل آپ دربارہ تکفیر و تضلیل حضرت مسیح موعود میرزا غلام احمد صاحب قادیانی جن کو آپ پہلے مجدد وقت تسلیم کر چکے ہیں سرگرم ہیں اور یہاں تک سرگرمی ہے کہ آپ نے اپنے لکھے ہوئے مضمون کفر و کافر مندرجہ اشاعہ کی بھی پرواہ نہیں کی جس کی شامت سے اب صریح سوء خاتمہ کے آثار ظاہر ہیں آپ کی اس حالت کو دیکھ کر عاجز کا دل بلحاظ حبّ بنی نوع پگھل آیا لہٰذا بحکم اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ مَیں نے چاہا کہ آپ کو اس شیمہ نامرضیہ سے للہ متنبہ کروں شاید اللہ تعالیٰ جو رحیم و کریم ہے رحم فرماوے اور اس بارے میں یہ ایک الہام عبداللہ غزنوی مرحوم ہے جو آپ کی نسبت ان کو ہوا تھا اور اسی زمانہ میں آپ کو سنا بھی دیا تھا شائد وہ آپ کو یاد ہو یا نہ ہوا ب میں آپ کو دوبارہ سناتا ہوں اور مجھے کئی بار تجربہ ہو چکا ہے کہ مولوی لوگ اپنے ہم عصر کی بات سے گوکیسی ہی مفید ہو کم متاثر ہوتے ہیں اب وہ مرحوم تو فوت ہو چکے شاید آپ ان سے علاقہ بیعت بھی رکھتے تھے۔ تعجب نہیں کہ آپ کو ان کے الہام سے فائدہ پہنچے۔ عاجز کی غرض سوائے خیر خواہی اور اتفاق بین المسلمین اور کچھ نہیں مَیں حلفاً بیان کرتا ہوں وَ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا کہ یہ الہام میں نے خود حضرت مرحوم سے سنا ہے۔ خدا کے لئے جاگتے دل سے سنو۔ وھو ھٰذا می بینم کہ محمد حسین پیراہنے کلان پوشیدہ است لاکن پارہ پارہ شدہ است۔ پھر آپ ہی یہ تعبیر فرمائی کہ آن پیراہن علم است کہ پارہ پارہ خواہد شد اور پارہ پارہ زبان سے کہتے تھے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے سینہ سے لے کر پنڈلیوں تک بار بار اشارہ کرتے تھے۔ پھر عاجز کو فرمایا کہ آنرا بایدگفت کہ توبہ کردہ باشد۔ چنانچہ حسب الوصیت میں نے آپ کو یہ حال سنایا تھا۔ آپ نے عاجز کو چینیاں والی مسجد لاہور میں تمسخر آمیز الفاظ سے پیغام دیا تھا کہ ولی بنتے جاتے ہیں عبداللہ کو کہنا کہ مجھے بھی بلاوے۔ اس پیغام کے بعد انہوں نے ملا سفر کے روبرو الہام مذکور فرمایا اور میں نے امرتسر میں بمکان حافظ محمد یوسف صاحب جہاں حافظ عبدالمنان رہتا تھا حرف بحرف آپ کو سنا دیا تھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس وقت آپ متاثر ہوگئے تھے۔ جس سے مطالعہ کتاب بھی چھوٹ گیا تھا۔ میں نے انہی دنوں اپنے گاؤں کے لوگوں کو بھی سنا دیا تھا جو وہ اب گواہی دے سکتے ہیں۔ غرض کہ یہ منذر الہام ان دنوں میں پورا ہوا جس کا اثر اب ظاہر ہوا کہ مرزا صاحب کے مقابل پر آپ کی ساری علمیت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور علم کے لاف و گزاف بھی ہیچ محض ثابت ہوئے۔ لہٰذا یہ الہام بے شک سچا ہے۔ مولوی صاحب میں نے وقت پر دوبارہ آپ کو یاد دلایا ہے آپ عبرت پکڑیں اور توبہ کریں اور اس مصلح اور مجدد اور امام کامل اور مسیح موعود ایدہ اللہ کی عداوت سے دست بردار ہو جائیں۔ ورنہ حسرت سے دانت پیسنا اور رونا ہوگا۔ آئندہ اختیار بدست

مختار۔شعر گر امروز ایں پند من نشنوی یقین دان کہ فردا پشیمان شوی وماعلینا الا البلاغ الراقم المسکین ضیاء الدین عفاعنہ ۲۰ ردسمبر ۱۸۹۵ء''

(روحانی خزائن جلد 9 ص 456*457)

غزنوی گستاخیوں پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدا ترسی کی دعوت

''اور غزنوی افغانوں کی جماعت جو ناپاک خیالات اور تکذیب کی بلا میں گرفتار ہیں۔ان کیلئے اگر وہ انصاف اور خدا ترسی سے کچھ حصہ رکھتے ہیں ان کے والد بزرگوار مولوی عبداللہ صاحب کی شہادت کافی ہے۔ہمارے پاس وہ گواہ موجود ہیں جو حلف سے بیان کرسکتے ہیں کہ مولوی عبداللہ صاحب نے اپنے کشف کی رو سے بتلایا تھا کہ ایک نور آسمان سے نازل ہوا اور قادیان کی سمت میں اترا ہے اور ان کی اولاد اس نور سے محروم رہ گئی۔اس گواہی میں حافظ محمد یوسف صاحب ضلعدار بھی شریک ہیں۔جو مولوی عبداللہ کے دوست اور محسن بھی ہیں بلکہ ان کے بھائی محمد یعقوب نے ایک جلسہ میں قسم کھا کر کہا تھا کہ مولوی عبداللہ نے اس نور کے ذکر کے وقت اس عاجز کا نام بھی لیا تھا کہ یہ نور ان کے حصہ میں آ گیا اور میری اولاد بے نصیب اور بے بہرہ رہی لہٰذا مناسب ہے کہ عبدالحق غزنوی اور عبدالجبار جو اپنی شرارت اور خباثت سے تکفیر اور گالیوں پر زور دے رہے ہیں۔اپنے فوت شدہ بزرگ کے کلمات کی تحقیق ضرور کرلیں۔ایسا نہ ہو کہ ان کی وصیت کی نافرمانی کرکے ان کے عاق بھی ٹھہر جائیں۔اس بزرگ مولوی عبداللہ نے اپنی زندگی کے زمانہ میں میرے نام بھی دو خط بھیجے تھے اور ان خطوں میں قرآنی آیتوں کے الہام کے ساتھ مجھے خوشخبری دی تھی کہ تم کفار پر غالب رہو گے اور پھر وفات کے بعد میرے پر ظاہر کیا تھا کہ میں آپ کے دعویٰ کا مصدق ہوں۔چنانچہ میں اللہ جلّ شانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ انہوں نے میرے دعویٰ کو سن کر تصدیق کی اور صاف لفظوں میں مجھے کہا کہ ''جب میں دنیا میں تھا۔تو میں امید رکھتا تھا کہ ایسا شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوگا۔'' یہ ان کے الفاظ ہیں۔ولعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

(روحانی خزائن جلد 11 ص 343 ضمیمہ رسالہ انجام آتھم)



مکُن تکیہ بَر عُمرِ ناپائیدار

(مُنیف سیدؔ)

قضا سے کسی کو نہیں ہے فرار
مکُن تکیہ بَر عُمرِ ناپائیدار

کرو جمع کچھ آخرت کے لیے
کہ اس زندگی کا نہیں اعتبار

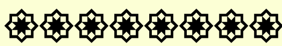
یہ دولت، یہ عزت، یہ کل کاروبار
ہے سب عارضی، پس بنو خاکسار

یہ قوّت، یہ طاقت، یہ علم و ہنر
نہ ان پر کبھی تم کرو انحصار

زباں کی حلاوت ہو وصفِ کلام
بنو باثمر، مت بنو خاردار

کرو خود میں پیدا تحمّل کہ تم
نہ ہو گالیاں سن کے بھی بےقرار

تکبر، رعونت سے بچ کر رہو
منیف ! عاجزی ہو تمہارا شعار



اپنا خیال رکھنا

(امۃ الباری ناصر۔امریکہ)

دنیا بہت ہے ظالم، اپنا خیال رکھنا
محتاط رہ کے چلنا، اپنا خیال رکھنا

دیکھو ستم ظریفی، دامن چھڑا کے جانا
پھر اس کے بعد کہنا، اپنا خیال رکھنا

دکھتے ہیں لوگ جیسے ہوتے نہیں ہیں ویسے
بچھو کا کام ڈسنا، اپنا خیال رکھنا



مسجد ناصر Waiblingen جرمنی، تاریخ افتتاح 5 ستمبر 2023ء



مسجد صادق Karben جرمنی، تاریخ افتتاح 30 اگست 2023ء



جلسہ سالانہ جرمنی منعقدہ بتاریخ 1 تا 3 ستمبر 2023ء کا ایک دلکش منظر

